فرموداتِ فقیر

میاں علی رضا

ملفوظات و مکتوبات

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ

نقشبندی مجددی توحیدی

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ

انتساب

حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ کے نام

جن کے ذریعے

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کو

تمام روحانی مراتب حاصل ہوئے۔

فہرست مضامین

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیّیْنَ وَرَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَالسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ.

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہدایت کا نظام اتنا بابرکت اور پرحکمت ہے کہ مخلوقِ خدا کی اصلاح کا کام کرنے والے اس کے عظیم بندے ہمیشہ اس کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھتے ہوئے مثبت نتائج کی توقع رکھتے ہیں۔ وہ ہر قسم کے ناموافق حالات میں بھی حکم اذاں کے پابند رہتے ہیں اور کبھی مایوس اور دلبرداشتہ نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں حضرت نوح k جیسے جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ ان کی ساڑھے نو سو برس کی شب وروز طویل جدوجہد کے نتیجے میں ایک قلیل تعداد ہی ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئی اور باقی قوم کو اللہ تعالیٰ کے غضب نے طوفان کی صورت میں نگل لیا۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی درخشندہ مثال ہے کہ صرف ۲۳ سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں پوری عرب قوم مشرف بہ اسلام ہوگئی اور جزیرۃ العرب کے لاکھوں مربع میل رقبہ پر اللہ تعالیٰ کے دین کا غلبہ ہوگیا۔ ان عظیم تاریخی واقعات کے علاوہ کچھ چھوٹی چھوٹی مگر دلچسپ اور ایمان افروز صداقتیں بھی دکھائی دیتی ہیں جن سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بے نیازی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اہلِ ایمان کے لیے عبرت کے سامان اور امید کے پیغام بھی ہیں۔ کہیں تو نوح k کے بیٹے کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہو رہا ہے کہ یہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے اور کہیں زید بن حارثہ ا جیسے غلام کو حضور سرکارِ دوعالم ﷺ اپنی فرزندی میں لے رہے ہیں۔

حضرت نوح اور لوط i کے ساتھ رشتۂ ازدواج کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کی بیویوں کو ان کی نافرمان قوموں کے ساتھ عذاب کا مستحق قرار دے دیا گیا اور ربوبیت کا دعویٰ کرنے والے فرعون کی اہلیہ کو جنت میں محلات کی بشارت دے دی گئی۔

عمر بن خطاب ا جیسا شہ زور اور غصیلا سردار جو شمع رسالت ﷺ کی مخالفت میں دشمنی کی آخری حدود عبور کرنے کے لیے گھر سے شمشیر بدست نکلا وہ اپنی ہی بہن کی زبان سے قرآن کریم کی تلاوت سن کر موم ہو گیا۔ حضور نبی آخر زماں ﷺ کے کتنے ہی خونی رشتہ دار عمر بھر آپ ﷺ کے خون کے پیاسے بنے رہے اور رسوائی کی موت سے دوچار ہوئے۔ دوسری طرف وطن سے بے وطن ہو جانے والے ایک مسافر کو دیکھیں جو حقیقت کی تلاش میں دربدر پھرتا رہا اور عیسائی راہبوں سے خبر پا کر سرزمینِ ہجرت میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کے انتظار میں غلامی کی زندگی بسر کر رہا تھا جسے ہم حضرت سلمان فارسیؓ کے نام سے جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے نظام میں اس طرح کے حیرت انگیز واقعات جہاں آسمانی کتابوں کے اوراق کی زینت بنے وہاں ہر دور میں انسان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور اس کی نظرِ عنایت پر شاہد واقعات کا ظہور ہوتا رہا ہے اور ہر باشعور انسان اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے تو اس کے لیے تمام اسباب بھی خود ہی مہیا فرما دیتا ہے۔

راقم الحروف کی اپنی زندگی میں بھی جو انقلابی تبدیلی آئی وہ محض اللہ رحیم و کریم کے فضل کی مرہونِ منت ہے۔ میری پیدائش و پرورش ایک اوسط درجے کے مسلمان گھرانے میں ہوئی۔ گھر پر ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے علاوہ کوئی دینی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملا۔ میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کرنے کے بعد میں نے ۱۹۵۲ء میں پاکستان ائرفورس میں ملازمت اختیار کر لی۔ اگرچہ لڑکپن ہی سے میرے دل

میں اللہ والوں سے انسیت اور راہِ فقر کا رجحان موجود تھا لیکن اللہ کے ہاں ہر واقعہ کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ خصوصی کرم فرمایا کہ ۱۹۵۹ء میں جب کہ میری عمر ۲۴ برس کی تھی مجھے سلسلہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبد الحکیم انصاریؒ کے دستِ مبارک پر توبہ اور بیعت کی سعادت عطا فرمائی۔ مرشدِ کریم کے روحانی فیض کی بدولت دل نورِ ایمان اور لذتِ اطمینان کے ایک انوکھے تجربے سے دوچار رہوا اور زندگی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کے صراطِ مستقیم پر رواں دواں ہوگئی۔

اس دور میں جب کہ فرقہ واریت اور ہوا و ہوس کے گرد و غبار نے حقیقی اسلام کے نور کو دھندلا رکھا ہے آپ کی دی ہوئی اسلام کی سیدھی سادی اور محبت بھری تعلیم سے منزلِ مقصود واضح ہوگئی، جس سے دنیوی اور روحانی ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ آپؒ کی مکمل تعلیم آپؒ کی تصانیف ''تعمیر ملت''، ''چراغِ راہ''، ''طریقتِ توحیدیہ'' اور ''حقیقت وحدت الوجود'' میں محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہر سچا طالب ان سے استفادہ کر کے منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

ان کے علاوہ آپؒ کی مجالس اور مریدین کے نام خطوط میں معرفت اور حکمت کے جو موتی لٹائے جاتے تھے وہ بھی سالکان کے لیے متاعِ بے بہا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب جنوری ۱۹۷۷ء میں قضائے الٰہی سے یہ نجم ہدایت غروب ہوا تو پھر ساقی توحید کے مریدان باصفا کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اب دل میں اتر جانے والے شیریں انداز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت، حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع اور عالم گیر محبت کی تعلیم دینے والا محسن اور مرشد تو اللہ کے ہاں چلا گیا۔ اب کیوں نہ قبلہ حضرتؒ کے ملفوظات اور مکتوبات کو اکٹھا کر لیا جائے تا کہ یہ مجموعہ ہمارے قلوب کو غذا مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ روحانی ورثہ کے طور پر اگلی نسلوں کی تربیت کے لیے بھی منارۂ نور کی حیثیت سے قائم رہے۔ اس نیک خیال کو حقیقت کے روپ میں ڈھالنے کے راستے میں متنوع مشکلات اور رکاوٹیں حائل تھیں جن کی وجہ سے رفتارِ کار میں یکسانیت نہ رہی۔ لیکن ہمارے پُرعزم بھائیوں نے

محنت اور ایثار طلب مراحل میں بھی ہمت نہ ہاری۔ان سراپا اخلاص ساتھیوں کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مخلوقِ خدا کی ہدایت کے سوا کچھ نہ تھا۔اس لیے ہمارے رحیم و کریم آقا نے ان کی کاوش کو بارآ ور فرمایا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق سے پیار کرنے والوں کی باتیں بھی محبت کی خوشبو میں رچی بسی ہوتی ہیں اور ان سے پڑھنے سننے والوں کے دلوں میں بھی محبت کی شمع روشن ہو جاتی ہے۔اہلِ دل کی ایسی ہی کسی بات سے بسا اوقات کسی خوش بخت کی بگڑی بن جاتی ہے اور ان کا فرمایا ہوا کوئی جملہ یا سنایا ہوا کوئی قصہ کئی سعید روحوں کے لیے زندگی کا اہم موڑ ثابت ہوتا ہے۔

ایسی ہی نیک تمناؤں اور پرخلوص دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ایک کامل فقیر کے کلماتِ طیبات کے گلہائے رنگا رنگ،قرطاس کی طشتری میں سجا کر اہلِ ذوق کے حضور پیش کر دیئے گئے ہیں۔ میں ان تمام سراپا اخلاص بھائیوں خصوصاً ائر کموڈور (ر) اعجاز الدین، خالد مسعود، رحمت اللہ شاہ بخاری، مولوی محمد یعقوب، احمد رضا خان اور عزیزم میاں علی رضا کے لیے جنہوں نے اس معطر نورانی گلدستہ کی تیاری میں حصہ لیا اور خصوصاً جناب محمد شریف چیمہ صاحب جن کی مالی معاونت سے اس مجموعے کی اشاعت ممکن ہوئی، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اجرِ عظیم سے نوازے اور قارئین و سالکین کے لیے ہدایت کا وسیلہ بنائے۔ آمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِکَ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ وَرَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَالسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ☆

محمد صدیق ڈار توحیدی

مرکز تعمیر ملت، وحید کالونی، گوجرانوالہ

یکم ربیع الاول 1431ھ

۱۶ فروری 2010ء

سوانح حیات

سوانحِ حیات

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

نام:

آپؒ کا نام گرامی "عبدالحکیم" ہے۔ تصوف سے نسبت کی وجہ سے نام کے شروع میں "خواجہ" لگایا جاتا ہے۔

خاندان:

آپؒ کے آباؤ اجداد کا تعلق پانی پت والے انصاری خاندان سے تھا جن کا سلسلۂ نسب مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے ملتا ہے۔

پیدائش:

آپؒ ۲۹ جولائی ۱۸۹۳ء کو جوار دہلی کے شہر فرید آباد میں پیدا ہوئے۔

خاندانی حالات:

آپؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبدالرحیم تھا، جو حافظ قرآن تھے۔ والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العائشہ سادات خاندان کی نہایت پارسا اور نیک اطوار خاتون تھیں۔ آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ اپنے وقت کے ایک جید عالم، کامل صوفی، ولی اللہ اور مرد خود آگاہ تھے۔

مولانا عبدالعزیزؒ ایک تعلیم یافتہ اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ جو کافی عرصہ تک لکھنؤ میں سینئر سب جج کے عہدے پر فائز رہے۔ آپؒ کے پردادا بھی عابد وزاہد بزرگ تھے، جنہوں نے ملازمت کے دوران کافی وقت ایبٹ آباد میں گزارا اور پھر کرنال سے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر ریٹائر ہوکر فرید آباد چلے آئے۔

آپؒ کے ننھیال دہلی کے محلّہ بلّی ماراں میں رہتے تھے جہاں قریب ہی حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا مزار ہے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے جانشین تھے اور قبلہ انصاریؒ کے ننھیال سے ہیں۔

آپؒ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ایک چھوٹے بھائی عبدالعلیم انصاری اور ایک چھوٹی بہن رفیعہ بیگم تھیں۔ عبدالعلیم انصاری آپ سے بارہ سال چھوٹے تھے۔

بچپن:

آپؒ میں بچپن سے ہی ایسے خواص موجود تھے جو عام بچوں میں نہیں ہوتے۔ آپؒ سے کرامات کا ظہور ابتدائی عمر سے ہی ہونے لگا تھا۔ گھر کا ماحول ایسا ملا جس نے اعلیٰ طرز پر نکھار پیدا کیا۔ بچپن میں جب آپؒ اپنے ننھیال جاتے تو اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مزار پر کھیلا کرتے تھے۔

تعلیم وتربیت:

آپؒ کا بچپن اپنے دادا مولانا عبدالعزیزؒ کی گود شفقت میں گزرا جنہوں نے پانچ برس کی عمر تک آپؒ کو نماز، مسنون دعائیں، اور کئی چھوٹی چھوٹی سورتیں زبانی یاد کرا دیں۔ مولانا عبدالعزیزؒ کا ایک ذاتی کتب خانہ تھا جس میں دینی ودنیاوی علوم پر کافی کتب تھیں۔ اس کتب خانہ سے آپؒ نے کافی کتب کا مطالعہ کرکے دینی ودنیاوی علوم پر دسترس حاصل کی۔ آپؒ جب اٹھارہ سال کے تھے تو نویں جماعت کے طالب علم تھے۔

ان دنوں دینی مدارس سے فارغ التحصیل لوگ جو ملازمت کے خواہش مند ہوتے وہ مولوی فاضل اور پھر منشی فاضل کا امتحان دیتے۔ مولوی فاضل اور منشی فاضل فارسی میں ہوتے تھے۔ میٹرک کے بعد بھی منشی فاضل کا امتحان دیا جا سکتا تھا۔

منشی فاضل کا امتحان دینے سے انگریزی کا امتحان دینے کا راستہ کھل جاتا تھا۔ اس طرح کسی ادارہ کے تحت لوگ پنجاب یونیورسٹی سے امتحان دیتے تھے۔

آپؒ گریجوایٹ تھے۔ آپؒ نے دینی مدارس کی تعلیم اور پھر مولوی فاضل کا امتحان دے کر منشی فاضل کرنے کی بجائے میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد منشی فاضل کیا پھر گریجوایٹ بنے۔ آپؒ انگریزی سے اردو، اردو سے انگریزی، فارسی سے انگریزی اور انگریزی سے فارسی ترجمہ کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔

ازدواجی زندگی:

آپؒ کی شادی آپؒ کے چچا کے گھر ہوئی جو کہ علی گڑھ کے فارغ التحصیل تھے۔ آپؒ کی اولاد میں ایک بیٹا اور تین بیٹیاں تھیں۔ بیٹے کا نام عبدالہادی اور بیٹیوں کے نام شمسہ بیگم، رابعہ بیگم اور ہمایوں بیگم تھے۔ شمسہ بیگم سب سے بڑی اور ہمایوں بیگم سب سے چھوٹی تھیں۔ عبدالہادی انصاریؒ اپنی نوجوانی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ آپؒ نے اپنے بھتیجے انور علیم انصاری کو گود لے کر بیٹا بنالیا تھا۔

گھریلو حالات:

آپؒ کے بیٹے عبدالہادی انصاریؒ جوانی میں ہی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ علاج کے لیے لاہور مینٹل ہسپتال داخل رہے۔ کچھ عرصہ علاج جاری رہا مگر جانبر نہ ہو سکے اور لاہور مینٹل ہسپتال میں ہی چھتیس (۳۶) سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان دنوں آپؒ کا قیام بنوں میں تھا۔ عبدالہادی انصاریؒ کی وفات کے وقت آپؒ ایبٹ آباد گئے ہوئے تھے۔

عبدالہادی انصاریؒ کو لاہور میں قبرستان میانی صاحب میں دفن کیا گیا۔

آپؒ کی بڑی بیٹی شمسہ بیگم کی شادی خواجہ فخر الحسن سے ہوئی' جو کراچی میں رہتے تھے۔ کراچی کا ماہوار مرکزی حلقہ ذکران کی رہائش گاہ ''شمس النہار'' واقع گارڈن ایسٹ پر ہی ہوا کرتا تھا۔ خواجہ فخر الحسن نے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے دستِ شفقت پر بیعت بھی کی۔ چھوٹی بیٹی ہمایوں کے میاں شیخ امتیاز علی آفاقی کافی عرصہ تک ہفتہ وار مجالسِ ذکر اور سالانہ اجتماعات میں شریک ہوتے رہے لیکن سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں باقاعدہ بیعت نہیں ہوئے۔ شیخ امتیاز علی آفاقی نے خاندان سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل تمام بزرگوں کے انتہائی مختصر تعارف پر مشتمل ایک کتابچہ بھی لکھا۔

آپؒ نے اپنے بھتیجے انور علیم انصاری کو گود لے کر بیٹا بنالیا تھا، جو پاک فضائیہ میں ٹیکنیکل آفیسر بھرتی ہو کر ونگ کمانڈر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔

آپؒ کی اہلیہ کو سب مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ ''نانی اماں'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ نانی اماں بھی ایک اعلیٰ مرتبہ کی حامل خاتون تھیں۔ آپؒ کی زندگی میں آپؒ کی اہلیہ کا کردار بہت واضح نہیں ہے۔ مگر ان کا مقام بھی بہت بلند تھا۔ نانی اماں کے مرتبے کا ذکر ایک مرتبہ آپؒ نے ایک حکایت ''گھر کا جوگی جوگڑا'' بیان کرتے ہوئے کیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ

''اور تو اور مجھے میری اپنی بیگم بھی نہیں گانٹھتی۔ وہ تو اپنے آپ کو مجھ سے بھی اونچا سمجھتی ہے اور کہتی ہے کہ تم کیا بزرگ بنے بیٹھے ہو، میرے ساتھ تو اللہ میاں باتیں کرتا ہے۔''

آپؒ نے ایک بھرپور زندگی گزاری۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے انڈین آرمی میں مترجم کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ آپؒ کی پہلی تعیناتی شملہ میں ہوئی۔ آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی میں بہت وقت گزارا۔ آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی میں تعیناتی کے دوران آپؒ نئی دہلی

گورنمنٹ کے اے کلاس کوارٹر ٹیگور روڈ پر اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ رہتے تھے۔ آپؒ کو آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی سے عارضی طور پر بلگام بھیجا گیا، بلگام قیام کے دوران اہلِ خانہ دہلی میں ہی رہے۔ ابھی کام ختم نہیں ہوا تھا کہ آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی کی طرف سے آپؒ کو بلگام سے واپس بلایا گیا۔ بلگام کی طرف سے کام مکمل نہ ہونے کا عندیہ دیا گیا مگر آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی نے یہ کہہ کر دہلی بلا لیا کہ باقی کام دہلی رہ کر پورا کر دیا جائے گا۔ آپؒ بلگام سے واپس دہلی تشریف لائے اور اپنے فرائض منصبی سرانجام دیتے رہے۔

۱۹۴۷ء میں جب آپ دہلی سے ہجرت کر کے لاہور اور پھر کراچی آئے تو آپؒ نے پاکستان ایئر فورس بیس ڈرگ روڈ (موجودہ شارع فیصل) میں بطور لائبریرین ملازمت شروع کی۔ یہاں سے کچھ عرصہ بعد آپ کا تبادلہ ملیر کینٹ لائبریری میں ہو گیا۔ ۱۹۵۵ء میں جب آپe نے کراچی سے بنوں مستقل سکونت کا فیصلہ کیا تو اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔

تصوف کی طرف رجحان:

آپؒ کی ابتدائی تربیت میں آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ کی صحبت کارفرما تھی۔ آپؒ کا بچپن اپنے دادا مولانا عبدالعزیزؒ کی گودِ شفقت میں گزرا۔ جن کی فیضِ صحبت سے آپؒ تصوف کی طرف مائل ہوئے اور آپؒ کو فقراء سے محبت و موانست نصیب ہوئی۔ آپؒ پیدائشی ولی اللہ تھے۔ آپؒ سے بچپن میں ہی کرامات کا ظہور ہونے لگا مگر آپؒ نے کرامات کو خاطر خواہ اہمیت کبھی نہ دی۔ مولانا عبدالعزیزؒ کے ذاتی کتب خانہ سے دینی و دنیاوی کتب کا مطالعہ کر کے نہ صرف دینی و نیاوی علوم پر دسترس حاصل کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تصوف اور صوفیاء کے بارے میں جاننے کا بھی موقع ملا۔ آپؒ ابھی دس برس کے تھے کہ آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ ۱۹۰۲ء میں انتقال فرما گئے۔ مولانا عبدالعزیزؒ کا تو

انتقال ہوگیا مگر ان کی صحبت کے اثرات سے آپe کی تربیت مضبوط بنیادوں پر استوار ہوئی۔لڑکپن سے ہی آپؒ نے مرشد کی تلاش شروع کر دی۔کئی درویشوں، بزرگوں، فقیروں، ملنگوں کے پاس گئے۔ بڑے بڑے درباروں، آستانوں اور درگاہوں کی طرف گئے، طرح طرح کی دنیا اوراس کے رنگ ڈھنگ دیکھے مگر کسی جگہ بھی دل مطمئن نہ ہوا۔آپؒ نے مرشد کی تلاش میں جوجستجو کی وہ آپؒ کی تصنیف ''چراغِ راہ'' کے پہلے خطبہ میں انتہائی مختصر درج ہے۔

مقصودِ حیات:

آپؒ کا مطمعٔ نظر آپ کے بقول:

''ایسے بزرگ کی تلاش تھی جوصاحبِ علم، صاحبِ عرفان اورصاحبِ تحقیق ہو، کشف و کرامات دکھانے والے تو بہت مل جاتے ہیں لیکن عارف اور محقق کہاں نظر آتے ہیں۔''

آپؒ کا مقصدِ حیات ''رویت باری تعالیٰ کا حصول تھا''۔

تلاشِ مرشد:

باقاعدہ سلوک طے کرنے کے لیے آپؒ مرشد کی تلاش میں سرگرداں رہے، آخرکار آٹھ سال کی تلاش وجستجو کے بعد وہ وقت آیا جب اچانک آپؒ کی ملاقات مولانا کریم الدین احمدؒ سے ہوگئی۔مولانا کریم الدین احمدؒ میں وہ تمام خوبیاں کماحقہٗ موجود تھیں جن کے حامل بزرگ کی آپؒ کو عرصہ دراز سے تلاش تھی۔آپؒ پہلی نشست میں چھ گھنٹے تک مولانا کریم الدین احمدؒ کی خدمت میں حاضر رہے اور بیعت ہو گئے۔مولانا کریم الدین احمدؒ نے کہا کہ

''دو چار ماہ ہماری صحبت میں رہو اور خوب جانچ پرکھ کر لو، پھر بیعت ہونا''

مگر آپؒ نے فرمایا کہ

''جو کچھ مجھے دیکھنا تھا وہ سب دیکھ لیا، خدا جانے پھر وقت اور موقع ملے نہ ملے اس لیے مہربانی فرمائیں اور مجھے بیعت کر لیں۔''

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے نسبت:

مولانا کریم الدین احمدؒ کے دست شفقت پر ۱۹۱۱ء میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کے وقت آپؒ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور نویں جماعت کے طالب علم تھے۔

مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپؒ کو چوبیس گھنٹے پاس انفاس، اور روزانہ پانچ ہزار مرتبہ نفی اثبات کرنے کو کہا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں رائج طریق ذکر نفی اثبات کے برعکس مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپ کو ذکر نفی اثبات بالجہر کے طریقہ پر کرنے کو کہا۔ آپؒ نے بڑی جانفشانی اور جوش و خروش سے تین برس متواتر اپنے اوراد جاری رکھے۔ مولانا کریم الدین احمدؒ کے بتائے گئے ان اوراد و اذکار کو پورا کرنے کی کوشش میں راتیں گزرتی تھیں۔ اس کی وجہ سے آپؒ دو مرتبہ میٹرک میں فیل ہو گئے۔ اسی دوران اللہ کے فضل و کرم سے آپ کے تین لطیفے، قلب، روح اور سِر روشن ہو گئے اور ان کے دوائر کی سیر بھی میسر آ گئی۔ جس پر مولانا کریم الدین احمدؒ نے تحریری طور پر آپؒ کو خلافت سے نوازا اور بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ اجازت نامہ میں تحریر فرمایا کہ

''جب تک چالیس سال کی عمر نہ ہو جائے کسی کو بیعت نہ کرنا۔''

اس وقت آپؒ کی عمر تئیس (۲۳) برس کے لگ بھگ تھی۔ مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپ کو نوافلِ تہجد پر خصوصی توجہ، ممکنہ حد تک تلاوتِ قرآن پاک اور تفکر یعنی مراقبے میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی ہدایت کی۔ آپؒ نے اپنے مرشد کی ہدایات پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۰ء میں مولانا کریم الدین احمدؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپؒ جب مولانا کریم الدین احمدؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تو ان کی تعلیمات پر عمل کرتے رہے۔ تقریباً نو

(۹) سال تک سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے وابستہ رہے۔ ابتدائی چھ (۶) سال میں آپؒ دس پندرہ مرتبہ اپنے مرشد (مولانا کریم الدین احمدؒ) سے ملے۔

سلسلہ چشتیہ سے نسبت:

مولانا کریم الدین احمدؒ کی وفات کے بعد آپؒ نے سلسلہ چشتیہ میں مراد آباد کے رہنے والے ایک مشہور بزرگ سید محمد قاسم علی کلیمیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپؒ نے پانچ چھ سال میں ہی چشتیہ سلوک طے کر لیا۔ آپؒ کم و بیش دس سال کے عرصہ میں صرف دو مرتبہ اپنے مرشد (سید محمد قاسم علی کلیمیؒ) سے ملے۔ آپؒ مزاجاً مرشد کی زیارت کی نسبت ان کی بتائی گئی تعلیم پر پورے جوش سے عمل کرنے کے قائل تھے۔ آپؒ پیر سے عقیدت کے ساتھ ساتھ محبت کو بھی ضروری خیال کرتے تھے۔

اویسیہ نسبت:

آپؒ سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ چشتیہ کا روحانی سلوک طے کر چکے تھے مگر مقصودِ حیات یعنی ''رویت باری تعالیٰ کا حصول'' تاحال ایک خواہش کی صورت میں موجود تھا۔ مزید کہیں بیعت تو نہ ہوئے مگر سلسلہ قادریہ اور دیگر سلاسل کے سلوک کا بغور مطالعہ کیا۔ تمام تر مطالعہ میں کہیں بھی رویت باری تعالیٰ کے حصول کا ذکر تک نہ پایا۔ مولانا کریم الدین احمدؒ نے پہلی ملاقات میں ہی ایک دوست کے ذریعے رویت باری تعالیٰ کے حصول کی پیشین گوئی کی تھی۔ اس دوست کے انتظار میں آپؒ لطیفہ غیبی کے منتظر رہے۔ آخر کار اکتوبر ۱۹۲۸ء میں رسالدار محمد حنیف خانؒ سے ملاقات ہوگئی۔ یہ وہی بزرگ تھے جن کا نام آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ نے خواب میں آ کر آپؒ کو بتایا تھا اور جن کے بارے میں مولانا کریم الدین احمدؒ نے بشارت دی تھی کہ

''میرے مرنے کے بعد تمہیں ایک دوست ملے گا جس کے پاس تمہارا حصہ ہے،

اس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔"

رسالدار محمد حنیف خاںؒ ہندوستان کی ریاست پٹیالہ کے قصبہ مہندر گڑھ کے رہنے والے تھے اور اویسی بزرگ تھے، جنہیں سیالکوٹ کے مشہور بزرگ امام علی الحقؒ سے اویسیہ طریق سے روحانی فیض ملا۔ امام علی الحقؒ کسی جہادی مہم پر سیالکوٹ آئے اور شہید ہو گئے انہیں یہیں پر دفن کر دیا گیا، رسالدار محمد حنیف خاںؒ ۱۹۲۸ء میں آپؒ سے ملاقات کے وقت بلگام میں بطور وائسرائے کمیشن آفیسر (VCO) آرمی کے ٹریننگ سکول میں آئے ہوئے تھے اور آپؒ آرمی ہیڈکوارٹر دہلی سے آرمی ٹریننگ سکول بلگام میں مترجم کی حیثیت سے عارضی طور پر موجود تھے۔

رسالدار محمد حنیف خاںؒ سے دوستی:

آپؒ کی رسالدار محمد حنیف خاںؒ سے دوستی کا سفر کم و بیش انیس (۱۹) سال پر محیط ہے۔ آپؒ کا تعلق رسالدار محمد حنیف خاںؒ سے چھوٹے بھائی کا سا تھا۔ آپؒ بلگام قیام کے دوران رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی دوستانہ صحبت سے بھرپور استفادہ کرتے رہے۔ بالآخر سرکاری حکم پر بلگام سے دہلی آرمی ہیڈکوارٹر واپس آ گئے۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ بھی بلگام میں ٹریننگ مکمل کر کے بنوں چلے گئے۔ بنوں قیام کے دوران رسالدار محمد حنیف خاںؒ چھٹیوں پر گھر جاتے ہوئے پہلے دہلی آتے، آپؒ کے ہاں قیام کرتے اور پھر گھر جاتے۔ بعض اوقات بنوں سے گھر چلے جاتے، اور واپسی پہلے دہلی میں قیام کرتے اور پھر بنوں کے لیے روانہ ہوتے۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ کے دہلی میں قیام کے دوران کئی معتقد اور دوست احباب بھی آپؒ کی رہائش گاہ پر آ جاتے اور خوب محفل جمتی۔

آپؒ کو رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے کوئی ذکر اذکار وغیرہ نہ بتائے۔ ان کا تعلق صرف

دوستی اور صحبت کا رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ کئی سال بعد آپؒ نے اپنے پرانے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ والے معمولات جو مولانا کریم الدین احمدؒ نے بتائے تھے وہ دوبارہ شروع کر دیے۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ دہلی آئے تو آپؒ کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:

''ماشاءاللہ اب تو خوب رنگ چڑھا ہوا ہے کیا پڑھتے ہو؟''

آپؒ نے جواب دیا کہ

''آپؒ تو کچھ پڑھنے کو بتاتے نہیں ہیں اس لیے میں نے اپنے پرانے سلسلہ نقشبندیہ والا ذکر ہی شروع کر دیا ہے۔''

رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے کہا کہ

''یہی ٹھیک ہے، یہی کرتے رہیں۔''

آپؒ نے ایک مرتبہ اپنے مریدین کو بتایا کہ

''جب رسالدار محمد حنیف خاںؒ تشریف لاتے تو رات کافی دیر تک احباب کے ساتھ نشست جمتی، چائے کے دور چلتے اور خوب گپ شپ ہوتی۔ ایک شب ایسی ہی ایک مجلس تھی کہ آپؒ نے پانی منگوایا، اس میں سے تھوڑا سا خود پیا اور گلاس والا ہاتھ آگے بڑھایا۔ نزدیک ہی ایک دوست ظہور الحسنؒ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے گلاس پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے انہیں ایک تھپڑ رسید کیا اور گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ اس کا حصہ ہے'' میں نے وہ چند گھونٹ پانی کے پی لیے۔ اللہ جانے اس ظالم نے اس میں کیا ملایا تھا کہ پانی پینے کے ساتھ ہی زن کی آواز آئی کہ جیسے میں نے پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ پی لیا ہو۔ وہ پانی جہاں جہاں سے گزرا سب کچھ جلاتا ہوا گزرا۔ بس اس کے بعد تو پھر میری ترقی راکٹ کی سپیڈ سے ہوئی۔ اب تو جو کچھ بھی میرے پاس ہے یہ رسالدار صاحب کا دیا ہوا ہے۔ چونکہ انہوں نے مجھے بیعت نہیں کیا تھا اس لیے ہم اپنا شجرہ مولانا کریم الدین احمدؒ سے ملاتے ہیں کہ وہی ہمارے

مرشد تھے۔"

آپؒ بھی چند مرتبہ مہندر گڑھ گئے۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ فوج سے ریٹائر ہو کر مہندر گڑھ آباد ہو گئے۔ جہاں سے اکثر اوقات دہلی جایا کرتے تھے۔ ان دنوں شب و روز ملاقاتوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ آپ e ان گزرے ہوئے دنوں کو بہت یاد کیا کرتے تھے۔

ہجرتِ پاکستان:

تقسیم ہند کے بعد امن وامان کی صورتِ حال ابتر ہوتی چلی گئی۔ پاک و ہند سرحد کے آر پار ہجرت ہو رہی تھی۔ آپؒ نئی دہلی ٹیگور روڈ کے مکان سے پاکستانی سفارتخانے چلے گئے اور ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو دہلی سے ہجرت کر کے بذریعہ ریل گاڑی لاہور تشریف لائے۔ بستی نظام الدین کے ریلوے اسٹیشن سے لاہور تک یہ سفر کوئی معمولی سفر نہ تھا۔ اس ہجرت کے آگ و خون کے حالات اور غیبی نظام سے آپؒ کی ریل گاڑی کی حفاظت کے واقعات کو انتہائی مختصر طور پر آپؒ نے اپنے دسویں سالانہ خطبہ ۱۹۷۴ء میں بیان فرمایا ہے۔

کراچی میں قیام:

آپؒ لاہور مہاجر کیمپ میں دو ہفتے گزارنے کے بعد اپنے عزیز و اقارب کے پاس کراچی چلے گئے اور اپنے خالہ زاد بھائی کے ساتھ کچھ دیر رہے۔ اس کے بعد اپنے داماد کی رہائش گاہ پر چلے گئے۔ جب آپؒ کی بطور لائبریرین پاک فضائیہ کے ڈرگ روڈ (شارع فیصل) سٹیشن میں ملازمت ہوئی تو آپؒ کو کیمپ کے اندر ہی رہائش کے لیے کوارٹر بھی مل گیا۔

کراچی میں دورانِ ملازمت ہی آپؒ کی بزرگی عیاں ہوگئی۔ آپؒ کے عقیدت مند

حضرات پاک فضائیہ میں کثرت سے تھے۔ جب آپؒ کا تبادلہ پاک فضائیہ کے ڈرگ روڈ (شارع فیصل) سٹیشن سے ملیر کینٹ لائبریری میں ہوا تو یہاں بھی آپؒ کی مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ جب کراچی میں ملیر ائیر فورس بیس کا افتتاح ہونے والا تھا تو وہاں کے سٹیشن کمانڈر ونگ کمانڈر عبدالسلام بٹ نے آپؒ سے نئے کیمپ کے لیے مونو گرام لکھنے کی درخواست کی۔ آپؒ نے اس کیمپ کے مونوگرام کے لیے یہ شعر لکھ دیا:

آتی ہے مجھے غیب سے آواز مسلسل
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

آپؒ کا تجویز کردہ یہ مونوگرام آج بھی ملیر ائیر فورس بیس کے مین گیٹ پر لکھا ہوا ہے۔
آپؒ جنوری ۱۹۵۵ء میں کراچی سے بنوں منتقل ہو گئے۔ آپؒ ۱۹۶۳ء میں آخری مرتبہ اپنے چھوٹے بھائی عبدالعلیم انصاریؒ سے ملنے کے لیے کراچی آئے۔ اس کے بعد دوبارہ کبھی کراچی جانا نہیں ہوا۔

بنوں میں قیام:

آپؒ کے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خاںؒ فوج سے ریٹائر ہو کر مہندر گڑھ ریاست پٹیالہ میں اپنے آبائی گھر میں آباد تھے انہوں نے ہجرت کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ

''ہمیں حکم ہوا ہے کہ یہاں پر ہی شہید ہونا ہے۔''

عزیز و اقارب نے بہت اصرار کیا مگر وہ نہیں مانے اور بعد میں وہیں شہید ہوئے۔
آپؒ فرماتے تھے کہ

''رسالدار صاحبؒ تو اکثر میرے ساتھ رہتے ہیں۔''

''رسالدار صاحب جب بھی ملتے یہی فرماتے کہ بنوں آ جاؤ۔ اگر آرام سے رہنا

چاہتے ہوتو بنوں آ جاؤ۔آ خران کی محبت ہمیں بنوں لے گئی۔''

آ پؒ جنوری ۱۹۵۵ء میں کراچی سے ترکِ سکونت کر کے بنوں تشریف لے آ ئے۔ بنوں جانے کا بظاہر سبب یہ ہوا کہ

آ پؒ کے جاننے والے ایک صاحب بنوں میں سیٹلمنٹ کمشنر تھے۔ وہ اکثر آ پؒ کو دعوت دیتے تھے کہ آ ئیں مجھے مل جائیں۔آ پؒ ان سے ملنے کے لیے بنوں گئے تھے اور ان کے پاس مہینہ بھر ٹھہرے۔انہوں نے آ پؒ سے آ پؒ کے کلیم (Claim) کے بارے میں دریافت کیا۔آ پؒ نے ابھی تک اپنے کلیم پر الاٹمنٹ نہیں کرائی تھی۔اس سیٹلمنٹ کمشنر نے آ پؒ سے کلیم مانگا تا کہ اس کے بدلے الاٹمنٹ کی جا سکے۔آ پؒ نے انہیں کلیم دیا، جس پر انہوں نے آ پؒ کو نجاسٹن پارک کے قریب محلّہ قصاباں میں مکان نمبر ۶۴۷سی الاٹ کر دیا۔اور پانچ ہزار روپے نقد رقم ادا کی۔سیٹلمنٹ کمشنر کے ہاں قیام کے دوران آ پؒ کی ملاقات عبدالستار خانؒ سے ہوئی۔عبدالستار خانؒ نے بہت جلد آ پ کے ہاتھ پر سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں بیعت کر لی۔آ پؒ کو مکان کی الاٹمنٹ کے ڈیڑھ ماہ بعد اس سیٹلمنٹ کمشنر کا بنوں سے تبادلہ ہو گیا۔آ پؒ کا مکان ابھی خالی نہیں ہوا تھا اس مکان میں رہنے والے لوگوں نے مکان خالی کرنے کے لیے مہلت مانگی جو انہیں دے دی گئی تھی۔اس دوران آ پؒ کا عارضی قیام عبدالستار خانؒ کی رہائش ''شانتی بھون'' میں رہا۔آ پؒ کے اس دور کے خطوط ''شانتی بھون'' کے اس پتہ پر آ تے تھے۔عبدالستار خانؒ کے گھر ''شانتی بھون'' میں ساکنین کی تعداد کافی تھی۔ان کے بھائی اور دیگر قریبی عزیز و اقارب بھی یہاں رہتے تھے۔

آ پؒ کا مکان ۶۴۷سی خالی ہو گیا تو آ پؒ اس مکان کی صفائی اور رنگ روغن کے بعد ۱۹۶۲ء میں اس مکان میں منتقل ہو گئے، عبدالستار خانؒ کو بھی اپنے مکان میں آ نے کی

دعوت دی۔عبدالستار خانؒ اپنے انتہائی مختصر خاندان، بیگم اور ایک بیٹی کے ساتھ آپؒ کے پاس آ گئے۔محلّہ قصاباں میں واقع یہ مکان چھوٹا سا تھا جس میں ایک دو کمرے تھے۔ ساتھ ہی بیٹھک تھی۔ بیٹھک کے ساتھ سیڑھیاں تھیں جن سے اوپر جا کر لیٹرین تھی۔ عبدالستار خانؒ نے اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ بنوں میں آپؒ کی خوب خدمت کی۔

آپؒ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں لاہور منتقل ہونے تک بنوں میں اسی مکان میں رہے۔محمد صدیق ڈار صاحب بھی ایک مرتبہ بنوں گئے اور اسی گھر میں دو شب قیام کیا۔

لاہور میں قیام:

آپؒ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں اپنے مریدین کے متواتر اصرار اور میاں محمد علیؒ کی دعوت پر بنوں سے ترکِ سکونت کر کے لاہور تشریف لے آئے۔بنوں والا مکان پندرہ ہزار روپے میں فروخت کر کے اور محکمہ تملیک (Sattlement) کی جانب سے ملنے والے پانچ ہزار روپے بھی بنک میں جمع کرا دیئے اور اپنے وصیت نامہ میں اپنی وفات کے بعد یہ رقم اپنی دو بیٹیوں میں تقسیم کرنے کے بارے میں ہدایات درج فرما دیں۔ آپؒ لاہور تشریف لائے تو آپؒ کے رفیق اور مرید عبدالستار خانؒ اپنی اہلیہ اور بیٹی کے ہمراہ ساتھ ہی لاہور آ گئے۔لاہور آمد کے بعد ابتداء میں آپؒ چند ماہ فضل بلڈنگ واقع کوپر روڈ اور پھر چھاؤنی ایریا کی ایک کوٹھی میں مقیم رہے۔جب میاں محمد علیؒ 1-B-76 المعروف گنبد والی کوٹھی گلبرگ سکیم تھری میں منتقل ہوئے تو آپؒ بھی ساتھ چلے آئے۔گنبد والی کوٹھی میں ایک بڑا ہال بیٹھک کا تھا۔ یہ آپؒ کی رہائش اور گزر بسر کے لیے تھا۔اس ہال میں آپؒ اکیلے رہتے تھے اور کسی دوسرے کو شاذ و نادر ہی وہاں سونے دیتے تھے۔اندر دو کمرے عبدالستار خانؒ اور ان کے اہلِ خانہ کے لیے مخصوص تھے۔ آپؒ سے ملاقات کے لیے آنے والے دوست احباب دن کے اوقات میں ہی مل کر واپس چلے جاتے تھے۔رات

کے وقت دوست احباب کا اس گنبد والی کوٹھی میں قیام کا رجحان بہت کم تھا۔ دور دراز سے آنے والے احباب بھی رات کو کم ہی قیام کرتے یا گیراج میں سو جاتے تھے۔ آپؒ نے گنبد والی کوٹھی میں کم و بیش نو سال قیام کیا۔

۱۹۷۳ء میں آستانہ عالیہ توحیدیہ کی جزوی تعمیر کے بعد اس کی افتتاحی تقریب منعقد کی گئی۔ تقریب کے بعد اسی رات آپؒ 76-B-1 گلبرگ تھری (المعروف گنبد والی کوٹھی) گئے اور اپنا سامان لا کر آستانہ عالیہ توحیدیہ میں آباد ہو گئے۔ عبدالستار خانؒ بھی اپنی بیگم اور بیٹی کے ہمراہ آپؒ کے ساتھ تھے۔ آپؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقریب کے بعد بھائی مجھے واپس گلبرگ چھوڑ آئے۔ لیکن مجھے وہاں خوف سا محسوس ہوا۔ اللہ میاں نے کہا کہ تمہیں آستانہ بنا دیا ہے اب یہاں کیا لینے آئے ہو۔ میں نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹا، ٹیکسی پکڑی اور واپس آستانہ توحیدیہ پہنچ گیا۔ سب بھائی مجھے دیکھ کر حیران ہو گئے کیوں کہ ابھی اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی گئی تھی۔

آپؒ جب کراچی سے بنوں منتقل ہوئے تو نانی اماں کراچی میں ہی رہیں۔ بعد از اں جب آپؒ کی چھوٹی بیٹی ہمایوں بیگم ۱۹۶۲ء میں کراچی سے راولپنڈی آباد آئیں تو نانی اماں بھی ان کے ساتھ راولپنڈی آ گئیں اور اپنی چھوٹی بیٹی کے پاس پامر لائنز کوارٹرز راولپنڈی صدر میں رہیں۔ آپؒ جب بھی بنوں سے راولپنڈی آتے تو دن کے اوقات میں اپنے اہلِ خانہ سے ملنے چلے جاتے تھے۔ لیکن رات کے وقت واپس محمد صدیق ڈار صاحب کے گھر آ جاتے جہاں پیار کی محفل جمتی اور اللہ کی باتیں ہوتیں۔

نانی اماں سب مریدین سے ہی پیار کرتیں مگر منشی خانؒ سے کراچی سے ہی واقف تھیں۔ منشی خانؒ میرپور کے رہنے والے تھے انہیں نانی اماں نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ آپؒ فرماتے تھے کہ

''نانی اماں کو یا تو گڑ والے چاول پسند ہیں یا بیٹوں میں منشی خان پسند آیا ہے۔''

ایک مرتبہ آپؒ کے دورہ راولپنڈی کے موقع پر نانی اماں کو بھی مدعو کیا گیا۔ نانی اماں محمد صدیق ڈار کی رہائش گاہ راولپنڈی میں واقع محلّہ چاہ سلطان پر تشریف لائیں، دو تین روز قیام کیا۔ نانی اماں کے سفری سامان میں مصلّٰی، تسبیح اور پان دان شامل تھا۔ واپسی پر انہیں بیٹھک کی طرف سے لایا گیا۔ ان کی آمد سے قبل ہی آپؒ نے حاضرینِ مجلس سے کہہ دیا کہ

''اس کا جوان بیٹا فوت ہو گیا ہے، دکھیا ہے، سب سلام کرنا ذرا خوش ہو جائے گی۔''

نانی اماں جیسے ہی واپسی کے لیے بیٹھک میں داخل ہوئیں تو سب نے سلام کیا۔ آپؒ نے کہا کہ

''بیٹے سلام کہہ رہے ہیں، یہ سب تمہارے بیٹے ہیں۔ ان کو پیار دو''

نانی اماں 15 اپریل 1965ء میں لاہور میں انتقال کر گئیں اور انہیں ایف بلاک، ماڈل ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپؒ نے اپنی وصیت میں اپنے اہلِ خانہ کے لیے وفات سے دو سال قبل ہی اپنے مالی اثاثوں کے بارے میں تفصیلات درج فرما دیں۔ آپؒ کے عزیز و اقارب میں سے کم لوگ ہی سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں آئے۔

آغازِ بیعت:

آپؒ نے کبھی بھی ایک پیر کی حیثیت سے منظر عام پر آنا پسند نہیں فرمایا تھا۔ ملازمت کے دوران ہی لوگ آپؒ کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ جس نے جو دعا بھی کرائی اللہ تبارک و تعالیٰ نے قبول فرمالی اور آپؒ کی بزرگی کا چرچا ہونے لگا۔ آپؒ اپنے قریب آنے والوں کو وعظ و نصیحت فرماتے اور اللہ کی رضا کی خاطر روحانی فیض سے مخلوقِ خدا کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے۔ ۱۹۵۰ء میں چند طالبانِ حق کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ آپؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ ابھی تک سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا باقاعدہ آغاز نہیں کیا گیا تھا۔

آپؒ سے ملنے والے زیادہ تر لوگ پاک فضائیہ سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پاک فضائیہ کے لوگ ہی کاروانِ محبت وصداقت کا ہراول دستہ بنے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد:

آپؒ ۱۹۵۳ء میں اپنے مقصودِ حیات یعنی "رویت باری تعالٰی کے حصول" سے ہمکنار ہوئے۔ آپؒ کو اپنا مقصودِ حیات مل گیا تو آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ۱۹۵۳ء میں کراچی میں بنیاد رکھ کر اس فیض کو عام کیا۔

آپؒ کے اولین مریدین میں ونگ کمانڈر محمد اکبر، قاضی غیور احمد، میر ظفر علی، نور بابا، چوہدری غلام قادر اور محمد حسین چہل (المعروف مارشل ؒ) وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کراچی سے پاکستان ائیر فورس کی تمام چھاؤنیوں میں متعارف ہو گیا۔ اور کئی جگہ اللہ کے ذکر کے باقاعدہ حلقے قائم ہو گئے۔ پاک فضائیہ کے لوگوں ہی کے توسط سے یہ دعوتِ محبت وصداقت چھوٹے بڑے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں تک پہنچتی چلی گئی۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی دعوت کی اشاعت کے ابتدائی ذرائع آپؒ کی وعظ ونصیحت، ذاتی ملاقاتیں، مریدینِ سلسلہ اور بالخصوص وہ خطوط جو آپؒ نے دور دراز مقامات پر رہنے والے اپنے مریدین کو لکھے تھے، خطوط کی زبان وبیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر خطوط مریدین کو ان کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے۔ آپؒ خطوط کا جواب بروقت دیتے اور شاذ ونادر ہی ایسا ہوا کہ کسی خط کا جواب نہ دیا ہو۔ آپؒ کی علالت پر آپؒ کی طرف سے محمد قاسم خانؒ خطوط کے جوابات دیتے۔

۱۹۵۴ء تک ارکان سلسلہ کی تعداد چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ جنوری ۱۹۵۵ء

میں بنوں منتقل ہونے کے بعد چند ہی ماہ میں یہ تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ ۱۹۵۶ء کے آخر میں ضرورت محسوس ہوئی کہ حلقے کی باقاعدہ تنظیم کی جائے۔ یہ قاعدہ بنایا گیا کہ جس مقام پر کم از کم پانچ آدمی سلسلہ میں شامل ہو جائیں وہیں ایک حلقہ قائم کر دیا جائے اور انہیں پانچوں میں سے ایک کو ان کا انچارج مقرر کر دیا جائے۔ پشاور میں چونکہ ارکانِ سلسلہ کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے تجرباتی طور پر پہلا حلقہ وہاں قائم کیا گیا اور ملک بخشش الٰہیؒ کو حلقہ کا انچارج مقرر کر دیا گیا۔ حلقہ کے انچارج کو پہلے ''امیر حلقہ'' کہا جاتا تھا جو بعد میں ''خادمِ حلقہ'' کر دیا گیا۔

تصانیف:

آپؒ نے مروجہ پیری فقیری سے قطع نظر کر کے تصوف کی تجدید کی اور اسے قرآن وسنت کے عین مطابق بنانے کا عظیم کام سرانجام دیا۔ آپؒ نے حضور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق تصوف کی تعلیم کو نئے سرے سے مدون فرمایا۔ اسے عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق قابلِ عمل بنا کر باقاعدہ طور پر سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی۔ آپؒ نے اپنے بنوں قیام کے دوران ہی اپنی پہلی شہرہ آفاق تصنیف بعنوان ''تعمیر ملت'' ۱۹۵۷ء میں مرتب کی۔ بنوں میں ہی آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے ذکر اذکار، قواعد وضوابط اور آداب کو اپنی کتاب ''طریقت توحیدیہ'' میں قلمبند کر دیا۔ ''طریقت توحیدیہ'' پہلی مرتبہ ۱۹۶۲ء میں نوشہرہ ورکاں میں ہونے والے سالانہ اجتماع میں منظر عام پر آئی۔

''طریقت توحیدیہ'' سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ حضرات کے لیے دوٹوک الفاظ میں لکھا جانے والا ہدایت نامہ ہے جو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے منشور اور آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے تنظیمی اور عملی سلوک کے ہر پہلو کا مکمل احاطہ

کرتے ہوئے ایک ضابطہ مقرر کرتی ہے۔ جس پر عمل کرنا سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ ہر فرد پر لازم ہے۔

آپؒ نے اپنی کتاب ''حقیقت وحدت الوجود'' اس وقت لکھی جب آپ گلبرگ لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ ۱۹۶۹ء میں حقیقت وحدت الوجود کا مسودہ تیار تھا۔ محمد صدیق ڈار صاحب سرگودھا سے ایک دن کی چھٹی پر لاہور آئے ہوئے تھے۔ آپؒ نے یہ مسودہ انہیں دیا اور فرمایا کہ

''میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے ایک مرتبہ پڑھ لیں تا کہ اگر کوئی غلطی ہو تو کاتب کو دینے سے پہلے درست کر لی جائے۔ لیکن میں اسے آپ کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسے یہاں ہی پڑھ لیں۔ یہ چھوٹی سے کتاب ہے۔ آپ ایک نظر یہاں ہی دیکھ سکتے ہیں۔''

محمد صدیق ڈار صاحب نے چند ہی گھنٹوں میں مسودہ پڑھ لیا۔ اور چند جگہوں پر آپؒ سے درستگی کروائی۔ ایک خاص بات جو مسودہ میں موجود تھی لیکن جب کتاب چھپی تو آپؒ نے بوجوہ اسے نکال دیا۔ وہ یہ تھی:

''مولانا کریم الدین احمدؒ کی وفات کے بعد جب حضرت رسالدار صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو اس مرتبہ میرا سلوک عجیب طرح سے طے ہوا۔ میں ہر چیز کو اچھی طرح دیکھتا اور سمجھتا ہوا آگے بڑھا۔ وہاں ایک روحانی گائیڈ ملتا ہے، مجھے جو گائیڈ ملے وہ تین سو برس پہلے فوت ہوئے اور نیشا پور کے رہنے والے تھے۔ (ان کا نام بھی لکھا تھا) وہ بہت بڑے بزرگ تھے لیکن دنیا میں انہیں کوئی نہیں جانتا تھا یعنی بالکل مشہور نہیں تھے۔''

اس وقت کتاب کا مجوزہ نام ''حقیقت کبریٰ'' تھا۔ قبلہ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس نام سے نفسِ مضمون معلوم نہیں ہوتا تھا اس لیے ہم نے بدل کر ''حقیقت وحدت الوجود'' کر دیا۔

آپؒ نے اپنی زندگی میں سالانہ اجتماعات کے موقع پر جو خطبات دیے وہ ایک

کتابچے کی صورت میں اجتماع کے موقع پر ہی چھپے ہوئے موجود ہوتے تھے جو شرکائے اجتماع اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ سالانہ اجتماعات پر دیے جانے والے خطبات کو ''چراغِ راہ'' کی صورت میں اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ پہلے چھ(٦) خطبات کو آپؒ کی زندگی میں ہی کتابی شکل دے دی گئی تھی۔ جبکہ باقی خطبات کو وفات کے بعد آنے والے ایڈیشن میں شامل کر دیا گیا۔ ''چراغِ راہ'' میں اب موجود خطبات کی تعداد گیارہ(١١) ہے۔

٦٨/١٩٦٧ء میں آپؒ بیمار ہوئے۔ تو آپؒ نے خط اور ملاقاتیں منع فرمادیں۔ ایک اجتماع صحت یاب ہونے کی خوشی میں نوشہرہ ورکاں میں منعقد کیا گیا۔ یہ اجتماع سالانہ اجتماعات کے درمیانی عرصہ میں کسی وقت منعقد ہوا۔ اس موقع پر آپؒ نے درود شریف روزانہ ایک ہزار مرتبہ(١٠٠٠) پڑھنے کا حکم دیا۔ آپؒ نے کہا کہ

''مجھے کشف کیا گیا ہے کہ درود شریف پڑھیں۔ ورنہ خالی توحید سے تنگ دستی اور امراض کا ہجوم رہے گا''

سب مریدینِ سلسلہ کو خط کے ذریعے سرکلر کی صورت میں مطلع کر دیا گیا کہ ''کوئی چھوٹا سا درود شریف چن لو اور روزانہ ایک ہزار مرتبہ پڑھو۔''

آپؒ کے خطوط سے یہی پتہ چلا کہ آپؒ خود بھی ''صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' پڑھتے اور یہی درود شریف بھائیوں کو بھی تلقین فرماتے تھے۔

مجازینِ کرام:

آپؒ نے جن مریدینِ سلسلہ کو اپنا مجازِ روحانی مقرر فرمایا، ان کے نام یہ ہیں:

1......عبدالستار خانؒ

2......محمد صدیق ڈار صاحب

3......الحاج محمد مرتضٰی صاحب

4......قاضی غیور احمد انصاریؒ

5......سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

6......شیخ علی اصغر e

7......غلام قادر چوہدری صاحب

8......عابد علی صاحب

9......راجہ علی اکبر صاحب

0......ملک بخشیش الٰہیؒ

تفویضِ خلافت:

آپؒ نے جب اپنی خلافت کے لیے کسی کی نامزدگی کا ارادہ فرمایا تو سب مجازینِ کرام سے اس موضوع پر سرسری سی بات کی۔ اس وقت آپؒ کے مجازینِ کرام میں عبدالستار خان، محمد صدیق ڈار، قاضی غیور احمد انصاری، الحاج محمد مرتضٰی، سید عطاء اللہ شاہ، غلام قادر چوہدری، شیخ علی اصغر، عابد علی اور راجہ علی اکبر تھے۔ آپؒ نے اگرچہ مجازین سے مشورہ کیا مگر خلافت کے لیے نامزدگی کے وقت اور بعد کے حالات و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے آپؒ پہلے سے اپنے خلیفہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔

۱۹۶۸ء کے سالانہ اجتماع لاہور کے موقع پر آپؒ نے اپنے ساتویں سالانہ خطبہ میں فرمادیا کہ

''اب آخر میں ایک نہایت ضروری بات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی بیماری کے پیشِ نظر اور حلقۂ توحیدیہ کے استحکام اور بہبود کے خیال سے ابھی سے اپنا ایک خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا ہے۔ صاحبِ موصوف جن کی تقرری کا اعلان اس مجلس میں کیا جائے گا وہ روحانی مراتب اور اخلاقی بزرگی میں مجھ سے کسی طرح کم نہیں۔ اس

لیے میں آپ سب کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر آپ کو میری دی ہوئی تعلیم سے محبت ہے تو آپ سب کو میرے اس حکم کی تعمیل میں آج ہی کے جلسہ میں صاحبِ موصوف کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کرنا ہوگی۔ مجھے کامل یقین ہے کہ آپ نہ صرف میری زندگی میں بلکہ میرے مرنے کے بعد بھی پوری خوشی اور خلوص کے ساتھ حلقہ کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے میں صاحبِ موصوف کے ساتھ پورا پورا تعاون فرمائیں گے. جزاک اللہ."

۱۹۶۸ء کے اسی سالانہ اجتماع کے موقع پر عبدالستار خانؒ نے پرنس ہوٹل میں ایک چھوٹا سا خطبہ دیا، جس کے بعد آپؒ نے عبدالستار خانؒ کی خلافت کے لیے نامزدگی کا اعلان کیا اور سب مریدینِ سلسلہ کو حکم دیا کہ وہ آ کر عبدالستار خانؒ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کریں۔

سالانہ اجتماعات:

آپؒ کے اولین مریدین میں سے ایک نور احمد میر عرف نور بابا تھے۔ اہلِ حدیث مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے نور بابا نوشہرہ ورکاں کے رہنے والے تھے۔ ان کی کوششوں سے کئی لوگ سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل ہوئے اور ان کی اصلاح ہوئی۔ نوشہرہ ورکاں میں حلقہ ذکر بھی ان کی کاوشوں سے قائم ہوا۔ نوشہرہ ورکاں کے مکین چوہدری جلال الدین کی سراپا ایثار شخصیت، خلوص اور مہمانداری کے جذبہ کی وجہ سے نوشہرہ ورکاں سے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات کا آغاز ہوا۔ نوشہرہ ورکاں میں سب سے پہلا سالانہ اجتماع ۱۹۵۹ء میں ہوا۔

آپؒ کی زندگی میں کل پندرہ (۱۵) سالانہ اجتماعات ہوئے۔ پہلے چار (۴) اجتماعات نوشہرہ ورکاں میں ہوئے۔ آپؒ نے چوتھے سالانہ اجتماع سے سالانہ خطبہ پڑھنے کا آغاز کیا۔ ایک اور اجتماع نوشہرہ ورکاں میں ہوا۔ لاہور میں ہونے والے چھ (۶)

سالانہ اجتماعات میں سے ایک برکت علی اسلامیہ ہال میں اور چار اسمبلی ہال کے پیچھے واقع پرنس ہوٹل میں ہوئے، جب کہ ۱۹۷۴ء کا واحد اجتماع آستانہ عالیہ توحیدیہ پر ہوا۔ تین (۳) سالانہ اجتماعات ملتان میں اور ایک نامکمل سالانہ اجتماع شیخوپورہ میں ہوا۔

۱۹۶۲ء کے سالانہ اجتماع کے بعد آپؒ نے حکم دیا کہ اجتماع میں شامل افراد اجتماع کے لیے کچھ نہ کچھ چندہ ضرور دیں جو کسی طرح بھی پانچ روپے سے کم نہ ہو۔ آئندہ اجتماعات میں کنونشن فنڈ جمع ہونا شروع ہوا۔

۱۹۶۸ء کے سالانہ اجتماع کے چار سال بعد ۱۹۷۲ء میں ملتان میں سالانہ اجتماع ہوا۔ ان چار سالوں میں اجتماعات نہ ہونے کی وجہ دو سال تو آپؒ کی علالت تھی جب کہ دو سال ملکی حالات کے پیشِ نظر اجتماع نہ ہو سکا۔ ۱۹۷۲ء کے سالانہ اجتماع کے خطبہ میں آپؒ نے فرمایا کہ

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ میں نے ۱۹۵۰ء میں یہ مبارک کام شروع کیا تھا۔ اس وقت میں بالکل اکیلا تھا اور آج بائیس برس بعد آپ دیکھتے ہیں کہ بفضلِ خدا میرے ساتھ چار پانچ ہزار آدمی ہیں۔ جن میں سے کئی سو ولی کامل ہیں اور باقی بھی خالی نہیں، روحانیت میں خاصا بلند مقام رکھتے ہیں۔ چونکہ ہم لوگ یہ کام بطور پیشہ نہیں کرتے اور فقیری وضع قطع اختیار کیے بغیر دنیا کے تمام کام سرانجام دیتے ہوئے ''اللہ اللہ'' کرتے ہیں اور مدارجِ روحانی کا اکتساب کرتے ہیں، اس لیے دنیا والوں کی نظر سے بچے ہوئے ہیں یعنی مشہور نہیں ہیں۔''

آستانہ عالیہ توحیدیہ کی تعمیر جاری تھی۔ اسی ۱۹۷۲ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر آپؒ نے محمد صدیق ڈار صاحب کو آستانہ عالیہ توحیدیہ کی تعمیر کے لیے چندے کی اپیل کرنے کا حکم دیا۔ محمد صدیق ڈار صاحب سٹیج سیکرٹری تھے۔ انہوں نے حاضرینِ مجلس سے چندے کی اپیل کی۔ میاں محمد علی صاحب نے آ کر کہا کہ میری طرف سے اعلان کر

دیں کہ جتنی رقم سب مل کر دیں گے اس سے دوگنی میں عطیہ کروں گا۔ سب شرکاءِ اجتماع نے چندے کی اس اپیل پر ایثار و قربانی کے جذبہ سے بھرپور معاونت کی۔

۱۹۷۴ء کا ایک ہی اجتماع آستانہ عالیہ توحیدیہ میں ہوا۔ جس میں سالانہ خطبہ قبلہ حضرتؒ کی جگہ محمد صدیق ڈار صاحب نے پڑھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ

''خطبہ لمبا ہے مَیں بیمار ہوں، خطبہ کیسے پڑھوں گا؟''

آپؒ نے محمد صدیق ڈار صاحب کو حکم دیا کہ آپ خطبہ پڑھیں۔ محمد صدیق ڈار صاحب نے آپؒ کا لکھا ہوا ۱۹۷۴ء کا خطبہ آپؒ کی موجودگی میں پڑھ کر سب کو سنایا۔

۱۹۷۵ء کا سالانہ اجتماع ملتان میں ہوا۔ یہ اجتماع ملک کریم بخش صاحب کی دعوت پر دریائے چناب کے کنارے ان کے ایک کلب پر ہوا۔ اجتماع گاہ میں آپؒ کے آرام کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک بیڈ آرام کے لیے اور چند کرسیاں ملاقاتیوں کے لیے تھیں۔ اس اجتماع کے آخر میں آپؒ نے چند لوگوں کو اوپر اپنی آرام گاہ میں بلوایا۔ ان آٹھ دس لوگوں میں مجازینِ کرام خاص طور پر شامل تھے۔ انہیں حکم ملا کہ

''باباجی بلا رہے ہیں۔''

یہ چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں بیڈ پر آپؒ تھے باقی افراد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ عبدالستار خانؒ بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ آپؒ نے بڑی دکھی آواز میں فرمایا:

''میں نے آپ لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ میں بلڈ پریشر کا مریض ہوں، کئی اور تکلیفیں ہیں، کسی وقت بلاوا آ جائے، میری زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ جلد بلاوا آ جائے یا چند برس اور لگ جائیں۔ میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ سب لوگ عبدالستار خان سے تعاون کریں۔ آپ تعاون کریں گے تو ان شاء اللہ حلقہ خوب بڑھے گا۔''

یہ باتیں سن کر حاضرین غمگین ہو گئے کہ آپؒ جانے کی بات کر رہے ہیں۔ حاضرین

پر سکتہ طاری ہو گیا۔ آپؒ نے کہا کہ

''آپ نے کوئی بات پوچھنی ہے تو پوچھیں۔''

اس ماحول میں کس نے کیا بات پوچھنی تھی۔ تجمل حسین صاحب نے صرف خاموشی توڑنے کے لیے پوچھا:

''قبلہ! آپ ایک رسالہ جاری کرنے کی بات کرتے ہیں۔ اس کا کوئی پروگرام ہے؟''

آپؒ نے جواب دیا کہ

''چھوڑو جی تجمل صاحب! آپ ہی میرے رسالے ہیں سارے۔ بنا دیا آپ کو، آپ کام کریں، رسالے بھی بنتے رہیں گے۔''

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ

''جب کبھی ہمیں موقع ملا۔ میں نے رسالہ نکالا تو میں اس کا نام ''انسانیت'' رکھوں گا۔''

۱۹۷۶ء کا سالانہ اجتماع شیخوپورہ میں ہوا۔ آپؒ نے اس سالانہ اجتماع کے لیے خطبہ نہیں لکھا تھا۔ یہ اجتماع موسلا دھار بارش اور تند و تیز ہوا کی نظر ہو گیا۔ اجتماع آدھا ہوا تھا کہ اسے ختم کرنا پڑا۔

آستانہ عالیہ توحیدیہ:

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے لیے ایک مرکز ''آستانہ عالیہ توحیدیہ'' کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جانے لگا۔ آستانہ عالیہ توحیدیہ کے لیے مالی وسائل کی ضرورت تھی۔ مالی وسائل کو اکٹھا کرنے کے لیے ایک سوسائٹی کی تجویز زیرِ غور آئی جس کو آپؒ نے قبول کیا۔ مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ نے اس سوسائٹی کے ذریعے رقوم اکٹھی کر کے ماڈل ٹاؤن میں کچھ زمین خریدی۔ بعد ازاں یہ زمین فروخت کر کے جی بلاک ماڈل ٹاؤن میں چھ کنال زمین خریدی گئی۔ زمین کی خریداری کے لیے جو کمیٹی بنائی گئی اس میں محمد قاسم خان

صاحب اور محبوب فرید ترمذی صاحب سمیت چار پانچ افراد تھے۔اس وقت پچاس ہزار روپے (50,000) میں خریدی جانے والی یہ زمین ۹۲ جی ماڈل ٹاؤن لاہور کی تھی۔ جنوری ۱۹۷۱ء میں آستانہ عالیہ توحیدیہ کے لیے ایک نقشہ بنوا کر آپ e کو حتمی منظوری کے لیے پیش کیا گیا اسے آپ e نے منظور فرمایا۔92۔ جی ماڈل ٹاؤن لاہور میں آستانہ عالیہ توحیدیہ کی تعمیر شروع ہوئی۔

آپؒ پہلے فرماتے تھے کہ کل آمدنی کا اڑھائی فیصد حلقہ فنڈ دیں۔ آستانہ پر جتنے مرضی دیں پھر پانچ فیصد آستانہ فنڈ مقرر کیا۔ مخیّر حضرات نے زیادہ دیا۔ مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ نے آستانہ عالیہ توحیدیہ کے لیے زمین خریدی اور تعمیر کے لیے بھر پور ایثار و قربانی کے جذبے کے ساتھ حصہ لیا۔ ملازمین بھائیوں کے لیے حکم تھا کہ چھ ماہ کے اندر ایک پوری تنخواہ تعمیر مرکز کے لیے دیں۔

آستانہ عالیہ توحیدیہ 92۔ جی ماڈل ٹاؤن لاہور کی تعمیر تین مراحل میں ہوئی۔کل رقبہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے پر رہائش و دیگر امور کے لیے تعمیر کی گئی جب کہ دوسرا حصہ سالانہ اجتماعات کے لیے خالی چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے مرحلہ میں خالی چھوڑی جانے والی جگہ پر کنونشن کے لیے ہال تعمیر ہوئے۔ تیسرے مرحلہ میں ایک مزید منزل بنائی گئی۔ آستانہ عالیہ توحیدیہ کی تعمیر ۱۹۷۱ء میں شروع ہو کر ۱۹۷۷ء میں ہر طرح مکمل ہو گئی۔

آخری ادوار:

عمر کے آخری حصہ میں آپؒ کی سماعت کافی متاثر ہو گئی۔ ذرا اونچا سنتے تھے۔ جسمانی اور ذہنی کمزوری بھی ہو گئی۔ آپؒ کے کولہے کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی۔ آپؒ میو ہسپتال لاہور میں داخل ہوئے، یہاں مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ ڈیوٹی دیتے تھے۔

آپؒ کی کولہے کی ہڈی کا جوڑ برطانیہ سے منگوایا گیا مگر تکلیف رہتی تھی۔ زخم میں پَس

پڑ جاتی جسے نکالنے کے لیے ڈاکٹر آتا۔ آپ eایک سائیڈ پر بیٹھ جاتے، ڈاکٹر پَس وغیرہ دبا کر نکالتا اور قینچی وغیرہ سے صاف کرتا جس کے بعد آپ سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے۔ ڈاکٹر آپ کے کمال درجہ صبر اور برداشت پر حیران رہتا۔

وصیت:

ملتان میں ہونے والا ۱۹۷۵ء کا سالانہ اجتماع آپؒ کی زندگی کا آخری مکمل سالانہ اجتماع تھا۔ اس میں آپؒ نے اپنا آخری خطبہ پڑھا۔ اس کے بعد آپؒ نے ۲۵ مئی ۱۹۷۵ء کو اپنی تفصیلی وصیت پر دستخط کیے۔ یہ وصیت آپؒ کے حکم پر رستم ایس سدھوا نے مرتب کی۔ کئی بار آپؒ نے کچھ مقامات کی نشاندہی کر کے رستم ایس سدھوا کو حکم دیا کہ اسے مزید بہتر بناؤ۔ رستم ایس سدھوا کہتے ہیں کہ

''آپؒ نے تین مرتبہ وصیت کو ٹھیک کرنے کے لیے واپس بھیجا اور میں اسے ٹھیک کر کے لایا اور میری تین مرتبہ ہی ترقی ہوئی۔''

رستم ایس سدھوا ۱۹۷۵ء میں وکیل تھے۔ اس کے بعد وہ ہائی کورٹ کے جج بنے۔ پھر سپریم کورٹ کے جج بن گئے۔ وہاں سے ریٹائر ہوئے تو بین الاقوامی عدالت برائے انصاف (International Courts of Justice) میں جج بنے۔ یہ پہلے اور واحد پاکستانی ہیں جو بین الاقوامی عدالت برائے انصاف میں جج تعینات رہے۔

وفات:

رات بارہ بجے جب دسمبر کی ۳۱ تاریخ بدل کر یکم جنوری ۱۹۷۷ء شروع ہوا تو اس وقت محمد صدیق ڈار صاحب آپؒ کے پاؤں کے تلووں کی مالش کر رہے تھے۔ انہوں نے آپؒ کو بتایا کہ

''نیا سال لگا ہے۔''

آپؒ نے دریافت فرمایا کہ

''کون سا ہے؟''

''۷۵ ہے؟''

جواب ملا کہ

''نہیں ۷۷ ہے۔''

آپؒ نے دوبارہ پوچھا کہ

''۷۶ ہے؟''

محمد صدیق ڈار صاحب نے دوبارہ بتایا کہ ''۷۷ ہے'' اور انگلی سے لکھا کہ ۷۷ ہے۔

محمد صدیق ڈار نے کہا کہ

''دعا کریں سب کے لیے''

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے کہا کہ

''کسی نے کہا تھا کہ آپ کی عمر تراسی (۸۳) سال ہوگی، میری عمر تراسی سال تو ہوگئی ہے۔ میں نے ایک قبر دیکھی تھی، اسی وقت سے بیمار ہوں۔ یہیں تھی، میں نے دیکھی، اس کے اندر چلا گیا، بڑی Decorated تھی۔''

محمد صدیق ڈار صاحب نے کہا:

''باباجی! آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔''

آپؒ نے فرمایا کہ

''فقیر کا پردہ نہیں رہا یہ اچھی بات نہیں ہے۔ جانا ہی چاہیے۔ ذرا خاموشی کے بعد پھر فرمایا:

بکواس کرتے ہیں سب۔ اپنے مزے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی۔ سب کچھ بتا دیا ہے بلکہ لکھ دیا ہے، اب مجھے رکھ کر کیا کرو گے۔

آپؒ نے ۲۳ جنوری ۱۹۷۷ء کو ظہر سے پہلے وفات پائی۔

تجہیز و تکفین:

آپؒ کو ۲۳ جنوری ۱۹۷۷ء کو رات کے وقت غسل دیا گیا۔ مولوی محمد یعقوب صاحب اور میاں مختار صاحب غسل دینے والے تھے۔ مولوی امین صاحب ہدایات دیتے اور یہ دونوں حضرات غسل دیتے۔ نمازِ جنازہ اگلے دن ظہر کے بعد ادا کی گئی۔ نمازِ جنازہ سے پہلے بہت بارش ہوئی۔ جب آپؒ کو دفن کیا جا رہا تھا اس وقت بھی ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔

آپؒ کی جدائی کا صدمہ کسی کے لیے کم نہ تھا۔ گوجرانوالہ سے تعلق رکھنے والے محمد رفیق خانؒ محبت کی بازی میں اول رہے۔ محمد رفیق خانؒ آپؒ کی وفات کے بعد ایک ہفتہ زندہ رہے۔ اس ایک ہفتہ میں ان کا یہ عالم تھا کہ جب کھانے کے لیے نوالہ منہ کی طرف لے جاتے تو درد بھری آہ بھرتے اور ایک ہی آواز دیتے: ''انصاری صاحب!'' اور کھانے کا نوالہ واپس رکھ دیتے۔

اس صورتِ حال میں ایک ہفتہ گزرا۔ ایک لمحہ بھی غم و اندوہ سے آزاد نہ ہوئے اور داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وقتِ غسل ان کے سینے پر دل کے مقام پر ایک بڑا لال محراب بن چکا تھا۔ محمد رفیق خانؒ نے آپؒ کی محبت میں آپؒ کے بغیر زندہ رہنا گوارا نہ کیا۔

جانشینی:

آپؒ کی تدفین کے بعد عبدالستار خانؒ 92 جی ماڈل ٹاؤن لاہور (آستانہ عالیہ توحیدیہ) کے برآمدے میں جلوہ افروز ہوئے۔ عبدالستار خانؒ کے ہاتھ پر بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ مریدینِ سلسلہ عالیہ توحیدیہ نے بیعت کی۔

پروفیسر محبوب فرید ترمذیؒ کو آپؒ نے اپنے مقرر کردہ خلیفہ عبدالستار خانؒ کی مدد اور علمی

تعاون کرنے کی خاطر نائب خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ

''عبدالستار تو زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں لیکن میرا حلقہ تو پڑھے لکھے لوگوں کا ہے۔ یہاں تو اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی آئیں گے۔اس لیے ان کو نائب مقرر کیا ہے تا کہ پڑھے لکھے لوگوں کو مطمئن کرنے میں ان کی مدد کریں۔''

آپؒ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ

''میرے مرنے کے بعد میرا فیض دس گنا بڑھ جائے گا۔''

آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ

''تیسرے خلیفہ کے دور میں میرا سلسلہ مشہور ہو جائے گا۔''

عمومی مزاج:

آپؒ دوستانہ مزاج کے حامل تھے۔محمد صدیق ڈار صاحب جب برطانیہ جانے لگے تو آپؒ نے کہا کہ

''Yeast White جو پارک ڈیوس سے ملے گا یہ برطانیہ سے لے آنا۔''

آپؒ ''قینچی'' سگریٹ پیتے تھے۔جو WD & HO WILLS کمپنی کا بنایا ہوا تھا۔اس کے بعد کے۔ٹو (K-2) سگریٹ پینا شروع کر دیا۔راولپنڈی تشریف لاتے تو آپؒ حقہ پیتے تھے۔محلّہ چاہ سلطان راولپنڈی میں بازار سے تمبا کو بنا ہوا ملتا تھا جس میں گڑ وغیرہ بھی ملایا ہوتا تھا،اسے استعمال کرتے اور حقہ گو بر والا جلا کر پیتے۔آپؒ تمبا کو کے بارے میں کہتے کہ

''کوئی سالے آ ؤ جو دھواں دیتا ہو۔''

ہلکا سا تمبا کو پیتے تھے۔کڑوا اور دماغ کو چوٹ دینے والا نہیں پیتے تھے۔پہلی مرتبہ گوجرانوالہ آئے تو حاجی امین صاحب تمبا کو لینے گئے۔بہت اعلیٰ اور کڑوا تمبا کو لا کر دیا۔

آپؒ نے حقے کا ایک کش لگایا تو فرمایا:

''اوئے! یہ کیا لائے ہو، تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟ یہ کیا لائے ہو؟''

دوبارہ اس میں گھٹیا سا تمبا کو لا کر ملایا گیا۔

آپؒ نے لاہور آ جانے کے بعد حقہ نہیں پیا۔ بعد میں Wood bine سگریٹ پینا شروع کیا۔ اس سگریٹ کے بارے میں فرماتے کہ

''یہ ورلڈ وار (World War) سے پہلے بھی تھا بعد میں بند ہو گیا۔ اب یہ دوبارہ شروع ہوا ہے۔''

اپنے ساتھ بیٹھے دوست احباب سے کہتے کہ

''نکالو! ایک سگریٹ لگا کر دو۔''

اس طرح سگریٹ لگا کر دیا جاتا اور آپؒ یہ سگریٹ پیتے۔ آپؒ سگریٹ کم ہی پیتے تھے۔ پان بھی کھایا کرتے تھے، پاس ہی پان دان رکھا ہوتا تھا۔ آپؒ تمبا کو والا پان کھاتے تھے۔ خود ہی پان بناتے، کتھا چونا لگاتے اس پر تمبا کو وغیرہ رکھتے، تمبا کو کو ''زردہ'' کہتے تھے۔ پان کھا رہے ہوتے اور اکثر اوقات پان کی سپاری منہ سے نکالتے اور ساتھ بیٹھے ہوئے کسی مرید کو دے دیتے۔ مریدین یہ سپاری حاصل کرنے کی خواہش کرتے تھے۔ بعض دفعہ تو مٹھی میں یہ سپاری بند کر کے ایسے پکڑاتے جیسے کسی سے چھپا کر راز داری سے دے رہے ہوں۔ مٹھائیوں میں آپؒ کو ''امرتی'' بہت پسند تھی۔ آپؒ نے اسے ''حور کے کنگن'' کا نام دیا۔

آپؒ اگرچہ دہلی کے رہنے والے تھے مگر دہلی کے روایتی طرزِ بود و باش اور اندازِ گفت و شنید کے تکلفات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ آپؒ نے سادگی اور فقیرانہ طرزِ زندگی کو اختیار کیا۔ آپؒ نہ تو بڑے بڑے جبے زیب تن کرنے کو اچھا جانتے اور نہ ہی محفل میں امتیازی مقام پر بیٹھنے کو پسند کرتے۔ آپؒ ایک بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ آپؒ کا رعب اور

دبدبہ محفل پر قائم رہتا، کسی کو بڑھ چڑھ کر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ محفل میں سب ہمہ تن گوش موجود رہتے مگر اس کے باوجود آپؒ کا برتاؤ انتہائی دوستانہ تھا۔ آپؒ ملاقات کے لیے آنے والوں کو زیادہ دیر انتظار نہ کراتے تھے۔

براہِ راست نصیحت نہیں کرتے تھے۔ اندازِ نصیحت یہ تھا کہ دوسروں کو مخاطب کر کے عام انداز میں سمجھاتے تھے۔ متعلقہ افراد خود ہی جان جاتے تھے کہ انہیں یہ نصیحت کی جا رہی ہے۔ محفل میں رات دیر تک گپ شپ جاری رہتی۔ جب رات کے بارہ بجتے تو محفل برخواست کر دیتے پھر نمازِ عشاء کی تیاری کرتے۔ نمازِ عشاء آپؒ خود بھی بہت دیر سے پڑھتے اور دیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے۔

آپؒ کی محفل میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ بڑے بڑے دنیا دار اپنی دنیاوی جاہ وحشمت کو پس پشت ڈال کر ایک عام انسان کی طرح محفل میں بیٹھتے تھے۔ آپؒ کا پیار، محبت اور خصوصی توجہ حاصل کرنے کا واحد طریقہ آپؒ کی بتائی گئی تعلیمات پر ذوق وشوق سے عمل کرنا تھا۔ آپؒ ان بزرگوں میں سے بھی نہ تھے جو اپنے پاس آنے والے اعلیٰ دنیاوی مناصب پر فائز لوگوں پر فخر کرتے ہیں۔ کبھی بھی ایسے لوگوں کا تذکرہ آپؒ کی محفل میں نہیں ہوتا تھا۔

آپؒ اپنے انہیں بیٹوں پر فخر کرتے جو اعلیٰ روحانی مراتب پر فائز ہوتے، جو راہِ سلوک پر پورے ذوق وشوق اور استعداد سے گامزن ہوتے، ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ان کے نام کے ساتھ کبھی کبھی خوشی اور فقیرانہ جوش میں کر دیتے۔ محفل میں آنے والے لوگ آپؒ کے پیاروں کو خوب جانتے تھے۔ آپؒ نظم وضبط کے سخت پابند تھے۔ اس میں کمی بیشی پر واشگاف الفاظ میں تنبیہ کر دیتے تھے۔ نظم وضبط اور طے شدہ معاملات میں نہ تو خود کسی لچک کا مظاہرہ کرتے اور نہ ہی کسی دوسرے کو اس کی گنجائش کا موقع دیتے تھے۔ اگرچہ بے تکلفی آپe کا شعار تھا مگر آپؒ اپنے حلقہ والوں کو ہدایت کرتے کہ اعلیٰ

دنیاوی عہدوں پر فائز اپنے پیر بھائیوں سے ہرگز بے تکلفی نہ برتیں اور ان کے منصب کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے ملیں۔

آپؒ کی محفل میں طرح طرح کے لوگ آتے۔ جن میں مختلف مذاہب، فرقوں اور عقائد کے لوگ بھی ہوتے تھے۔ آپؒ نے روحانی فیض اور توجہ سے تعمیر سیرت و اخلاق پر توجہ دی۔ آپؒ جدید تعلیم سے آراستہ نئی نسل کے نوجوانوں کو بہت پسند کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ

''میں نے یہ حلقہ داڑھی مونڈوں کے لیے بنایا ہے۔''

آپؒ کی محفل میں اگر کوئی دینی مسائل پر فتویٰ لیتا تو آپؒ فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ بلکہ فتویٰ پوچھنے والے کو کسی مفتی سے فتویٰ لینے کی ہدایت فرماتے۔

آپؒ دینی فرائض اور اختیاری کاموں کے لیے دعا نہیں کرتے تھے۔ ایسے امور کے بارے میں کہہ دیتے کہ فرض کی تعریف ہی یہ ہے کہ جی چاہے یا نہ چاہے اسے کرنا ہی پڑتا ہے۔ البتہ نوافل کے بارے میں ایسا کر سکتے ہیں۔

محفل میں جب کوئی کسی دنیاوی مشکل میں دعا کی درخواست کرتا تو اگر آپؒ حکم لگا دیتے تو وہ کام ضرور ہو جاتا تھا۔ ایسا بھی دیکھا کہ کوئی بھائی دعا کرانے سے پہلے ہی محفل میں مٹھائی تقسیم کرنا شروع کر دیتا۔ دریافت کرنے پر اپنا مدعا بتاتا۔ آپؒ اس کے لیے دعا کر دیتے تھے۔ اس طرح بھی مرادیں پوری ہو جاتیں۔ بے شک آپؒ کی دعائیں قبول ہوتیں۔ مگر دعا کرانے والے کا رجوع اللہ ہی کی طرف کراتے اور واضح کہہ دیتے کہ

''دعا کرنا تو ہمارا کام ہے مگر مالک اللہ کی ذات ہے وہی سب کچھ کرتا ہے۔''

غیر تحریری آئین:

آپؒ نے اپنے مریدین کے لیے اگرچہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ''طریقت

توحیدیہ" کی صورت میں لکھ دیا مگر کچھ چیزیں غیر تحریری آئین کی صورت میں اپنے مریدین کو بتا دیں۔ علاوہ ازیں کچھ روایات ہیں جو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے مریدین کے لیے مخصوص ہیں۔

غیر تحریری آئین کے مطابق جس کی شادی ہوا سے ایک ماہ تک روزانہ اور ہفتہ وار ذکر میں شمولیت سے رخصت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرید کی ملازمت لگے تو پہلی تنخواہ مرشد کی مٹھائی ہے۔ اگر ملازمت میں ترقی ہو تو پہلی مرتبہ تنخواہ میں ہونے والا اضافہ مرشد کی مٹھائی ہے۔ مریدین سلسلہ کو آپؒ کی ہدایت ہے کہ وہ یہ رقم نقدی کی صورت میں اپنے مرشد کو دیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ایک تو یہ روایت ہے کہ مریدین اپنے نام کے ساتھ لفظ "توحیدی" کا اضافہ کرتے ہیں۔ یہ روایت چند دوسرے سلاسل تصوف سے مشترک بھی ہے۔

عام طور پر جب لوگ اپنے دوست احباب یا پیاروں کو کہیں رخصت کرنے لگتے ہیں تو الوداعی علامت کے طور اپنا داہنا ہاتھ دائیں بائیں لہرا کر رخصت کرتے ہیں۔ مریدینِ سلسلہ عالیہ توحیدیہ جب اپنے پیاروں کو کہیں رخصت کرتے ہیں تو ہر فرد اپنے دونوں ہاتھوں کو اس انداز سے پکڑتا ہے جیسے ہاتھوں میں ہاتھ ہوتے ہیں اور انہیں بلند کرتے ہوئے رخصت کرتا ہے۔ لیبیا کے صدر کرنل قذافی کا یہ انداز جسے وہ محبت اور اتحاد کی علامت کے طور پر اپنائے ہوئے تھے۔ قبلہ حضرتؒ کو پسند آ گیا تھا اسی لیے سلسلہ میں رائج کر دیا گیا۔

عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی دوست احباب گلے ملتے ہیں تو وہ بغل گیر ہو کر تین بار ملتے ہیں۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ افراد جب گلے ملتے ہیں تو سینے سے سینہ ملانے کی بجائے دونوں حضرات دل سے دل ملاتے ہیں۔ اور صرف ایک طرف ہی ملتے ہیں۔ رمضان المبارک میں افطاری اور صلوٰۃ تراویح کی بابرکت مصروفیات کی وجہ

سے ہفتہ وار حلقہ ذکر بند کر دیا جاتا ہے۔

یہ مختصر سی روایات چند حرکات ہی نہیں بلکہ با معنی محرکات ہیں جو کم وبیش سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا خاصہ ہیں ان محرکات کا آغاز آپؒ نے خود کیا۔

نمونۂ اشعار:

آپؒ نے شاعری بھی کی، آپؒ کا تخلص ''منتظر'' تھا۔ اگرچہ آپؒ کی شاعری کسی باقاعدہ کتاب کی صورت میں منظرِ عام پر نہیں آئی مگر نمونہ اشعار سے ذوق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے ایک مرتبہ عرض بھی کیا کہ آپؒ کا کلام چھپوا دیا جائے لیکن آپؒ نہیں مانے اور فرمایا کہ یہ اس قابل نہیں ہے۔

ڈار صاحب نے قبلہ حضرت کے بیاض کی ایک نقل تیار کر لی تھی لیکن کسی دیوانے نے غائب کر لی اور پھر واپس نہیں کی۔

غزل

حسن و جمال یار کی دھندلی سی ہیں نشانیاں
پہنِ فلک پہ کہکشاں صحنِ چمن میں یاسمیں
کس کو ملا وہ سنگِ در تو نے یہ کیا کیا مگر
سجدے سے سر اٹھا لیا، مٹ نہ گئی تیری جبیں
دشمنِ جاں بجلیاں دشمن دیں تجلیاں
عرش بریں ہو یا زمیں امن و اماں کہیں نہیں
عمر یوں ہی گذر گئی بات مگر وہیں رہی
میری وہی خدا خدا، اس کی وہی نہیں نہیں
پھیلے نہ کیوں جہاں میں اس کے قدم سے روشنی
سجدوں سے داغدار ہے ماہِ دو ہفتہ کی جبیں
عرش سے لے کر فرش تک بکھرا ہے نور ہر طرف
محو خریمِ ناز ہے اوجِ فلک پر ایک حسیں
سارا جہاں منتظرؔ باغِ خلیل بن گیا
روئے نگار آتشیں رنگ بہار آتشیں

غزل

روح مستی سے چور ہے ساقی
دل مگر ناصبور ہے ساقی
پھر وہی دے، جو کل پلائی تھی
جس کا اب تک سرور ہے ساقی
پھونک دے دل سے جگر تک سب کچھ
مے تری برق طور ہے ساقی
کون دیکھے جھلک گلابی کی
تو جو مینائے نور ہے ساقی
منتظر چاہتا ہے مدہوشی
باقی اب تک شعور ہے ساقی

آپؒ فرماتے ہیں کہ رسالدار صاحبؒ اس شعر پر بڑا جھوما کرتے تھے۔

عمر یونہی گزر گئی بات مگر وہیں رہی
میری وہی خدا خدا، اس کی وہی نہیں نہیں

آپؒ کا یہ اپنا شعر نہیں ہے مگر آپؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

دیدار کے قابل تو کہاں میری نظر ہے
یہ تیری عنایت ہے کہ رخ تیرا ادھر ہے

عزیز الحسن مجذوب کا یہ خاص شعر آپ کو بہت پسند تھا

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

آپؒ کی ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں

وہ اک شعلہ سا تھا انساں کی صورت
فرشتہ تھا، خدا تھا، یا بشر تھا
اسے جب دیکھ کر دیکھا جہاں کو
نہ تھا کچھ بھی فقط حسنِ نظر تھا

ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب الحاج محمد مرتضٰی صاحب کے چچا سید علی صاحب کے ہمراہ آپؒ سے ملنے آئے ہوئے تھے۔ سید علی صاحب نے آپؒ کی ڈائری اٹھالی۔ اس میں ایک شعر پڑھا

قیمت ہے میری ایک نگاہِ جنوں نواز
لیتا ہے کوئی مُول کہ میں خود فروش ہوں
ہے آرزو یہی نہ جنازہ اٹھے مرا
مر کر بھی کیوں کسی کا میں بارِ دوش ہوں

سید علی نے کہا کہ ''دیکھو باباجی کا خیال کہ شعر کس انداز میں کہا ہے۔''

ایک غزل کا یہ شعر بہت گنگنایا کرتے تھے:

کرنے کی ایک بات بتا کر چلے گئے
دنیا کے سارے کام چھڑا کر چلے گئے

ذوقِ مطالعہ:

آپؒ کو بچپن سے ہی مطالعہ اور غور وخوض کی عادت تھی۔ آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ کا ذاتی کتب خانہ وہ پہلا کتابوں کا ذخیرہ تھا جس سے آپؒ مستفیض ہوئے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں بھی آپؒ نے مطالعہ کتب اور کتب خانوں کو دلچسپی کی نظر سے

دیکھا۔ محمد صدیق ڈار صاحب نے راولپنڈی میں قیام کے دوران ایک لائبریری بنائی جسے دیکھ کر آپؒ نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ

''آپ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی پہلی لائبریری بنائی ہے۔ ہم آپ کو انعام دیتے ہیں۔

آپؒ نے ڈار صاحب کو لائبریری کے لیے کتابوں کی ایک فہرست بھی ارسال کی۔

ان کتب میں شاہ ولی اللہ کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ''، امام غزالی کی کتاب ''کیمیائے سعادت''، غلام جیلانی برق کی ساری کتب جیسے ایک اسلام، دو اسلام، اللہ کی عادت، من کی دنیا، اسلام اور عصرِ رواں وغیرہ۔ علامہ اقبال کی شاعری کی ساری کتب، علامہ اقبال پر لکھی جانے والی کتاب ''فکرِ اقبال'' کو آپؒ نے پسند کیا اور اس کے بارے میں فرمایا کہ

''یہ علامہ پر لکھی ہوئی سب سے بہترین کتاب ہے۔''

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اس کتاب کے مصنف ہیں۔

''نفسیات واردات روحانی'' از ولیم جیمز اگرچہ زیادہ تر نفسیات پر ہے اس کا ترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے کیا۔ آپؒ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ

''پڑھنی چاہیے۔''

ولیم جیمز امریکہ کا مشہور ترین فلاسفر ہے۔

وِل ڈیورنٹ کی کتاب ''داستانِ فلسفہ'' اور امریکن کتاب ''Existence of God in the expanding Universe'' جس کا ترجمہ ''خدا موجود ہے''

''ملفوظات اقبال'' آپؒ کو بہت پسند آئی۔ آپؒ نے فرمایا کہ

''ایسی ہی کتابیں ہونی چاہییں دس بیس''

''اخبارِ اخیار'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''یہ تذکرۃ الاولیاء کی طرح ہے، مستند حکم کی ہے۔''

''دوا اسلام'' کے بارے میں فرمایا کہ

''یہ بھی پڑھیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں کتنے فرقے ہیں۔''

''قیصر و کسریٰ'' کے بارے میں کہا کہ

''یہ اچھی کتاب ہے پڑھیں۔''

''قول الجمیل'' از شاہ ولی اللہؒ کے بارے میں کہا کہ

''اس میں تصوف کے چار مشہور سلسلوں کے سلوک کے بارے میں کافی اچھی اور مفید باتیں تحریر ہیں۔''

مجددانہ کاوشیں:

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تعلیمات تصوف کی تجدید فرمائی۔ آپؒ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو آپؒ سے قبل تصوف کی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتے۔

آپؒ کی تصانیف تعمیر ملت، چراغِ راہ، حقیقتِ وحدت الوجود اور طریقتِ توحیدیہ آپؒ کی زندگی کا نچوڑ اور تعلیمات تصوف کا شاہکار ہیں۔ ذیل میں مختصراً مجددانہ کاوشوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

روحانی سلوک:

آپؒ فرماتے ہیں کہ

''دوسرے سلسلوں کی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔''

دیدار باری تعالیٰ کا تصور تو تاریخ انسانی یا تاریخ تصوف میں کوئی نئی بات نہیں۔ چند اکابرینِ تصوف اور دیگر ہستیوں کو دیدار باری تعالیٰ ہوا۔ اس کا ذکر کتب تاریخ و تذکرہ

میں کسی نہ کسی انداز سے مل جاتا ہے۔ آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے روحانی سلوک کی معراج ''ذات بحت کا دیدار'' کو قرار دے کر تصوف کی تجدید کی۔ اس سے پہلے کسی بزرگ نے اجتماعی سطح پر ذات بحت کے دیدار کے حصول کی بات تک نہیں کی۔ اجتماعی سطح پر ذات بحت کے دیدار کے حصول کا تصور تاریخ تصوف میں ایک نئے باب کا آغاز ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا شجرہ مبارک بھی ذات باری تعالیٰ سے شروع ہوتا ہے۔

نئے سلسلۂ تصوف کا آغاز:

تصوف کے سلسلوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ان کے نام کہیں مفرد اور کہیں مرکب صورت میں ہیں۔ ان سلاسلِ تصوف سے وابستہ بہت سے افراد ہیں جن کو مجدد لکھا، پڑھا اور جانا جاتا ہے۔ ایسے افراد نے اپنے اپنے ادوار میں پہلے سے رائج ذکر اذکار و دیگر طریقہ ہائے کار میں تبدیلی کی اور نئے نام سے سلسلہ بنایا۔ اس تجدد کی بنا پر یہ حضرات مجدد قرار پائے۔

آپؒ نے سلاسل نقشبندیہ، چشتیہ کا روحانی سلوک بھی طے کیا۔ اویسیہ نسبت سے مدارج و مقاماتِ تصوف کی سیر و سلوک طے کرتے ہوئے ذات بحت کا دیدار کیا۔ چند دیگر سلسلوں کا بھی مشاہدہ اور مطالعہ کیا۔ مگر آپe نے اپنے طریق تصوف کے لیے ان چار بنیادی سلاسل، نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ میں سے کسی کو بنیاد نہ بنایا۔ بلکہ ہر طرح سے منفرد انداز میں ایک نئے روحانی سلسلے کی بنیاد ''سلسلہ عالیہ توحیدیہ'' کے نام سے رکھی۔

آپؒ کو اویسیہ نسبت سے پرانے زمانے کا خالص فیض ملا جسے آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھ کر ہمیشہ کے لیے جاری کر دیا۔

تحریری نصابِ تصوف:

آپؒ نے اپنے طریقہ تصوف کے لیے ایک سہل البیان اور قابلِ عمل طریقہ کار وضع کیا جسے تحریری صورت میں مکمل طور پر اپنی انتہائی مختصر کتاب ''طریقتِ توحیدیہ'' میں محفوظ کر دیا۔ تصوف کی تاریخ میں اس سے قبل کسی بھی بانی سلسلہ نے اپنے نصاب سلوکِ روحانی کو مکمل طور پر نہیں لکھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں کہیں ان بزرگوں کے رائج کردہ ذکر اذکار اور دیگر وظائف مل جاتے ہیں۔ آپؒ سے پہلے کسی بانی سلسلہ کے سلوکِ روحانی کا مکمل نصاب تحریری صورت میں موجود نہیں تھا۔

اسلوب انبیاءؑ پر تنظیم توحیدیہ:

اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاءؑ بھیجے سب انسانیت کو شرک و گمراہی سے نکال کر خالص اللہ کی بندگی کی طرف تعلیم دیتے تھے۔ انبیائے کرام zکے بعد امتِ مسلمہ کو امتِ وسطیٰ کہہ کر یہ ذمہ داری اس کے سپرد کی گئی ہے۔ حالاتِ حاضرہ کی بڑھتی ہوئی ابتر صورتِ حال کے پیشِ نظر علمائے کرام اور صوفیائے عظام پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

آپؒ نے تصوف کی اسی انداز پر ترویج و تنظیم کی جس انداز پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ آپؒ نے اپنے سلسلہ کو تمام وقتی آلائشوں سے پاک کر کے قرآن وسنت کی روشنی میں اسی طریقہ کار پر منظّم کیا جس سے انسان انسانوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں آ جائیں۔ جہاں ایمانیات پر کما حقہٗ یقین محکم ہو اور عملی میدان میں پایۂ استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئے۔

صحوی تصوف کی تعلیم:

آپؒ نے ''صحوی تصوف'' کو اپنایا اور اس کی تعلیم کو عام کیا۔ صحوی اور سکری تصوف کے فرق کو آپؒ نے ''چراغِ راہ'' میں موجود پہلے اور دوسرے خطبے میں واضح کیا ہے۔

آپؒ نے فرمایا کہ تصوف خفتہ (سکری تصوف) انسانیت کی افیم ہے۔ خفتہ تصوف والے صوفی فرشتہ تو بن سکتے ہیں لیکن انسان نہیں رہتے'' میں نے ایک مرتبہ اپنے شیخ مولانا کریم الدین احمدؒ سے پوچھا کہ قبلہ یہ خفتہ تصوف کیا ہے اور خفتہ تصوف والے صوفی کون ہیں؟ فرمایا کہ آج کل تو ہزار سچے صوفیوں میں سے ۹۹۹ خفتہ صوفی ہی ہیں۔ ان کو نہ خدا کا پتہ ہے کہ وہ کیا ہے اور اس کی صفات کیسے کام کرتی ہیں۔ نہ اشیاء کی معرفت حاصل ہے۔ نہ انسانی فطرت کی خبر ہے۔ یہ زندگی کے راز سے باخبر ہیں نہ دورِ حاضر کے مسائل سے واقف۔ ہر وقت روحانی کیف و استغراق میں مدہوش و مبتلا۔ ''لا اور یلا' لا اور یلا'' کی تکرار میں کھوئے رہتے ہیں۔ ان کو اپنا ہی پتہ نہیں، دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے اور قوم کو سیدھا راستہ کیا بتائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض بعض میں بہت بڑی روحانی طاقت وقدرت ہوتی ہے۔ وہ مردے زندہ کر سکتے ہیں، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں، لیکن یہ سب بے کار ہے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے تھے سب کے سب اپنی قوم کی ہدایت اور خدمت کے لیے آئے تھے۔ ان پیغمبروں کو اللہ نے ہر قسم کی صلاحیتیں اور بے پناہ طاقتیں دی تھیں لیکن سبھی نے ان طاقتوں اور صلاحیتوں کو اپنی قوم کی اصلاح اور بہبود کے لیے صَرف کیا۔ کسی ایک نے بھی خود کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس صوفی یا بزرگ میں اس قسم کی طاقتیں ہوں اور وہ ان کو اجتماعی طور پر قومی اصلاح وفلاح کے لیے صَرف نہ کرے خود ہی مزے لوٹتا رہے وہ حضور اکرم ﷺ کا سچا پیروکار نہیں ہے اور یہ لوگ انفرادی طور پر جو کچھ فائدہ دعا یا کرامات کے زور سے پہنچاتے بھی ہیں وہ کوئی خاص قابلِ قدر چیز نہیں ہے بلکہ اس سے قوم کو الٹا نقصان پہنچتا ہے۔ لوگ اللہ کو چھوڑ کر خود انہی کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبریں پوجتے ہیں اور قوم اسلام سے ہٹتے ہٹتے مشرک ہو جاتی ہے، اس سے زیادہ نقصان اور کیا ہوگا۔''

آپؒ کے مرشد مولانا کریم الدین احمدؒ صحوی تصوف یا تصوف بیدار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''صحوی تصوف کے معنی ہیں تصوف بیدار، سکری تصوف کے معنی ہیں تصوف خفتہ۔ جب تک کسی قوم کے صوفیوں میں تصوف بیدار کارفرما ہوتا ہے وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے۔ اس قوم میں زندگی، خوشی، خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم کے صوفی یعنی روحانی علماء زندگی کے تمام راز ہائے سربستہ اور انسانی فطرت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور یہی تعلیم وہ اپنے مریدوں اور اپنی قوم کو دیتے ہیں۔ تصوف بیدار صوفی میں دانشمندی، فراست اور دانشوری پیدا کرتا ہے۔ ایسے صوفی بین الاقوامی مسائل اور اپنے معاشرے اور قوم کی خوبیوں اور خامیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ وہ آئندہ صدیوں تک آنے والے واقعات اور انقلابات کو اس طرح دیکھتے اور سمجھتے ہیں جیسے روزِ روشن میں یہ سب ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ یہ لوگ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو کشف سے کم لیکن اپنے علم وفراست سے زیادہ معلوم کرتے ہیں اور اپنی قوم کے لیے اپنے علم وفراست کی روشنی میں ایک ایسا لائحہ عمل اور دستور پیش کرتے ہیں کہ اگر قوم اس پر کاربند رہے تو دوسری قوموں سے کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔ اس کو ہرگز زوال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتی رہتی ہے۔''

آپؒ فرماتے ہیں کہ

''میں آپ کو صحوی تصوف سکھانا اور انسان کامل بنانا چاہتا ہوں۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حقائق کو چھوڑ کر کوائف میں کھو جائیں۔ دنیا کا کوئی کام نہ کریں، توکل کی چادر اوڑھے شرابِ معرفت کے نشہ میں مست پڑے کرامتیں دکھایا کریں۔ میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختارﷺ کے نقشِ قدم پر

جاتا ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ملا لو۔ اگر میں کہیں غلطی پر ہوں تو مجھے آگاہ کر دو، میں اپنے طریقے میں بڑی خوشی سے ترمیم کر لوں گا۔"

موجودہ دور میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی صورت میں آپؒ نے یہ فیض عام کیا ہے۔

انکشافاتِ حقیقت وحدت الوجود:

چھٹی صدی ہجری کے عارف باللہ حضرت ابن عربیؒ نے نظریہ وحدت الوجود پیش کیا۔ مغل بادشاہ جہانگیر کے دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے نظریہ وحدت الشہود پیش کر کے وحدت الوجود کو قرآن و سنت کی روشنی میں رد کیا۔

آپؒ نے ذات بحت تک سلوک طے کر کے فی الواقع حقائق کا مشاہدہ کیا، اپنے روحانی مشاہدہ کی روشنی میں اس قدر واضح، مختصر اور عام فہم انداز میں آپؒ نے ایک عام آدمی کے لیے وحدت الوجود والشہود کے نظریات کو بیان کیا ہے کہ اس سے قبل تاریخِ انسانی میں کسی نے انہیں اس طرح بیان نہیں کیا۔ اس موضوع پر آپؒ کی تصنیف "حقیقت وحدت الوجود" مستند مقام کی حامل ہے۔

روحانی کیفیات، مقامات اور احساسات کا بیان:

تصوف کے دیگر طریقوں میں کیفیات و مقاماتِ روحانی کے بیان میں ایک پردہ رکھا گیا ہے۔ وہ کیفیات، مقامات و احساسات جو بہت بنیادی نوعیت کے ہیں انہیں روحانی راز کے طور پر چھپایا جاتا ہے۔ نئے سالک اپنی سادگی، تشنگی اور طلب کی وجہ سے ان بنیادی باتوں کو پانے کے لیے طرح طرح کے جتن کرتے ہیں، اگر نصیب ساتھ دے تو سالہا سال کے بعد کسی قدر یہ معلوم کر لیتے ہیں۔

آپؒ نے کیفیات، مقامات اور احساساتِ روحانی کو ممکنہ حد تک اپنی کتب میں تحریر فرما دیا ہے۔ جنہیں ہر فرد پڑھ سکتا ہے۔ اصل ادراک انہی کو ہوتا ہے جو بتائی گئی تعلیمات

پرعمل کرتے ہیں اوران پر یہ کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ جولوگ ان مقامات پر پہنچ جاتے ہیں وہ خود محسوس کرتے ہیں۔

ایک ادنیٰ سی مثال ''توجہ'' کی ہے۔ یہ کیا ہے؟ کیسے ملتی ہے؟ کیسے لی جاتی ہے؟ کیوں لی جاتی ہے؟ اس سے کیا کیا ہوتا ہے؟ کس کام آتی ہے اور اس سے پیدا ہونے والے احساسات کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ

دوسرے سلسلوں میں جولوگ ''توجہ'' سے واقف ہوتے ہیں وہ آٹھ آٹھ اور دس دس سال اپنے در کی ٹھوکریں اور خدمت کرانے کے بعد اگر مہربان ہو جائیں تو کان میں پھونک مار دیتے ہیں کہ ''ایسے توجہ لی جاتی ہے''۔ باقی جوابات بقیہ زندگی میں شاید مل جائیں۔ اس کے برعکس آپؒ کی تعلیمات کے مطابق سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں اگر کسی نے آپؒ کی تصنیف کردہ کتب نہیں بھی پڑھیں تو پہلے دن یہ ذکر اذکار کے تعارف میں اس راز کو پالیتا ہے۔ ایسی مثالیں سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں قدم قدم پر موجود ہیں۔ یہ سب آپ e کی اعلیٰ ظرفی اور اخلاص پر مبنی مجددانہ کاوشوں کے سبب ممکن ہوا۔

دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ افراد چونکہ روایتی انداز فقیری سے بچے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے اکثر و بیشتر وہ ان روحانی رازوں کو معمول کی کاروائی یا عام بات ہی خیال کرتے ہیں۔ وہ ان کیفیات سے بدرجہ اتم واقف ہوتے ہیں۔ اعلیٰ ترین مقامات پر ہوتے ہوئے بھی اسے کچھ نہیں سمجھتے۔ اس کی فطری وجہ یہ ہے کہ ان کے مدِ نظر ذات باری تعالیٰ کا قرب، لقاء، اور عرفان ہوتا ہے۔ اس مقصود حیات کے سامنے تو دیگر روحانی مقامات کچھ بھی نہیں۔

جدید ذہن کی تسکین:

جدید دور میں ہونے والی سائنسی ترقی اور برق رفتار تبدیلیوں کا اثر انسانی ذہن پر بہت گہرا ہے۔ آج کا اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ہر چیز کو تنقیدی اور تحقیقی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے نتائج بھی اسی انداز سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مذہب اور ایمانیات کے بارے میں بھی یہ انسان کیوں؟ کیا؟ کیسے؟ جیسے سوالات اٹھاتا ہے۔ بڑے بڑے مفکرین اور علمائے دین ایسے انسان کو لاجواب تو کر سکتے ہیں مگر کسی طرح سے بھی اندرونی طور پر مطمئن نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ملحد اور بے دین نہ بھی ہوں تو کم از کم ان کا ایمان متزلزل ضرور ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں میں سے اکثر روحانیت کے طالب بھی ہوتے ہیں اور تصوف کے ذریعے اپنے سوالات کا جواب حاصل کر کے مطمئن ہونا چاہتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی اکثریت علوم جدیدہ سے عدم واقفیت کی وجہ سے ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی تسلی نہیں کر پاتی۔ ایسے افرادِ معاشرہ کو ناقابلِ اصلاح قرار دے کر کافر اور بے دین ہونے کے لیے نہیں چھوڑا جا سکتا۔

آپؒ نے ایسے ہی متلاشیانِ حق کو تصوف سے آشنا کر کے اللہ کا راستہ دکھانے اور ان کے قلوب کو جگمگانے کے لیے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی۔ آپؒ ایسے لوگوں کی ذہنیت، نظریات، اندازِ فکر اور طرزِ استدلال سے بخوبی واقف تھے اور ظاہری و باطنی دونوں طرح سے ان کی تسلی کر سکتے تھے۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ

''یہ سلسلہ مغربی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے۔''

اعلیٰ معیار سالکین کا انتخاب:

تصوف کے اکثر سلسلوں میں ہر آنے والے کو مرید کر لیا جاتا ہے۔ بہت کم سلسلے ایسے

ہیں جن میں معیار کو ترجیح دینے کی بات لکھ دی گئی ہے یا زبانی طور پر کہی جاتی ہے مگر عملی صورتِ حال اس کے بالکل ہی برعکس نظر آتی ہے۔

آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی صورت میں تعلیمات تصوف کی ہر انگ اور ہر پہلو سے تجدید فرمائی۔ عمومیت کا رنگ ضرور دیا مگر اس کے ساتھ ساتھ تعداد کی نسبت معیار کو ہمیشہ فوقیت دی۔ آپؒ کے سلسلہ میں نئے آنے والے سالکین کو فوری طور پر تعداد بڑھانے کے نقطۂ نظر سے ہر گز قبول نہیں کیا جاتا۔ آپؒ نے خود بھی اسی اصول پر عمل کیا اور آئندہ کے لیے بھی یہی ضابطہ مقرر فرمایا کہ

''شیخ کو چاہیے کہ اندھا دھند ہر ایک کو طالب نہ بنائے نہ مرید کرے اور یاد رکھے کہ یہ سلسلہ خصوصاً مغربی تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ مریدوں کی تعداد بڑھا کرنا اہل لوگوں کا لشکر جمع کر لینا مقصود نہیں ہے۔ سلسلے میں کم سے کم آدمی ہوں تو پرواہ نہیں لیکن جو ہوں وہ زیادہ سے زیادہ روحانیت حاصل کر لیں اور ان میں زیادہ سے زیادہ اخلاقِ حسنہ پیدا ہو جائے۔ دوسرے اہل لوگوں کو بھی بیعت کیا جا سکتا ہے مگر خوب ٹھوک بجا کر اور کافی عرصہ تک طالب رہنے کے بعد۔''

اصطلاحاتِ تصوف سے گریز:

تعلیمات تصوف میں وقت کے ساتھ ساتھ بے شمار اصطلاحات متعارف ہوئیں۔ موجودہ دور میں اگر ان اصطلاحات تصوف کو ہی دیکھنا شروع کر دیا جائے تو شاید اس گورکھ دھندے سے نجات مشکل ہو۔ یہ اصطلاحات صرف تحریر میں ہی نہیں ہیں بلکہ عام حالات میں باقاعدگی سے استعمال ہوتی ہیں۔ جس کا لازمی اثر یہ پڑتا ہے کہ سالکین طریقت کے ذہنوں میں اعلیٰ مقامات تصوف کا ایک ناقابل تسخیر نقشہ بنتا ہے۔

آپؒ نے اپنے اسلوب طریقت میں اصطلاحات تصوف کو ممکنہ حد تک ختم کر کے

تعلیمات تصوف کو ایک سادہ، آسان اور قابلِ فہم انداز دیا ہے۔ توحیدیہ طریقت میں کیفیات و درجات روحانی تو بدرجہ اتم موجود ہیں مگر اصطلاحات کی پیچیدگیوں سے مکمل چھٹکارا حاصل کیا گیا ہے۔

اعداد و شمار سے نجات:

ذکرِ الٰہی کے بارے میں عام انداز یہی رائج ہے کہ ذکر تسبیحوں اور منکوں پر کیا جاتا ہے یا اندازے سے گنتی کا شمار کر کے وظائف و اوراد کیے جاتے ہیں۔ تصوف کے سلسلوں میں بھی یہی انداز صدیوں سے رائج ہے۔ بزرگ ہستیاں اپنے اپنے مریدین سے خاص اعداد و شمار کے مطابق وظائف و ذکر اذکار کراتی ہیں۔

آپؒ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ

''پہلے سلسلوں میں اوراد و وظائف ہزاروں بار نہیں بلکہ لاکھوں بار پڑھنے کو بتائے جاتے تھے۔ چنانچہ بعض بزرگ سورہ اخلاص سوا لاکھ مرتبہ بیس یا چالیس دن میں ختم کرایا کرتے تھے۔ کم از کم ایک ہزار مرتبہ درود شریف روزانہ، ہر نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ الحمد شریف، گیارہ سو مرتبہ یا مغنی، گیارہ مرتبہ سورہ مزمل شریف، اکتالیس مرتبہ سورہ یٰسین شریف اور اس کے علاوہ بے شمار نوافل۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ جو شخص اتنا پڑھے اور پھر کھانا نہ کھائے متواتر روزے رکھے اس کی صحت کس طرح بحال رہ سکتی تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نعوذ باللہ یہ باتیں فضول تھیں مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ آج کل جب کہ حصول معاش کے لیے دن رات میں کم از کم بارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے، پرانے زمانے کے اوراد و وظائف پڑھنا کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ اس لیے میں نے صرف یہ طریقہ بتایا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی تم کوئی دماغی کام نہ کر رہے ہو اور خالی الذہن ہو ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کرتے رہو اور اللہ کی یاد سے غفلت نہ برتو۔ یہی طریقہ قرآن پاک میں بھی

بتایا گیا ہے۔ دوسری چیز نفی اثبات کا ذکر ہے جس کے لیے میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ کسی حالت میں بھی پندرہ منٹ سے زیادہ نہ کیا جائے، اب آپ بتائیں کہ اس سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے اور اس سے اپنی محبت کے رشتے استوار کرنے کا اور کوئی آسان طریقہ ممکن ہے؟؟"

آپؒ نے اپنے سلسلۂ طریقت میں ذکر اذکار کے اس پرانے انداز کو بدل دیا ہے۔ اب اعداد وشمار ثانوی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ آپؒ کے مطابق جو فائدہ ذکر اذکار پوری توجہ، یکسوئی، محبت، خواہش اور تڑپ سے کرنے میں ہے وہ کسی طرح سے بھی اعداد وشمار پورے کرنے میں نہیں ہے۔

آپؒ نے فرمایا کہ

"سلوک طے کرنے تک مجھ کو یہ تجربہ ہو گیا کہ خدا سے تعلق زبان سے ذکر کرنے کی کثرت پر اس قدر منحصر نہیں ہے جس قدر دل سے اس کو ہر وقت یاد رکھنے اور اخلاق کا تزکیہ کرنے پر منحصر ہے۔"

خواتین کے لیے تعلیمات تصوف:

تصوف کی تاریخ میں اولیاء اللہ کے اسمائے گرامی میں خواتین کے نام نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جن سے کسی حد تک یہ تاثر ملتا ہے کہ جیسے تعلیمات تصوف صرف مرد حضرات کے لیے مخصوص ہیں۔ چند سلاسل تصوف میں خواتین کے لیے وقتی نوعیت کے انتظامات ضرور ہوتے ہیں مگر سلوک روحانی طے کرنے کے لیے راہنمائی شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتی ہے۔

آپؒ نے اپنے سلسلہ میں خواتین کے لیے ایک مکمل ضابطہ طے کر دیا ہے جس میں رہتے ہوئے خواتین راہِ سلوک کی منازل طے کر سکتی ہیں۔ وہ نہ صرف طالب یا مرید ہو سکتی ہیں بلکہ خادمۂ حلقہ اور مجاز بن کر دوسری خواتین کی اصلاح و فلاح کا انتظام بھی

سنبھال سکتی ہیں۔اس سب کے باوجود مرد و خواتین کے کسی قسم کے باہمی روابط میں محرم اور غیر محرم کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

تعلیمات تصوف کی عمومیت:

تعلیمات تصوف کی راہیں چند مخصوص افراد تک محدود تھیں۔ عام تاثر یہی تھا کہ تصوف کی تعلیمات چند افراد کا خاصا ہیں۔ان افراد کو یہ دولت کسی مقبرے،مزار کے گدی نشین یا سجادہ نشین سے ملتی ہے۔اس کے علاوہ یہ تصور تھا کہ یہ دولت بغیر کچھ عمل کیے مل جاتی ہے۔ایک ہی نظر سے کمال حاصل ہو جاتا ہے۔اس راہ کے متلاشی انتہائی دشوار اور بعض اوقات تو بہت ذلت آمیز راستوں سے گزرتے تھے۔اس کے بعد بھی یہ دولت اکثر ناپید ہوتی تھی۔

آپؒ نے تعلیم تصوف کو خصوصیت سے عمومیت کا رنگ دیا، نہ صرف اپنا نصاب طریقت مکمل طور پر لکھا بلکہ راہِ تصوف کی رکاوٹوں، مقاماتِ روحانی کے احوال کو ممکنہ حد تک آسان ترین پیرائے میں لکھ دیا۔ راہِ تصوف وسلوک کی خودساختہ بندشوں کو ختم کر کے قابلِ عمل اور زبردست انداز دیا۔ یہ آپؒ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ جدید دور کا انسان جو کبھی رشک بھری نگاہوں سے بڑے بڑے بزرگوں کے مزاروں کو دیکھ کر، ان کی زندگی کے احوال کو پڑھ کر، ان کے مقام اور مرتبے کو حکایتوں سے جان کر یہ خیال کرتا تھا کہ اس مقام اور مرتبے کا حصول ناممکن ہے وہی انسان آج آپe کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس گوہر کو پا گیا ہے۔

غیر روایتی تنظیم سلسلہ:

تعلیمات تصوف ہمیشہ سے ایک روایتی انداز میں چلی آ رہی تھیں، جس میں روحانی

پیشوا ایک سجادہ نشین یا گدی نشین ہوتا تھا۔ ایک ہی سلسلہ میں ایک روحانی پیشوا کے بعد یا اس کی زندگی میں ہی اس کے کئی خلفاء اس کی تعلیمات کو پھیلاتے تھے۔ ہر خلیفہ بذاتِ خود روحانی پیشوا ہوتا تھا اور اپنے ہاتھ پر اپنے لیے نئے آنے والے لوگوں کو بیعت کر کے مرید کرتا۔ چونکہ ہر بزرگ کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے اس لیے ایک ہی روحانی سلسلہ کے لوگ جو کہ مختلف خلفاء کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ان کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا۔ یہ تضادات وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے جاتے تھے۔ آپؒ ایسی صورت کے برعکس اپنی تنظیم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''ہمارے سلسلہ میں جماعتی تنظیم اور اجتماعی زندگی باقی سب جماعتوں سے کہیں زیادہ محکم اور مستحکم ہے۔ ہمارے ہاں وہ دقیانوسی طریقہ ختم کر دیا گیا ہے کہ ایک شیخ لاتعداد خلفاء بنا کر اپنے حلقہ کو وسیع کر لے۔ اس طرح اس پیر کی جماعت لاتعداد ٹکڑیوں میں بٹ جاتی ہے اور چونکہ ان خلفاء کے ماحول، اخلاق، ذہنیت اور علمیت وغیرہ میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے اس لیے شیخ سلسلہ کی حقیقی تعلیم بحسنہ کسی ٹکڑی میں بھی باقی نہیں رہتی اور ان ٹکڑیوں کا باہمی ربط ختم ہو کر جماعت کی روح فنا ہو جاتی ہے۔''

آپؒ نے اپنے طریقۂ توحیدیہ میں اس روایتی انداز پیری فقیری کو یکسر بدل دیا۔ آپؒ نے مرکزیت کو قائم رکھتے ہوئے یہ تجویز کیا کہ

''شیخ کو چاہیے کہ سلسلے کے بہترین آدمیوں میں سے چند کو اپنا مجاز مقرر کر لے۔ ان مجازین میں اس قدر روحانی قوت اور اخلاق حسنہ ہونا ضروری ہے کہ جو لوگ ان کے سپرد کیے جائیں ان کی اصلاح کر سکیں۔ یہ مجاز لوگوں کو شیخ سلسلہ کے لیے اپنے ہاتھ پر بیعت کر سکیں گے اور ان کو شیخ کی طرف سے تحریری پروانہ دیا جائے گا۔ عورتیں بھی مجاز بنائی جا سکتی ہیں۔''

آپؒ کے وضع کردہ ضابطہ کے مطابق صرف ایک ہی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ ہوتا

ہے۔مجازین کرام کا اصلاحی کام تو دوسرے سلاسل کے خلفاء کی طرز پر ہوتا ہے مگر یک رنگی اور مرکزیت کے پیشِ نظر سب کا رجوع ایک ہی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی طرف ہوتا ہے۔اس لیے سلسلۂ توحیدیہ میں روایتی انداز سے پیدا ہونے والے انتشار کی بجائے ایک غیر روایتی تحریکی انداز اپنا کر استحکام پیدا کیا گیا ہے یہ اندازِ تنظیم سازی تصوف میں پہلے کہیں نظر نہیں آتا۔

وراثتی گدی نشینی کا تدارک:

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں جانشین کے تعین کے لیے آپؒ نے ایک ایسا لائحہ عمل وضع کر دیا ہے کہ جس میں شیخ سلسلہ کا منصب کسی طرح بھی وراثتی گدی نہیں بن سکتا۔آپؒ نے جانشینی کے لیے یہ ہدایت تحریر فرمائی کہ

''شیخ کو چاہیے کہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار مثلاً بیٹے، بھتیجے، بھانجے یا پوتے، نواسے وغیرہ کو اپنا جانشین ہرگز نہ بنائے۔خواہ وہ اس کا اہل ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ ایسا کرنے سے حلقہ ایک وراثتی گدی نہ بننے پائے گا۔''

اس کے علاوہ اپنی وصیت میں مزید واضح کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا کہ

''یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حلقہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کے منصب کی جانشینی ہمیشہ کے لیے غیر وراثتی رہے گی اور کوئی روحانی پیشوا اس بلند منصب کے لیے، ان اشخاص میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کر سکے گا جو اس کے خاندان کے افراد ہوں۔

جانشین ہمیشہ وہ شخص بن سکے گا جو بالکل باہر کا آدمی ہو، نہ کہ کوئی ایسا فرد جس کا آخری روحانی پیشوا کے خاندان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی رشتہ ہو۔

حلقہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کے بلند منصب کی جانشینی کے لیے یہ بنیادی اہمیت کا

اصول لاگو رہے گا۔ میں امید رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اس اصول کی پیروی کی جائے گی اور اس پر سختی کے ساتھ کاربند رہا جائے گا۔''

اس طرح سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں وراثتی گدی نشینی کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کر دیا گیا ہے۔

جاہلانہ رسوم کا خاتمہ:

وقت کے ساتھ ساتھ جاہلانہ رسومات اور گمراہ کن عقائد تعلیماتِ تصوف کا لازمی جزو بن گئے ہیں کہیں انسان اور کہیں مدفن حضرات حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیے جا رہے ہیں۔ زندہ بزرگ مختلف انداز سے اپنے آپ کو سجدے کرا رہے ہیں یا قبروں پر مُردوں کو پوجا جا رہا ہے۔ اس پوجا اور پرستش کے انداز بھی جاہلیت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ستم در ستم یہ کہ ایسا کرنے والے صرف جاہل اور گنوار ہی نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سمجھ دار لوگ بھی ہوتے ہیں۔ آپ e فرماتے ہیں کہ

''دوسرے کئی سلسلوں میں پیروں کی اس قدر عزت کی جاتی ہے جو عبادت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ مریدوں سے نہ صرف زندہ پیروں بلکہ وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرائے جاتے ہیں۔ ان کو مافوق الفطرت خیال کیا جاتا ہے۔ ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں اور کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ ہم قرآن پاک اور احادیث وسنت کی روشنی میں اس بات کو شرکِ اکبر جانتے ہیں۔''

آپؒ نے پیر اور مرید کا تعلق عقیدت، ادب اور فرماں برداری کے اصولوں پر قائم کیا۔ ان کی وضاحت میں شریعت کے ضابطوں کا خاص خیال رکھا۔ اپنے طریقۂ تصوف کی بنیاد ہی ''توحید'' پر رکھتے ہوئے اس نسبت سے ''توحیدیہ'' نام رکھا ہے تاکہ روزِ اول سے ہی کسی شرک کی گنجائش باقی نہ رہے۔ قبر پرستی اور پیر پرستی کے لیے اپنے سلسلہ میں

کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔اس سلسلہ میں شیخ سلسلہ سے مریدین کا عمومی رشتہ ایک استاد اور شاگرد کی نوعیت کا ہے۔

نفس کشی سے نجات:

تصوف میں مجاہدوں اور ریاضتوں کا ایک وسیع باب ہے۔نفس کشی کے پرانے مجاہدے اور ریاضتیں آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔آپؒ نے مجاہدوں کے ایسے تمام دستور یکسر ختم کر دیے ہیں۔نفس کشی کے نظریہ کو باطل قرار دے کر آپؒ نے نفس پر قابو پانے کے نظریہ کو رواج دیا۔آپؒ کا بتایا گیا طرزِ عمل جدید ادوار میں قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ

''پہلے زمانے کے بزرگ اپنے مریدوں کو نفس کشی کے لیے بھوکا رہنا، برسوں پیدل سفر کرنا، بھیک مانگنا، پاخانہ صاف کرنا اور محلوں میں جھاڑو دینا بتاتے تھے۔آج کے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کو یہ کچھ بتایا جائے تو کون ہے جو کرنے کو تیار ہوگا؟ اس کے بجائے میں نے صرف یہ بتایا ہے کہ غصہ اور نفرت کو نفی کر دو اور اس کی جگہ عالم گیر محبت اور ہر کام میں حق پر عمل کو اپنے اوپر فرض کر لو۔''

نذرانوں سے اجتناب:

عام طور پر روحانی پیشوا کے لیے تحائف اور نذرانے اکٹھے کیے جاتے ہیں۔مریدین کے تحائف، نذرانوں اور عقیدت کے طفیل روحانی پیشوا کی مالی حالت یکسر بدل جاتی ہے۔مریدین کی طرف سے عقیدت مندی کے طفیل ان مالی اثاثوں کا حجم بعض دفعہ عام انسان کے لیے قابلِ رشک ٹھہرتا ہے۔

آپؒ نے اپنے سلسلہ میں نذرانوں کے رواج کو ناپسند فرمایا۔اس کے برخلاف اگر مریدین میں سے کوئی ہدیہ کی صورت میں کچھ دینا چاہے تو اس کے لینے کی اجازت

فرمائی۔ سلسلہ میں جمع ہونے والی رقوم کے بارے میں یہ دستور بنایا کہ یہ اجتماعی فائدے اورسلسلہ کی فلاح و بہبود کے لیےخرچ ہوں۔ آپؒ نے سلسلۂ توحیدیہ میں مالی وسائل کا مصرف اپنی قائم کردہ تحریک ''سلسلہ عالیہ توحیدیہ'' کوقرار دیا۔

روحانی پیشوا کا طرزِ عمل:

گدی نشینوں اور پیروں فقیروں کے آستانوں پر ایک روحانی پیشوا اور اس کے مریدین میں خاص فاصلہ نظرآ تا ہے۔ روحانی پیشوا کی ظاہری بودو باش اور میل جول سےاس کےمنصب کا خود بخود تعارف ہوجاتا ہے۔

اس کے برعکس آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تنظیم میں ایسی صورتِ حال سے اجتناب فرمایا ہے۔ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ اپنے مریدین کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں۔ ملاقات کے لیے آنے والوں کو انتظار کیے بغیر ایک دوستانہ اور قربت کا ماحول میسر آتا ہے۔ روحانی پیشوا کی طبیعت، مزاج، رہن سہن سے سادگی اور درویشی کا درس ملتا ہے۔ دنیاوی جاہ وجلال کا رعب کم اور دل شگفتگی اور پریم کا ماحول زیادہ نظرآتا ہے۔

تربیتِ انکسار:

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں انکسار پیدا کرنے کے لیے ایک شاندار طریقہ کار بتایا گیا ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ

''دوسرے سلسلوں میں انکسار پیدا کرنے کے لیے یہ بتایا جاتا تھا کہ اپنے آپ کوتمام مخلوق سے ذلیل وحقیر سمجھو۔ ظاہر ہے کہ اس سے انسان کی خودی اور خودداری بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اس کی وہ تمام امنگیں مر جاتی ہیں جو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ایک معاشرے اور قوم کو زندہ، باعزت، باغیرت اور متحرک بالعمل بنانے کے لیے قدرت کی طرف سے فطرتاً پیدا کی گئی ہیں۔ ہمارے سلسلہ میں یہ تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ یہ سکھایا جاتا

ہے کہ اپنی کسی چیز پر غرور نہ کرو کیوں کہ اس سے آئندہ کے لیے طلب ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ تم نہ اپنے آپ کو ذلیل وحقیر سمجھو نہ کسی دوسرے کو، ہم سب خدا کی مصنوعات ہیں۔ خدا کی کسی صنعت سے نفرت کرنا یا اس کو ذلیل سمجھنا خود خدا کی توہین ہے۔ ہم دراصل یہ کہتے ہیں کہ تم اس قصہ میں ہی نہ پڑو کہ کون ذلیل ہے اور کون بزرگ و برتر اور اگر تم کو ایسا کرنا ہی پڑے تو قرآن کی اس آیت کی کسوٹی پر پرکھو کہ ''جو شخص جس قدر زیادہ متقی ہے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک شریف اور بزرگ ہے۔''

رہبانیت سے نجات:

دنیاوی قدر و منزلت اور دنیا کے حصول کے لیے کوشش اور کاوش کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ آپؒ نے اس کے برخلاف تعلیم فرمائی کہ

''ہمارے سلسلہ میں رہبانیت اور دنیا سے نفرت وحقارت کی تعلیم مطلق نہیں دی جاتی کیوں کہ یہ قرآن پاک کی تعلیم اور حضورﷺ کی سنت کے بالکل خلاف ہے بلکہ روپیہ کمانے اور دنیوی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ حاصل کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن اس طرح جس سے غرور بالکل پیدا نہیں ہوسکتا اور یہ جو کچھ بھی کمایا اور پیدا کیا جاتا ہے وہ سب قوم، ملک اور خلقِ خدا کی خدمت کے لیے ہوتا ہے۔''

زندہ معاشرتی تحریک:

آپؒ سستی اور کاہلی کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے۔ تمام افراد معاشرہ کو ہر طرح سے متحرک دیکھنے کے خواہاں تھے۔ اپنے سلسلہ توحیدیہ میں بھی متحرک رہنے کے لیے ایک طریقہ بیان فرمایا کہ

''ہمارے سلسلہ میں سستی اور بے کاری سے بچنے کے لیے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں مصروف رہو اور کچھ نہ کرسکو تو تعلیم میں ترقی کرو اور ایم۔اے تک

امتحانات پاس کرتے چلے جاؤ۔ یا کوئی ٹیکنیکل کام اور ہنر سیکھو۔

اتحادِ امت:

امتِ مسلمہ تو آج اَن گنت فرقوں میں تقسیم ہوچکی ہے ہر فرقہ خود کو ٹھیک اور باقی سب کو کفر والحاد پر مبنی قرار دیتا ہے۔ آپؒ نے ہر طرح کے گروہی، فرقی تفریق کو ختم فرمایا۔ آپe تو اتحادِ امت کے اس قدر خواہش مند تھے کہ دیگر فرقوں کے حق و باطل تو اپنی جگہ ائمہ اربعہ کے پیروکاروں میں تفریق بھی گوارا نہ تھی۔ آپe نے دینی عقائد کی اصلاح کرتے ہوئے ائمہ اربعہ، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی تقسیم کو بھی ختم کرتے ہوئے اتفاق و اتحاد کا درس دیا۔ فقہی مسائل اور فروعی تضادات کو قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین مطابق اعتدال پر لائے۔ تضادات کو موضوع بحث بنانے کی بجائے متفقہ معاملات کو مدِ نظر رکھنے کی تلقین فرمائی۔ آپؒ نے امتِ مسلمہ کو صحیح معنوں میں امتِ وسطٰی دیکھنا چاہتے تھے۔

حرفِ آخر:

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی مجددانہ کاوشوں کا باب بہت طویل ہے۔ مندرجہ بالا تمام باتوں کا تعلق عام مشاہدے اور تحقیق سے ہے۔ تصوف بذاتِ خود چونکہ وہ تعلیم ہے جس پر عمل کرنے کے بعد ہی علم حاصل ہوتا ہے۔ آپؒ کی زندگی کی تمام تر تگ ودو تصوف کے عملی میدان میں ہے۔ جب ہم خود آپؒ کی تعلیمات تصوف پر عمل کریں گے تو اس عمل کے بعد حاصل ہونے والا علم آپؒ کی مجددانہ کاوشوں کا احساس دلائے گا۔

ابوالعصر امام غزالیؒ نے درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور اجتماعیت سے بھرپور زندگی کا عروج پا کر حقیقت کی تلاش میں راہِ تصوف پر قدم رکھا۔ کم وبیش گیارہ سال خلوت کی زندگی، مشاہدوں اور مراقبوں میں گزاری۔ آپؒ دوبارہ خلوت سے جلوت میں

آ ئے تو اپنی زندگی کے تجربات کا نچوڑ اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں ان الفاظ میں پیش کیا۔

"......ان تنہائیوں میں مجھے جو انکشافات ہوئے اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا، اس کی تفصیل اور اس کا استقصا د تو ممکن نہیں، لیکن ناظرین کے نفع کے لیے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ

صوفیاء ہی اللہ کے راستے کے مالک ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں۔ ان کے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور نورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔"

سوانحِ حیات

حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ

نام اور پیدائش:

آپؒ کا نام محمد حنیف خاں تھا، آپؒ 1882ء میں مہندر گڑھ عرف کانوڈ ضلع نارنول ریاست پٹیالہ موجودہ علاقہ راجپوتانہ میں پیدا ہوئے۔

آبائی وطن:

آپؒ کا وطن مہندر گڑھ ہے۔ یہ ایک قصبہ تھا جو بعد میں شہر اور ضلع بن گیا۔ اس وقت اس کی آبادی کم و بیش ایک لاکھ تھی۔ مہندر گڑھ کا نام "کانوڈ" تھا۔ یہ نواب جھجر کا دارالسلطنت تھا۔ اس میں نواب کا قلعہ تھا۔ جنگ آزادی (1857ء) میں سب سے زیادہ مزاحمت نواب جھجر کی طرف سے ہوئی۔ یہ بہت بڑی ریاست تھی جس میں ریواڑی، نارنول، کانوڈ، حصار، سرسہ، بھوانی، کرنال، اور روہتک، جھجر، کلانور اور بھنڈا کے علاقے شامل تھے۔ آپ مہندر گڑھ کے محلّہ "راٹھوڑاں" میں رہتے تھے۔ یہ محلّہ قصبہ کے شروع میں ہی تھا۔ جس کی پہلی حویلی آپ کے والدین کی تھی۔ آپ کے عزیز و اقربا کے گھر آبادی کے درمیان میں بھی تھے۔ مگر آپ کی رہائش اپنے والدین کی حویلی میں تھی جسے آپ کے بھائی رسالدار رفیق احمد خاں نے تعمیر کرایا تھا۔

جدِ امجد کا قبولِ اسلام:

آپ کے جدِ امجد میں سے سب سے پہلے مسلمان کا نام جھنڈے راؤ تھا۔ ان کا تعلق قنوج دارالسلطنت سے تھا اور مہاراجہ بیکانیز کے ہاں شادی ہوئی تھی۔ جھنڈے راؤ بیکانیز میں ریاست کی فوج کے سپہ سالار تھے۔ جب مہاراجہ قنوج کا انتقال ہوا تو دو بھائیوں میں جانشینی کا معاملہ درپیش ہوا۔ جھنڈے راؤ کا چھوٹا بھائی قنوج میں ہی اپنے والد کے ساتھ رہتا تھا۔ اس نے والد کی وفات کے بعد سازش کی اور مہاراجہ قنوج بن گیا۔ جھنڈے راؤ بیکانیز سے تخت نشینی اور اپنے باپ مہاراجہ قنوج کے کریا کرم کی رسومات میں شرکت کے لیے اپنی بیوی اور دو بچوں سمیت ایک مختصر سے حفاظتی دستے کے ساتھ قنوج پہنچا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ کایا پلٹ چکی ہے۔ جھنڈے راؤ نے چھوٹے بھائی کو اپنے احساسات سے آگاہ کرنے کی بجائے خوشی اور رضامندی کا اظہار کیا۔ جھنڈے راؤ نے واپسی کی راہ لی اور خاموشی سے بیکانیز کی طرف روانہ ہوا۔ چھوٹے بھائی کو خطرہ لاحق تھا کہ جھنڈے راؤ بیکانیز پہنچ کر پلٹے گا اور قنوج پر قبضہ کرلے گا۔ اس خطرہ کے پیشِ نظر چھوٹے بھائی نے اپنے آدمی آگے بھیج دیے تاکہ کسی ویرانے میں جھنڈے راؤ کو حملہ کر کے ختم کر دیں۔ جب جھنڈے راؤ اپنے اہل وعیال اور حفاظتی دستہ کے ساتھ مہندر گڑھ سے باہر ایک خشک برساتی ندی کے میدان میں پہنچا تو مخالفین نے حملہ کر کے سب کو قتل کر دیا۔ راجپوتوں میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا بزدلی اور ایک معیوب حرکت سمجھا جاتا تھا۔ حملہ آوروں نے ڈولی میں موجود جھنڈے راؤ کی بیگم اور بچوں کو چھوڑ دیا۔

قریب ہی ایک مسلمان درویش کی جھونپڑی تھی جو یہ خون خرابہ دیکھ رہے تھے، معرکہ کے اختتام پر اس درویش نے جائے وقوعہ پر آ کر باپردہ طریقہ سے خاتون سے آگاہی حاصل کی۔ جھنڈے راؤ کی بیگم نے لاشوں میں سے اپنے شوہر کی نشاندہی کی۔ مسلمان

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

درویش نے جھنڈے راؤ کو دیکھا جو زخموں سے چور چور تھے۔ مگر سانس جاری تھا۔ یہ بزرگ جھنڈے راؤ کو اس کی بیگم کی معاونت سے اٹھا کر اپنے جھونپڑے میں لے آئے۔ مرہم پٹی اور علاج شروع ہوا جس سے جھنڈے راؤ کی جان بچی اور وہ ہوش میں آ گئے۔ یہاں سے دوسری تاریخ نے جنم لیا۔

جب مسلمان بزرگ نے جھنڈے راؤ سے اس کا نام اور مذہب پوچھا تو جھنڈے راؤ نے کہا کہ

''بابا! میں تو مر چکا تھا، تمہاری وجہ سے مجھے دوسری زندگی ملی ہے اب تو جو تمہارا مذہب ہے وہی میرا مذہب ہے اور جو تمہارا حال ہے اور رہائش ہے وہ میری جگہ اور وطن ہے۔ اب تو بس میں تمہارے پاس ہی رہوں گا۔ جہاں کا میں ہوں ان لوگوں کو اب جا کر کیا منہ دکھاؤں گا۔''

جھنڈے راؤ مشرف بہ اسلام ہو کر اس مسلمان درویش کے پاس رہنے لگے۔ رسالدار محمد حنیف خانؒ جھنڈے راؤ کی ساتویں پشت سے ہیں۔

خاندان اور قبیلہ:

آپ راجپوتوں میں قبیلہ ''راٹھوڑ'' سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام دوست محمد خاں اور والدہ ماجدہ کا نام خیر النساء تھا۔ دوست محمد خاںؒ کی اولاد میں ایک بیٹی اور چھ بیٹے تھے۔ جن میں رسالدار محمد حنیف خاںؒ سب سے بڑے تھے۔ ان سے چھوٹے محمد رفیق خاں، پھر کبیر خاں، پھر صغیر خاں، پھر نصیر احمد خاں اور پھر شبیر احمد خاں تھے۔

آپؒ کے خاندان کا تعلق فوج سے تھا۔ والد گرامی صوبیدار دوست محمد خاںؒ فوج میں ملازم تھے جو ملازمت کے آخری ایام میں اول رسالہ یعنی فرسٹ اسکنر زہارس سے تبدیل ہو کر پلٹن میں چلے گئے تھے اور صوبیدار کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ پلٹن کا صوبیدار،

رسالے کے رسالدار کے برابر ہوتا تھا۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ خود رسالدار کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آپ فرسٹ اسکنر ز ہارس رجمنٹ میں رسالدار تھے۔ محمد رفیق احمد خاںؒ سیکنڈ رائل لانسرز میں رسالدار کے عہدے پر تھے اور اسی سے ریٹائر ہوئے۔ کبیر احمد خاںؒ فوجی نوکری چھوڑ آئے اور اپنے والد گرامی کے ساتھ رہتے تھے۔ صغیر احمد خاںؒ فوج کے رسالہ فرسٹ اسکنر ز ہارس میں تھے۔ تقسیم ہند کے وقت بھی فوج میں ملازم تھے۔ یہ پاکستان آ کر رسالدار کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ نصیر احمد خاںؒ سیکنڈ رائل لانسرز میں دفعدار میجر تھے۔ تقسیم ہند کے وقت ان کا رسالہ سنگاپور میں تعینات تھا یہ بھی ہجرت کر کے پاکستان آئے اور نائب صوبیدار کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ شبیر احمد خاںؒ پولیس میں ملازم تھے۔ پاکستان ہجرت سے قبل وہ ٹریفک پولیس میں فرائض منصبی سرانجام دے رہے تھے۔

اہل وعیال:

رسالدار محمد حنیف خاںؒ راجپوتوں میں قبیلہ راٹھوڑ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں دو قسم کے لوگ تھے ایک راٹھوڑ اور دوسرے چوہان۔ راٹھوڑوں کی شادیاں چوہانوں میں چوہانوں کی شادیاں راٹھوڑوں میں ہوتی تھیں۔ آپ کی شادی اپنے محلے میں نیاز بیگم سے ہوئی۔ شادی کے وقت آپ کی عمر بیس برس کے لگ بھگ تھی۔ آپ کو اولاد کثیر عطا ہوئی۔ سب سے پہلے دو جڑواں بیٹے پیدا ہوئے جو پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئے۔ پھر تنویر احمد خاں پیدا ہوئے اور بھی کئی بیٹے پیدا ہوئے جو ایک یا دو سال کی عمر کو ہی پہنچتے، بیمار ہوتے اور فوت ہو جاتے تھے۔ آپ کے جو بیٹے اس طرح فوت ہوتے گئے ان میں دبیر احمد، عبیر احمد، تیمور احمد، محمد اسلم خاں، محمد طیب خاں اور کئی بیٹے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ ''میری اولاد اب زندہ رہے گی نہیں، جتنے پیدا ہوں گے سب ایسے ہی ہوں گے، مر

جائیں گے۔ بس میرا اور اللہ میاں کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے کہ جس چیز سے مجھے ذرا سا پیار ہو جائے اور وہ بیچ میں حائل ہو تو وہ ہٹ جاتی ہے۔ اب چونکہ یہ اولاد ہے اچھی بھی لگتی ہے تو تعلق کچھ نہ کچھ پیدا ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے جدا ہو جاتی ہے۔"

آپ کی جو اولاد بڑی ہوئی وہ پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ تنویر احمد خاں سب سے بڑے، پھر ظہیر احمد خاں، زبیر احمد خاں، مشیر احمد خاں اور عزیر احمد خاں تھے۔ بیٹی فضیلہ سب سے چھوٹی تھیں۔

والدین کا مقام و مرتبہ:

آپ کے والد گرامی صوبیدار دوست محمد خاںؒ دنیوی جاہ و حشمت کے ساتھ ساتھ دینی وجاہت میں بھی بے مثال تھے۔ انہیں سرورِ کائنات رسالت مآب ﷺ سے اویسیہ نسبت تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں ذکر اذکار تعلیم کیے تھے۔ ایک عرصہ تک آپ کے والد گرامی اصحابِ خدمت کے تقرر و تبادلوں جیسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ صوبیدار دوست محمد خاںؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور مولانا مسیح اللہ خاںؒ کو بطور مصلح منتخب کیا۔ مولانا مسیح اللہ خاں کی کتاب "شریعت و تصوف" میں دی گئی مجازین کرام کی فہرست میں صوبیدار دوست محمد خاں کا نام سب سے اوپر تحریر ہے۔ حج کے سفر میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے روحانی بیعت بھی کی۔

آپؒ کی والدہ ماجدہ بھی اعلیٰ پائے کی بزرگ ہستی تھیں۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہی تھیں کہ نماز کے دوران ہی ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ نماز سے فارغ ہوئیں تو آپؒ نے پوچھا:

"اماں! یہ آپ نماز میں کیا کر رہی تھیں؟" انہوں نے جواب کہ "بیٹا! آج جب میں نماز پڑھ رہی تھی تو مجھے خانہ کعبہ نظر نہیں آیا۔" آپ نے دریافت فرمایا کہ "اماں! آپ کو

ہر نماز میں خانہ کعبہ نظر آتا ہے؟''انہوں نے جواب دیا کہ''کیا اوروں کو نظر نہیں آتا؟''
ان کے لیے یہ عام بات تھی اور سمجھتی تھیں کہ ہر انسان کو نماز کے وقت خانہ کعبہ نظر آتا ہے۔

انصاری صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں بھی چند مرتبہ آپ کے ہاں مہندر گڑھ گیا تھا۔ آپ کے والدین دین دار اور نہایت سادہ تھے۔آپ کے والد کا یہ حال تھا کہ بینگن کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پوچھ بیٹھے کہ آج کیا پکا ہے۔کسی نے کہہ دیا کہ ارہر کی دال پکی ہے تو پکار اٹھے واہ سبحان اللہ کتنے مزے کی دال ہے۔قبلہ انصاری صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ وہ لوگ بالکل حضورﷺ کے اصحابؓ کی مانند تھے،ان کا اتنا بڑا مقام تھا لیکن ان کو اس کا احساس یہ نہیں تھا۔

گھریلو ماحول:

رسالدار محمد حنیف خانؒ کے گھر میں کبھی کوئی فضول بات نہیں ہوتی تھی۔تمام گھرانے میں کوئی بات خلافِ شرع سرزد نہیں ہوتی تھی۔گھر کے تمام افراد نمازی اور عبادت گزار تھے۔اللہ اور اس کے رسولﷺ کے ذکر کے علاوہ اس گھر میں کوئی اور ذکر نہیں ہوتا تھا۔

والد گرامی صوبیدار دوست محمد خانؒ عشاء کے وقت جلد اپنے کمرے میں چلے جاتے اور شاذ و نادر ہی کسی کو اپنے کمرے میں آنے دیتے یا خود باہر آتے۔سحر خیزی ان کا معمول تھا۔تہجد کے وقت ذکر نفی اثبات بالجہر کرتے تھے۔دور دراز مقامات پر ان کی آواز سنی جاتی تھی۔درویش منش،وسیع الظرف،نرم خو اور تحمل مزاج تھے۔

ذاتی معاملات کے علاوہ اپنے قصبے اور قبیلے میں موثر مقام کے حامل تھے۔دوسری تمام برادریوں کو اکٹھا کر کے ایک جگہ بٹھانے والے پنچائتی فرد تھے۔سارے لوگوں کا بھرم تھا کہ صوبیدار دوست محمد خانؒ جو بات کہہ دیں وہ غلط نہیں ہو سکتی۔

والدہ ماجدہ کا یہ معمول تھا کہ وہ تقریباً رات بارہ بجے تک اپنے تمام پوتوں اور بیٹوں کو اکٹھا کر کے باتیں کرتی رہتی تھیں۔ ان کی مجلس میں بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں ہی ہوتی تھیں۔ رات بارہ بجے کے بعد اٹھ کر وضو کرتیں اور نماز پڑھتیں۔ انہیں آخری پارہ تقریباً آدھا یاد تھا۔ رات کو سوتے وقت اسے پڑھتیں اور ایصالِ ثواب کر کے سوتی تھیں۔

چھوٹے بھائی رسالدار محمد رفیق خاں جلالی طبیعت کے مالک تھے، ان کے رعب اور دبدبہ سے سب گھر والے ان سے ڈرتے تھے۔ یہ غصیلے مشہور تھے، کبیر احمد خاں خوش الحان اور مزاحیہ طبیعت کے مالک تھے، یہ ہردل عزیز شخصیت اور محفل میں سب کی نظروں کا مرکز و محور ہوتے تھے۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ کو گھر میں عزت و اکرام کا مقام حاصل تھا اور سب انہیں ''بھیا جی'' کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ بہت سخت مزاج تھے۔ شاذ و نادر ہی درگزر فرماتے تھے۔ مگر آپ اپنے والد گرامی کے سامنے بالکل برعکس تھے۔ ان کا بہت ادب کرتے، ہر معاملہ میں خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ صرف جی ابا جی، جی ابا جی فرماتے اور خاموش ہو جاتے۔ کسی بھی بات پر یہ نہیں کہا کہ یہ بات یوں نہیں یوں ہے۔ اگر والد گرامی کوئی خلافِ واقعہ بات بھی کر دیتے تو آپ خاموش ہو جاتے۔ والدین کے معاملہ میں آپ درگزر اور تحمل مزاجی کی ایک عمدہ مثال تھے۔ چھوٹے بہن بھائیوں سے شفقت و الفت کے جذبات بھی خوب تھے۔ مگر خلافِ واقعہ بات سرزد ہونے پر کوئی رعایت نہیں برتتے تھے۔ آپ جہاں بھی رہے آپ کا رعب و دبدبہ ہر طرح سے قائم رہا۔ تمام اہل خانہ کے مابین تعلقات انتہائی دوستانہ انداز سے استوار تھے۔

عیال کی تعلیم و تربیت:

آپؒ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں بھی کسی قسم کی کمی نہ چھوڑی۔ بڑے بیٹے تنویر

احمد خاں تو اپنے دادا صوبیدار دوست محمد خاںؒ کے پاس ہی رہتے تھے۔ جنہوں نے حفظِ قرآن پاک کے بعد کئی عربی اور فارسی کتب کا مطالعہ کیا، صرف ونحو کا خاصا علم حاصل کیا۔ دارالعلوم دیوبند سے عالم فاضل بنے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں رشتہ ازدواج سے منسلک کر دیا گیا۔ آپ نے انہیں ملازمت کرنے کا مشورہ دیا۔ تنویر احمد خاں نے ملازمت کے لیے منشی فاضل کا امتحان دیا ہوا تھا، آپ نے دوٹوک الفاظ میں ان سے کہہ دیا کہ

''یہ مت سوچ لینا کہ میں کسی مسجد میں جا کر امامت کر لوں گا، اور دوسروں کے ٹکڑوں پر پلوں گا۔ یہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ اگر میں نے کسی مسجد میں تمہیں روٹی کھاتا ہوا دیکھ لیا تو میں وہیں آ کر تمہیں گولی مار دوں گا۔ تمہیں چاہے مزدوری کرنی پڑے، چاہے مٹی اٹھانی پڑ جائے، اس کو میں گوارا کر لوں گا لیکن میں اس قسم کی بات برداشت نہیں کروں گا۔''

آپ اپنے بڑے بیٹے حافظ تنویر احمد خاں کو فوج میں بھرتی کرانا چاہتے تھے۔ تنویر احمد خاں نے داڑھی صاف کرائی، اپنے چچا شبیر احمد خاں کے ساتھ ریکروٹمنٹ سنٹر گئے۔ ٹیکنیکل لائن میں جانا چاہتے تھے جس کی بھرتی ان دنوں عارضی طور پر بند تھی۔ واپس آ گئے، دہلی ہمدرد دواخانے میں ملازمت مل گئی جس کے بعد جنگ اخبار میں کام شروع کر دیا، پاکستان ہجرت کے وقت فسادات میں بھی صحافتی ذمہ داریوں پر بلی ماراں، جامع مسجد، لال کنواں، اور حوض قاضی جاتے رہتے تھے۔

دوسرے بیٹے ظہیر احمد خاں دہلی میں واقع الیکٹرک ٹریننگ کالج دریا گنج میں الیکٹرک کورس کر رہے تھے اور اس کالج کے ہاسٹل میں رہتے تھے۔ اس وقت ان کی شادی ہو چکی تھی اور کچھ عرصہ فوج میں بھی ملازمت کر چکے تھے۔ تیسرے بیٹے زبیر احمد خاں مہندر گڑھ

سے میٹرک پاس کرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی حافظ تنویر احمد خاں کے پاس ملازمت کی تلاش میں آئے ہوئے تھے۔ جنہوں نے انہیں بگڑتے ہوئے حالات دیکھ کر پاکستان بھیج دیا۔ چوتھے بیٹے مشیر احمد خاں دسویں جماعت اور پانچویں بیٹے عزیز احمد خاں آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے۔ آپ کی اکلوتی بیٹی فضیلہ سب سے چھوٹی تھیں۔

تعلیم اور ملازمت:

رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد فوج میں بھرتی ہونے کے لیے امتحان دیا۔ اس امتحان میں کامیاب ہو کر فوج میں بھرتی ہو گئے۔ دورانِ ملازمت تعلیم جاری رکھی۔ انگریزی کا امتحان اے گریڈ میں پاس کیا۔ فارسی، عربی کا بہت زیادہ علم رکھتے تھے۔ قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر پر خاصا عبور حاصل تھا۔ عاداتِ مطالعہ خوب تھیں۔ آپ نے فوج میں ملازمت کے دوران کئی مقامات پر قیام کیا جن میں پشاور، لنڈی کوتل، رسالپور، لکھنو، نوشہرہ اور بنوں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے اپنے مزاج کے مطابق بھرپور ملازمت کی۔ بچپن ہی سے آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو درود شریف کا ورد کرنے کی تلقین فرمائی تھی جسے آپ تسبیح پر پڑھا کرتے تھے۔ دورانِ ملازمت ڈیوٹی کے دوران بھی جیب میں تسبیح رکھتے اور گھڑسواری کے دوران بھی اس پر ورد کرتے رہتے۔ افسران نے اعتراض کیا تو نوکری چھوڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ قابلیت کے پیشِ نظر انگریز افسروں نے انہیں تسبیح چلاتے رہنے کی اجازت دی۔

قبلہ انصاریؒ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے کئی مرتبہ پوچھا کہ آپ کون سا درود پڑھتے ہیں؟ لیکن انہوں نے بتایا نہیں۔ پس یہی کہتے، چھوٹا سا ہے، اتنا سا ہے۔

دوسری جنگِ عظیم سے پہلے ہی آپ ریٹائر ہو کر گھر آ چکے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں جب ہندوستان سے فوجی دستے محاذِ جنگ پر گئے تو آپ اس موقع پر گھر پر تھے۔ آپ اسٹیٹ کے رہائشی تھے اس دور میں یہ اصول تھا کہ گورنمنٹ کی طرف سے پنشن لینے کے لیے

اسٹیٹ سے باہر گورنمنٹ کے علاقے میں جانا پڑتا تھا۔ کسی بھی اسٹیٹ کو گورنمنٹ کی طرف سے پنشن جاری نہیں ہوتی تھی۔ پٹیالہ اسٹیٹ کے قریب ترین گورنمنٹ کا علاقہ ''ریواڑی'' تھا۔ سب ریٹائرڈ ملازمین یہاں پنشن کے لیے جاتے تھے۔

سیاسی زندگی:

مہندر گڑھ کا نام ''کانوڈ'' تھا جو کہ نواب جھجر کا دارالخلافہ تھا۔ ریواڑی، ہانسی، حصار، سرسہ، کرنال، روہتک، کلانور، الور اور گڑگانوہ جیند کے علاقے نواب جھجر کی ریاست میں شامل تھے۔ دارالخلافہ میں نواب جھجر کا بہت بڑا قلعہ تھا۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے موقع پر انگریز جب مقابلہ پر آئے تو انہیں یہاں سے منہ کی کھانی پڑی۔ انگریز نے منافقت سے کام لیتے ہوئے ان سے وعدہ کیا کہ وہ گفت وشنید کے لیے باہر آ جائیں۔ مذاکرات کے بعد یہ ریاست حصے بخرے کر کے غداروں میں تقسیم کر دی گئی۔ ریاست پٹیالہ میں مہندر گڑھ ضلع نارنول موجودہ راجپوتانہ کے علاقے آ گئے۔ یہ سکھوں کی ریاست تھی۔

مہندر گڑھ میں کوئی سیاسی جماعت نہیں تھی۔ ۱۹۴۶ء میں آپؒ نے اس علاقے میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی جس میں آپ صدر، جنرل سیکرٹری مرزا عبدالسلام بیگ، خزانچی شمس الدین صندل اور دیگر کئی عہدیداران مقرر کیے۔ مسلم لیگ کا قیام ہندوؤں سے برداشت نہ ہوا۔ پرسکون سیاسی فضا میں تحریک پیدا ہوئی اور ہندوؤں نے ردِعمل کے طور پر کانگریس کی بنیاد ڈالی۔ مسلم لیگ قائم کر کے رسالدار محمد حنیف خانؒ ہندوؤں کے سب سے بڑے دشمن بن گئے۔ آپ ہندوؤں کی دشمنی کو خاطر میں نہ لائے اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔

کسبِ فیض:

آپ کے گھرانہ کا ماحول ہر طرح سے مذہبی اقدار کا امین تھا۔ خاندانی اور گھریلو

ماحول کا آپ کی شخصیت میں واضح عکس موجود تھا۔ آپ نے کچھ عرصہ تک حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی قلمی تعلق خط و کتابت کے ذریعے رکھا۔ مگر آپؒ کو روحانی فیض سیالکوٹ کے بزرگ امام علی الحقؒ سے بطریق اویسیہ ملا۔

ملازمت کے دوران رسالدار محمد حنیف خاںؒ کا تبادلہ سیالکوٹ چھاؤنی میں ہو گیا۔ دوسرے دوست احباب تو شام کے بعد بازار کی سیر کو نکل جاتے لیکن آپ حضرت امام علی الحقؒ کی مسجد میں چلے جاتے۔ وہاں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد امام صاحبؒ کے مزار کے نزدیک بیٹھ کر درود شریف اور دوسرے مسنون وظائف پڑھتے رہتے۔ آپؒ فرماتے تھے کہ

''ایک دن میں حسب معمول اندھیری جگہ میں بیٹھا آنکھیں بند کیے وظیفے میں مشغول تھا جب آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھا کہ میرے سامنے ایک بزرگ کھڑے ہیں، میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ڈرو نہیں تم تو بڑے اچھے ہو۔ مجھے نہیں جانتے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں جانتا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں علی الحق ہوں اور ادھر ہی رہتا ہوں انہوں نے مجھے پکڑ کر سینے سے لگا کر میرا کام کر دیا۔''

داستانِ شہادت:

۱۹۴۷ء کے فسادات جاری تھے۔ پاکستان کی طرف ہجرت ہو رہی تھی۔ حالات روز بروز ابتر ہوتے جا رہے تھے۔ رسالدار صغیر احمد خاں فوج کے رسالہ فرسٹ اسکوز ہارس میں ملازمت پر موجود تھے۔ مہندر گڑھ جانے والی ریل گاڑی میں مسلمانوں کا سفر بند ہو گیا تھا۔ رسالدار صغیر احمد خاں فوجی گاڑی پر، چند فوجی جوانوں کے ساتھ، اپنے خاندان کے افراد کو لینے مہندر گڑھ آ گئے۔ جب انہوں نے رسالدار محمد حنیف خاںؒ سے اصرار کیا تو انہوں نے بڑی شدت سے زور دے کر کہا کہ

''صغیر! میں اور میری اولاد، بیوی بچے اسی جگہ شہید ہوں گے۔ تقدیر کوئی نہیں بدل سکتا۔ یہ بات مقدر ہو چکی ہے۔ تم جاؤ اور وقت مت ضائع کرو۔''

آپ کے والد نے بھی یہ فرمایا کہ

''میں اپنے بزرگوں کی ہڈیاں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔''

دونوں بھائیوں رسالدار رفیق احمد خاں اور کبیر احمد خاں نے بھی یہی جواب دیا کہ

''جب بڑے نہیں جا رہے تو ہم کیسے جا سکتے ہیں۔''

غرض مہندر گڑھ سے کوئی بھی رسالدار صغیر احمد خاں کے ساتھ جانے کو تیار نہ ہوا۔

رسالدار محمد حنیف خاںؒ مہندر گڑھ میں مسلم لیگ قائم کر کے ہندوؤں کے سب سے بڑے دشمن بن گئے تھے۔ آپ کا محلّہ ''محلّہ راٹھوڑاں'' فوجیوں کا محلّہ تھا۔ اس محلے میں اکثر لوگ فوج سے متعلق تھے۔ جب شہر میں فسادات ہوئے تو فوج، پولیس ہندوؤں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھی۔ اس محلے کا محاصرہ ہو چکا تھا۔ مورچہ بند لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ شہر کی دوسری مسلمان آبادی بھی اپنے گھر بار چھوڑ کر اس محلے میں پناہ گزین تھی۔ مہاجر کیمپ کا پورا پورا منظر بن چکا تھا۔ محلے والوں کے پاس مقابلے کے لیے دیگر ہتھیاروں کے علاوہ ایک توپ بھی تھی۔ ہندوؤں اور سکھوں کا مقصد لڑ کر جان دینا نہ تھا۔ بلکہ وہ لوٹ مار کے ارادے سے حملہ آور تھے۔ وہ مقابلے سے دوڑ جاتے اور دوبارہ حملہ آور ہوتے تھے۔ شہر کی مسلمان آبادی کے اکٹھا ہو جانے کی وجہ سے محلے داروں پر ذمہ داری بہت زیادہ تھی۔ ان کی حفاظت کرنا، خوراک بہم پہنچانا اور صفائی کا خیال رکھنا۔ یہ بڑے مسائل تھے۔ اکثر آپ کے بھائی کبیر احمد خاں اپنے ساتھ چند لڑکوں کو لے کر ہندوؤں کی دکانوں پر جاتے انہیں توڑ کر وہاں سے راشن کی بوریاں لاتے جن سے خوراک کا مسئلہ حل ہوتا تھا۔ اسی دوران سکھوں اور ہندوؤں سے مذاکرات شروع ہو گئے جو یہ کہہ رہے تھے کہ

''آپ خودکوسرنڈر کر کے ہتھیار ہمارے حوالے کر دیں ہم سب کو بحفاظت پاکستان پہنچادیں گے۔''

لیفٹیننٹ احمد علی خاں ریٹائرڈ تھے اور شہر کے اعزازی مجسٹریٹ بھی تھے انہوں نے سکھوں اور ہندوؤں کی یہ شرائط مان لیں اور معاہدہ کر لیا۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے برملا کہا کہ ''جب ہتھیار دے کر ان کے سامنے آ جائیں گے تو پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ہمیں پاکستان حفاظت سے بھیج دیں گے۔''

جس پر یہ بتایا گیا کہ انہوں نے قسمیں کھائی ہیں یعنی سکھوں نے گرنتھ اٹھایا ہے۔ اس لیے یہ معاہدہ ہو گیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ

''میں تقدیر نہیں بدل سکتا۔ اب جب سب کو شہید ہونا ہی لکھا ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گا۔''

سب باہر آ گئے۔ ہتھیار دے دیے گئے۔ انہوں نے مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے سب کو اسٹیشن کی طرف روانہ کر دیا۔ اس قافلے کی کمان رسالدار محمد حنیف خاںؒ کر رہے تھے۔ اس مصیبت کے عالم میں مسلسل بارش بھی ہو رہی تھی۔ سب اسی حال میں اسٹیشن پر پہنچے۔ پاکستان لے جانے کے لیے اسپیشل ریل گاڑی کا انتظار ہونے لگا۔ بھوک وافلاس میں یہ قافلہ ریلوے اسٹیشن پر پڑا رہا۔ رات بارہ بجے گاڑی آئی جس میں آدھے لوگ سوار ہو گئے۔ ان سوار ہونے والوں کو خاص طور پر ایک الگ ڈبہ دیا گیا۔ آپ کے والد گرامی صوبیدار دوست محمد خاںؒ اور بھائی رسالدار رفیق احمد خاں پیچھے بچ جانے والے آدھے لوگوں میں رہے۔

ریل گاڑی چل پڑی، چار میل کے فاصلے پر اگلا اسٹیشن ''ستنالی'' کا تھا۔ اس اسٹیشن پر گاڑی ایک سازش کے تحت رک گئی۔ یہاں پہلے سے بلوائی اور سکھ موجود تھے۔ ایک آواز آئی۔

''رسالدار محمد حنیف خاں''

آپ نے اپنا آدھا جسم دروازے سے باہر نکالا اور جواب دیا۔

''کیا بات ہے؟''

آپ نے جیسے ہی جسم دروازے سے باہر نکالا۔ ایک سنسناتی ہوئی گولی آئی اور سینے سے آر پار ہوگئی۔ آپ زخمی حالت میں نیچے زمین پر گر گئے۔ آپ پر کلہاڑیوں اور برچھیوں کے وار شروع ہو گئے اور آپؒ نے اسی حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک پینسٹھ سال تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خاندان کی شہادت:

۱۹۴۷ء کے ان فسادات میں آپؒ کے ساتھ آپ کے والد ماجد صوبیدار دوست محمد خاں، والدہ ماجدہ خیر النساء، بیوی نیاز بیگم، دو بھائی رسالدار رفیق احمد خاں اور کبیر احمد خاں، دو بیٹے مشیر احمد خاں اور عزیز احمد خاں، کے علاوہ بھابھیاں، سالیاں اور ان کی اولاد سمیت ۱۴۰ افراد شہید ہوئے۔

بیوی اور دونوں بیٹے اس وقت شہید ہوئے جب آپ گولی سے زخمی ہو کر گر چکے تھے اور آپ پر کلہاڑیوں اور برچھیوں کے وار ہو رہے تھے۔ بیوی اور دونوں بیٹے آپ پر آ گرے اور آپ کے ساتھ ہی شہید ہو گئے۔ بھائی کبیر احمد خاں نے مقابلہ کیا، مردانہ وار لڑے مگر آخر میں کلمہ کا ورد کرتے ہوئے ابدی زندگی پا گئے۔

والد، والدہ اور بھائی رفیق احمد خاں پیچھے رہ جانے والوں میں تھے۔ یہ حضرات دیگر اہل خانہ کے ہمراہ ریل گاڑی کے انتظار میں تھے جو دن بارہ بجے پہنچی۔ اس ریل گاڑی کی آمد کے ساتھ ہی بلوائی اور فوج نے حملہ کر دیا۔ اس حملے میں اس قافلے کے باقی حضرات نے بھی شہادت کا اعلیٰ مرتبہ پایا۔

بقیہ خاندان کی ہجرتِ پاکستان:

رسالدار محمد حنیف خاںؒ کے صاحبزادے زبیر احمد خاں آپؒ کی بہن کے ساتھ سرکاری ملازمین کو پاکستان لے کر جانے والی پہلی سپیشل ریل گاڑی کے ذریعے پاکستان آ گئے تھے۔ یہ پہلی سپیشل ریل گاڑی محفوظ طریقے سے پوری عزت و اکرام کے ساتھ پاکستان پہنچی۔ ہر اسٹیشن پر رکتی ہوئی آئی۔ مقامی مسلمان آبادکاروں نے اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ کھانے اور مشروبات سے تواضع کی گئی۔ اس کے بعد پھر کوئی ریل گاڑی سلامت نہ آئی۔

آپ کے بھائی شبیر احمد خاں، آپ کے دو صاحبزادوں حافظ تنویر احمد خاں، ظہیر احمد خاں اور دیگر اہل خانہ کے ہمراہ انتہائی کٹھن حالات سے گزرتے ہوئے پاکستان ہجرت کر آئے۔ آپ کے بھائی نائب صوبیدار نصیر احمد خاں اپنے رسالہ کے ساتھ سنگاپور میں تھے وہاں سے واپس آ کر پاکستان ہجرت کر آئے۔ اسی طرح رسالدار صغیر احمد خاں نے بھی پاکستان ہجرت کی۔

آپ کی معصوم صاحبزادی فضیلہ، آپ کی شہادت کے وقت آپ کے اوپر گری لاشوں میں زخمی ہو کر پڑی رہی۔ ان کے سر میں برچھی لگی ہوئی تھی۔ دن کے وقت ایک راجپوت ہندو نے اسے زخمی حالت میں دیکھ کر اٹھا لیا۔ اپنے گھر لے آیا مرہم پٹی کی۔ زخم کچھ ٹھیک ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ کس کی بیٹی ہے، وہاں سے اس نے جے پور آ کر ریل گاڑی کے بچے کھچے لوگوں کے ساتھ انہیں بھیج دیا۔ ان لوگوں میں آپؒ کے کچھ عزیز بھی تھے جو انہیں کھوکھراپار کے راستے سے پاکستان لے آئے اور دوسرے ورثاء کے حوالے کر دیا۔

پاکستان میں خاندان:

دیگر اہلِ خانہ کے ہمراہ آپ کے خاندان کے جن افراد نے پاکستان ہجرت کی ان میں

آپ کے تین بھائی رسالدار صغیر احمد خاں، میجر نصیر احمد خاں اور شبیر احمد خاں، ایک بہن، تین بیٹے حافظ تنویر احمد خاں، ظہیر احمد خاں اور زبیر احمد خاں اور ایک بیٹی فضیلہ شامل تھے۔

آپ کے بھائی نصیر احمد خاں ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ میں مقیم تھے۔ یہاں ستانوے (۹۷) سال کی عمر میں وفات پائی۔ بقیہ خاندان اب بھی یہیں آباد ہے۔ دوسرے بھائی صغیر احمد خاں کا خاندان اسلام آباد میں آباد ہوا۔ تیسرے بھائی شبیر احمد خاں کا خاندان اسلام آباد اور حیدرآباد میں آباد ہے۔ آپ کی بہن کا خاندان اسلام آباد میں ہی ہے۔

آپ کے بیٹے تنویر احمد خاں نے پاکستان آ کر بنوں میں انگلش آنریری میں میٹرک کیا پھر ایف اے کر کے ہومیو پیتھک ڈاکٹر بنے۔ بعدازاں شادی کی اور مستقل طور پر حیدرآباد میں قیام پذیر ہوئے۔ ڈاکٹر حافظ تنویر احمد خاں دینی حلقوں میں بالخصوص تصوف میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے ظہیر احمد خاں نے پاکستان سے برطانیہ ہجرت کی اور وہاں قیام پذیر ہیں۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے زبیر احمد خاں نے حیدرآباد میں ملازمت کی۔ ملازمت کے دوران ہی ایک ٹریفک حادثے میں ایک ہاتھ سے مستقل طور پر معذور ہو گئے۔ یادداشت بھی ختم ہو گئی۔ بہت عرصہ بعد ٹھیک تو ہو گئے مگر بھولنے کا مرض مستقل لاحق رہا۔ زبیر احمد خاں سرگودھا میں آباد ہو گئے۔ آپؒ کی صاحبزادی فضیلہ کی شادی اپنے پھوپھی زاد سے ہوئی اور وہ اسلام آباد میں آباد ہیں۔

عمومی مزاج و عادات:

رسالدار محمد حنیف خاںؒ دنیوی مال و مرتبہ سے مالا مال اور اس معاملے میں کچھ سخت گیر طبیعت کے مالک تھے۔ بہت اچھے مقرر تھے۔ عربی، فارسی کا اچھا خاصا علم رکھتے تھے، اپنی دلچسپی اور شوق سے ہی عربی اور فارسی سیکھی۔ قرآن و حدیث، فقہ و شرع کے

امور میں ان کے سامنے کوئی غلط بات نہیں چل سکتی تھی۔فوج میں ملازمت کے دوران ہی بہت بڑے بزرگ مانے جاتے تھے۔گرانقدر عالم، فاضل،صوفی اور اہل طریقت ان کے پاس دور دراز سے آتے اور شاگردوں کی طرح پڑے رہتے۔ جہاں بھی رہے آپؒ کی کرامات اور اثر دیکھ کر لوگ آپ کے پاس دعاؤں کے لیے اپنی فریادیں لے آتے تھے۔آپؒ بڑے صاف گو تھے۔جس کا کام ہونا ہوتا اسے بھی بتا دیتے اور جس کا کام نہیں ہوتا تھا اسے بھی صاف صاف بتا دیتے تھے۔ دعاؤں کا انداز بھی ایسا ہی تھا۔ جا ہو گیا۔ کام ہو جاتے اور یہی دعا تھی۔تعویذ بھی اسی طرح کے دے دیتے تھے جن پر حکم اپنی طرف سے جاری کیا ہوتا تھا۔زیادہ تر کام ایسے زبان سے حکم کرنے میں ہی ہو جاتے۔ بہت سخت مزاج کے تھے بہت ساروں کو دھکے بھی دیتے، نکال بھی دیتے، تھپڑ تک مار دینے کے واقعات ہیں مگر دنیا تھی کہ انہیں چھوڑتی ہی نہ تھی۔زبان و بیاں میں مجاہدے، علم اور معرفت کا عکس واضح جھلکتا تھا۔ بات کرنا شروع کرتے تو تین تین، چار چار گھنٹے تک خطاب کر سکتے تھے۔آپ کی محافل رات بارہ ایک بجے تک جاری رہتی تھیں۔آپ سے ملاقات کے وقت بات چیت میں اگلے لمحے کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔اگر کسی سے کوئی چھوٹی بات ہو جاتی تو شعلے کی مانند بھڑک اٹھتے۔خوشگوار ماحول میں بھی بعض دفعہ ایک دم دوسرے کی طبیعت صاف کر کے رکھ دیتے۔آپ کہا کرتے تھے کہ

''اسلام بہادروں کا مذہب ہے، راجپوتی اگر ہمارے اندر ہے تو یہ اسلام کی ایک صفت ہے۔''

خلافِ واقعہ باتوں کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔

چند واقعات:

حضرت رسالدار محمد حنیف خانؒ کی بزرگی کو زبان و بیان اور احاطہ تحریر میں لانا ناممکن

ہے۔ آپؒ جب زندہ تھے تو اس وقت بھی کمال کی کرامات کے واقعات ہر لحہ ہوتے رہتے تھے۔ مادی حدود و قیود ان کے سامنے کوئی حیثیت اور مقام نہیں رکھتی تھیں۔ زندگی تو جو تھی سو تھی، آپؒ کی شہادت کے بعد سے تا حال واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ آپؒ تشریف لاتے ہیں، مدد کرتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ آپ کی زندگی اور شہادت کے بعد والے کچھ واقعات درج ہیں۔

ایک مرتبہ آپؒ سے ایک مردہ بھی زندہ ہو گیا جس کا واقعہ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اس طرح بیان کیا۔

''وہاں دہلی ہی میں ان کا ایک معتقد تھا، وہ اچانک بیمار ہوا، اطلاع ملی کہ وہ مر گیا ہے۔ یہ سن کر آپ اٹھے اور مجھے کہا کہ چلو بھائی جان پنڈت جی کے گھر چلیں۔ وہاں پہنچے تو ماتم بپا تھا۔ آپؒ نے سر پر کپڑا اوڑھ کر ایک گھونگھٹ سا نکال لیا اور عورتوں کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے پنڈت کی چارپائی تک پہنچ گئے اور اس پر پڑی چادر اوپر اٹھا کر پنڈت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور زور سے بولے کہ سب چپ ہو جاؤ۔ پنڈت جی تو زندہ ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ رسالدار صاحب پنڈت جی کو تکر گئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پنڈت جی نے آنکھیں کھول دیں۔ جب اسے رسالدار صاحب نظر آئے تو اٹھا اور ادب سے دونوں ہاتھ جوڑ کر دو زانو بیٹھ گیا۔ رسالدار صاحب نے فرمایا کہ پنڈت جی آپ بغیر بتائے ہی کہاں چل دیے تھے۔''

آپ کے تعویذ بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اگر کوئی عورت دردزہ کی وجہ سے تکلیف میں ہوتی تو آپ ہنڈیا کا ڈھکنا لے کر اس پر عبارت لکھتے اور ہدایت دیتے کہ عورت کے سر پر اسے لٹا کر کے رکھ دو۔ اس کے رکھتے ہی بچہ پیدا ہو جاتا۔ آپ اس پر لکھتے تھے ''الٹی چپنی سر پہ دھری نکل پڑا یا نکل پڑی۔''

اسی طرح آپ کا ایک ہندو پنڈت بڑا معتقد تھا وہ جتنی دیر بھی آپ کی محفل میں رہتا

ہاتھ جوڑ کر بیٹھتا۔ ایک مرتبہ چھٹی گئے تو پنڈت نے بتایا کہ اس کی پتنی بیمار ہے اور وہ ہر قسم کا علاج کرا چکا ہے۔ لیکن اس کا خون بند نہیں ہوتا اس پر آپ نے اسے ایک تعویذ لکھ کر دیا اور کہا کہ اسے اپنی بیوی کی کمر کے ساتھ باندھ دو۔ رسالدار صاحب جب اگلی مرتبہ چھٹی پر گئے تو پنڈت جی ملنے کے لیے حاضر ہوئے۔ رسالدار صاحب نے اس کے اہل و عیال کی خیریت دریافت کی تو پنڈت جی نے کہا کہ گھر میں ایک پریشانی ہے۔ میری بیوی کے ہاں بچہ ہونے والا ہے لیکن پیدائش کا وقت پورا ہو جانے کے باوجود کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔ ویدوں اور ڈاکٹروں کو بھی دکھایا ہے۔ لیکن انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ رسالدار صاحب نے پوچھا کہ گذشتہ سال جو میں نے تعویذ دیا تھا وہ کہاں ہے۔ پنڈت جی نے کہا وہ تو میری پتنی کی کمر کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ آپ نے اسے کہا کہ فوراً جاؤ اور وہ تعویذ کھول کر میرے پاس لے آؤ۔ پنڈت جی تعویذ لے کر ابھی واپس آئے ہی تھے کہ ان کے گھر سے مبارک کا پیغام آ گیا کہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ رسالدار صاحب نے پنڈت جی کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری کھوپڑی کام نہیں کرتی کہ تعویذ خون روکنے کے لیے باندھا تھا۔ اگر خون جاری نہ ہو تو بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ اگر یہ تعویذ بندھا رہتا تو بچہ بھی باہر آنے کا نہیں تھا۔ رسالدار صاحب کے بڑے صاحبزادے حافظ تنویر احمد صاحب نے سوچا کہ یہ ہندو تو کافر اور نجس ہے اس کو اللہ کے نام والا یا قرآنی آیت والا تعویذ ہرگز نہیں دیا جانا چاہیے تھا۔ یہ اعتراض کرنے کی غرض سے انہوں نے کہا کہ ابا جی میں یہ تعویذ کھول کر دیکھ لوں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں دیکھ لو۔ حافظ صاحب نے کھول کر دیکھا تو اس پر صرف یہ لکھا تھا "اے او خون بند ہو جا" یہ پڑھ کر حافظ صاحب خاموش ہو کر رہ گئے۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران رسالدار صاحب تو ریٹائر ہو کر گھر آ چکے تھے لیکن ان کے چھوٹے بھائی صغیر صاحب فوج میں تھے۔ شمالی افریقہ کے محاذ پر ایک مرتبہ جرمنوں نے انہیں کئی ساتھیوں سمیت قیدی بنا لیا اور وہاں فیلڈ میں ہی خاردار تاروں کی جیل میں

بند کر دیا۔ انہوں نے اس قید سے فریاد کی کہ بھائی جان اگر آپ مجھے اس مصیبت سے آج رہائی دلوا دیں تو آپ کی بزرگی کو مان جاؤں گا۔ تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ رسالدار صاحب جرمن افسر کی وردی پہنے خاردار تاروں کے پاس سے گذر رہے ہیں۔ صغیر صاحب نے انہیں آواز دی تو انہوں نے چپ رہنے کا اشارہ کیا وہ آگے جرمن فوجیوں کے پاس چلے گئے تو جرمنوں نے انہیں سلام کیا اور پھر بات چیت ہوئی چند سپاہی رسالدار صاحب کے ساتھ آئے اور تمام قیدیوں کو باہر نکال کر کھڑا کر دیا۔ رسالدار صاحب ہمیں مارچ کراتے ہوئے ان سے دور ہندوستانی افواج کی طرف لے گئے۔ پھر صغیر صاحب کو فرمایا کہ لو اب اپنے آدمی سنبھال لو وہ سامنے تمہارے مورچے ہیں۔ یہ میدانِ جنگ ہے یہاں آنکھیں کھول کر رہنا چاہیے میں بار بار تمہارے لیے ہندوستان سے نہیں آ سکتا۔ یہ ساری باتیں رسالدار صاحب خود کسی کو نہیں بتاتے تھے بلکہ جب صغیر صاحب کے خطوط آتے تو ان میں اس قسم کے واقعات لکھے ہوتے۔

ایک مرتبہ وہ محاذ پر صحرائی علاقہ میں موٹر سائیکل پر کسی کام کو نکلے تو واپسی کا راستہ نہ ڈھونڈ پائے۔ بے نام ونشان صحرائی راستے تھے وہ جس راہ پر جاتے آگے دشمن کے مورچے آ جاتے۔ جب تنگ آ گئے تو پھر رسالدار صاحب کو یاد کیا۔ آپ موٹر سائیکل پر جا رہے تھے تو دیکھا کہ رسالدار صاحب راستے میں کھڑے ہیں وہ صغیر صاحب کے پیچھے بیٹھ گئے اور راستہ بتاتے گئے جب ان کا کیمپ نزدیک آ گیا تو اتر کر غائب ہو گئے۔

آپ کے پاس کوئی حاجت مند دوست دعا کے لیے آتا تو آپ فرماتے کہ اگر کام ہو گیا تو ''چائے تیار'' پلاؤ گے وہ کہتا کہ ہاں جی ضرور پلاؤں گا تو فرماتے کہ آپ کو پتہ بھی ہے کہ چائے تیار کیا ہوتی ہے بس یونہی کہہ دیا کہ پلاؤں گا۔ پھر بتاتے کہ چائے تیار یہ ہے کہ ہر قسم کا سالن بنے گا' ہر قسم کے چاول تیار ہوں گے' موسم کے سارے پھل ہوں گے' ہر قسم کی مٹھائی حاضر ہوگی اور ساتھ چائے ہوگی۔ یہ ہوتی ہے چائے تیار۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ پشاور میں ایک فوجی مشق ہو رہی تھی۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ اور رسالدار صغیر احمد خاں جو اس وقت دفعہ دار یا نائب دفعہ دار تھے، بھی وہاں پشاور میں تعینات تھے۔ کیوں کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور فوجی مشقیں بہت سخت تھیں اس لیے انگریزوں نے فتویٰ لیا تھا کہ کوئی مسلمان فوجی روزہ نہ رکھے۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے اپنے اردلی سے چائے بنوائی اور ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ صغیر احمد خاں آ جائیں تو اچھا ہے انہیں میں چائے پلا دوں۔ اتنی دیر میں صغیر احمد خاں آ گئے۔

رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے فرمایا کہ اچھا ہوا تم آ گئے۔ یہ چائے بنوائی ہے آؤ تم بھی پی لو۔ وہ چائے پی رہے تھے کہ اس دوران صغیر احمد خاں نے کہا کہ بھائی صاحب آج تو میں تھک گیا۔ صغیر احمد خاں تو امتیازی سلوک اور ہمدردی کی امید کر رہے تھے مگر ان الفاظ کا سننا تھا کہ رسالدار محمد حنیف خاںؒ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور بڑی سخت آواز میں فرمایا کہ صغیر! اگر تو مر جاتا تو یہ اس سے بہتر تھا کہ میں تجھ سے یہ سنتا ''میں تھک گیا''، تھکنا بھی کوئی چیز ہے مزید فرمایا کہ تم تو روزے سے بھی نہیں ہو اور میں روزے سے ہوتے ہوئے بھی نہیں تھکا۔

رسالدار صغیر احمد خاں نے ایک مرتبہ اپنا ایک واقعہ سنایا کہ رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے مجھے نصیحت کی ہوئی تھی کہ جھوٹ کبھی مت بولنا۔ جو بات ہو حسبِ واقعہ کہہ دیا کرو۔ میں اس سے ناراض نہیں ہوں گا۔ رسالدار صغیر احمد خاں کہتے ہیں کہ مجھے گانا سننے کا بڑا شوق تھا اور میں طوائفوں میں راگ اور گانا سننے جایا کرتا تھا۔ بھیا جی کو یہ بات معلوم تھی کہ میں کہاں جاتا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ رات کو کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا کہ طوائفوں میں جاتا ہوں، کیوں؟ گانے سننے کا شوق ہے، اچھا! اگر تمہارے گانے کا ہم یہیں بندوبست کر دیں تو؟ میں نے کہا: ہاں کر دیجیے۔ یہاں کر دیجیے یا کہیں اور کر دیجیے۔ بات یہاں ختم ہو گئی۔ یہ واقعہ دل کشا چھاؤنی لکھنؤ کا تھا۔

دوسرے یا تیسرے دن لکھنؤ کے بہت بڑے گویوں کے استاد کسی معاملہ میں بھیا جی (رسالدار محمد حنیف خاںؒ) کے پاس آئے کہ میرا یہ معاملہ ہے اسے حل کر دیجیے۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا معاملہ بہت سخت ہے۔ یہ فوری حل نہیں ہوسکتا۔ اس میں کچھ وقت لگے گا۔ لیکن تم ایک کام کرو۔ یہ ہمارا بھائی ہے۔ اس کو گانا سننے کا بڑا شوق ہے۔ اس نے کہا اجی گانا، کس کا گانا، کیسا گانا، اس نے لکھنؤ کا سارا محفل خانہ وہاں جمع کر دیا۔ اب رات بھر ان کی مجلس لگ رہی ہے اور گانے ہو رہے ہیں۔ تین ماہ بعد رسالدار صغیر احمد خاں نے کہا کہ میرا جی بھر گیا ہے۔ اب مجھے کوئی گانا نہیں سننا۔ رسالدار محمد حنیف خاں e نے کہا: بس! اور سوچ لو۔ اور گویے سے کہا کہ تیرا جو کام تھا وہ ہو گیا، بھاگ جا یہاں سے۔ اس تدبیر سے رسالدار صغیر احمد خاں کا علاج ہوا۔

رسالدار محمد حنیف خاںؒ پریشانی کے وقت آتے تھے، کام کر کے چلے جاتے تھے۔ دوسری جنگِ عظیم میں آپ کے بھائی اور ان کے رسالے کے لوگ کئی جگہ گھر گئے۔ راستہ مسدود ہو گیا۔ دشمن نے گھیراؤ کیا ہوا تھا۔ ادھر ادھر کہیں نہیں نکل سکتے تھے۔ ایسے میں آپ پہنچ گئے اور کہا کہ کیا بات ہے پریشانی کی۔ آؤ میرے ساتھ اِدھر سے نکلو۔ ادھر سے نکال کر فرمایا کہ وہ دیکھو سامنے تمہارا کیمپ ہے، پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسالدار محمد حنیف خاںؒ غائب تھے۔

دہلی کے پنجابی سوداگران میں سے ایک رئیس کا لڑکا گم ہو گیا۔ بہت پریشان تھے، دو دن کے بعد کہیں ان کو رسالدار محمد حنیف خاںؒ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ دہلی آئے ہوئے ہیں اور بہت بڑے بزرگ ہیں ان کے پاس جانے سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔ وہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی رہائش گاہ پر آ گئے اور آپؒ کے بارے میں دریافت کیا۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے بتایا کہ وہ یہاں پر ہی ہیں مگر تم شام کو آنا مٹھائی لے کر۔ وہ تو پہلے ہی سوداگر تھے ان کے لیے مٹھائی کون سا مسئلہ تھا۔ شام کو آئے تو بہت ساری مٹھائی لے

کر۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ گرمیوں کی ان شاموں میں باہر بیٹھتے تھے۔ جب مٹھائی دیکھی تو ناراضگی کا اظہار کیا۔ یہ اتنی مٹھائی کیوں لائے ہو کس نے کہا تم سے۔ بہت غلط بات ہے۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا: اجی اب تو یہ لے آئے اب براہِ کرم دعا فرما دیں۔ فرمانے لگے کیا بات ہے۔ سوداگر نے لڑکے کی گمشدگی کا حال بیان کر دیا۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ فرمانے لگے کہ اچھا جاؤ تمہارا لڑکا ٹھیک ہے پرسوں اس کی اطلاع تمہارے پاس آ جائے گی۔ اور اس سے اگلے دن وہ خود بھی آ جائے گا۔ وہ سوداگر چلے گئے۔ دو دن کے بعد بمبئی سے فون پر اطلاع ملی کہ لڑکا ان کے پاس پہنچ چکا ہے اور ان کے ساتھ ہے۔ اسے روانہ کر رہے ہیں کل پہنچ جائے گا۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرماتے ہیں کہ ''رسالدار محمد حنیف خاںؒ شہادت کے بعد مجھے روحانی طور پر ملے تو معلوم ہوا ہے کہ آپؒ اللہ میاں کے پاس پہنچ گئے۔ میں ہجرت کے بعد شروع میں اپنے خاندان کے ساتھ کراچی میں مقیم تھا وہ مجھے جب بھی ملتے یہی فرماتے کہ بنوں آ جاؤ۔ اگر آرام سے رہنا ہے تو بنوں آ جاؤ۔ آخر ان کی محبت ہمیں بنوں لے گئی۔ وہ جس مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھا کرتے تھے اور ایک خاص جگہ پر بیٹھا کرتے تھے وہ مجھے معلوم ہے میں وہاں جایا کرتا تھا اور مجھے بڑا پریم ملتا تھا۔ کئی مرتبہ ملے تو دور ہی سے ہاتھ ہلا کر اور یہ کہہ کر چلے جاتے کہ بھائی جان کام بہت ہے۔ میں نے ایک مرتبہ پوچھ ہی لیا کہ بھائی جان وہاں بھلا کیا کام ہوتا ہے انہوں نے فرمایا اللہ اپنے کام کرنے والے بندوں کو وہاں بھی بے کار نہیں بیٹھنے دیتے۔ وہاں جنت کے ایک حصے پر میری یہ ڈیوٹی ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو جس چیز کی بھی خواہش ہو وہ فوراً انہیں ملنی چاہیے۔ ایک مرتبہ ایسے دکھائی دیئے جیسے ابھی ابھی پانی سے باہر نکلے ہیں۔ میں نے پوچھا تو فرمانے لگے سمندر میں ایک جہاز طوفان میں گھر کر الٹنے والا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اسے سیدھا کر دو۔ میں اسے سیدھا کر کے آ رہا ہوں۔ اب بھی آپ حلقہ کے کئی بھائیوں سے

ملتے ہیں ابھی حال ہی میں گروپ کیپٹین نور محمد صاحب کی بیگم جب وہ لیبیا جا رہی تھیں تو راستے میں ایک ائر پورٹ پر ملے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ائر پورٹ والے مجھے مطلوبہ جہاز پر جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ میرے پاس ایک آفیسر آئے اور مجھ سے پوچھا کہ آپ کیوں پریشان ہیں۔ میں نے بتایا تو انہوں نے متعلقہ اتھارٹی سے بات کر کے میرا مسئلہ حل کرا دیا۔ جب انہوں نے مجھے اس کا حلیہ اور انداز بتائے تو میں جان گیا کہ وہ تو رسالدار صاحبؒ تھے۔"

مسلح افواج اور عوام کا ایثار

(آفتاب احمد خانؒ)

1965ء کی جنگ کے دوران ایک صبح گھر کے فون کی گھنٹی بجی۔ فون اٹھایا تو کلب کے دفتر سے وار کمیٹی کے ایک ممبر کی آواز تھی اور حکم ملا کہ فوراً دفتر آ جاؤ۔ میں اسی وقت تیار ہوا اور قبلہ حضرتؒ کے پاس جانے کی بجائے وار کمیٹی کے دفتر پہنچ گیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ للیانی قصور محاذ پر تین سو جوانوں کے لیے وردیوں کی اشد ضرورت ہے۔ جس کا کوئی فوری بندوبست ہونا چاہیے۔ ہمارے ایک ممبر کا عزیز شیش محل ہوزری میں ملازم تھا۔ اسے فون پر حالات کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے کہا کہ آپ میرے دفتر واقع راوی روڈ پہنچ جائیں۔ ہم دونوں وہاں پہنچ گئے اور انہیں ضروریات کی تفصیل بتائی۔ یہ صاحب فیکٹری کے منیجر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کپڑے کا بندوبست ہو جائے تو یہ سارا سامان ہم دو دن میں تیار کروا دیں گے۔ میں نے وہیں سے اعظم کلاتھ مارکیٹ میں اپنے ایک دوست جو کپڑے کا کاروبار کرتا تھا کو حالات کے بارے میں بتایا تو اس نے فوراً کہا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور آپ کا مطلوبہ مال دو گھنٹے کے اندر اندر فیکٹری میں پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ہم مطمئن ہو کر کمیٹی کے دفتر واپس آ گئے اور میں وہاں سے فارغ ہو کر قبلہ حضرت انصاری صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا: آج تم دیر سے آئے ہو مجھے معلوم تھا کوئی ضروری کام ہوگا۔ اس پر میں نے آپ کو آج کی پوری تفصیل بتائی جس پر آپ نے ارشاد فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی مجاہد فوج کے لیے مدد کا کام ہے اور ان شاء

اللہ تعالیٰ تمہیں یہ تمام سامان کل مل جائے گا'' میں پہلے ہی حیران تھا کہ اتنے سامان کی تیاری دو دن میں کیسے ممکن ہو گی اب اوپر سے حضرت صاحبؒ نے بھی فرما دیا ہے۔ اب دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ اگلے روز قبلہ حضرتؒ سے ملنے کے بعد دفتر پہنچا ہی تھا کہ شیش محل کے منیجر صاحب کا فون آ گیا کہ آپ کا سارا مال تیار ہے۔ کچھ دیر کے بعد وار کمیٹی کے دوسرے ممبر بھی آ گئے اور ہم فیکٹری چلے گئے۔

وہاں جا کر کارکردگی کا جائزہ لیا تو ہم حیران رہ گئے۔ منیجر صاحب نے بتایا کہ کاریگروں نے دن کے علاوہ پوری رات کام کر کے وردیاں تیار کر دی ہیں اور یہ کہتے ہوئے اجرت لینے سے بھی انکار کر دیا ہے کہ ہماری یہ محنت اللہ تعالیٰ اس جہاد میں قبول فرما لے۔ فیکٹری کے مالک نے وردیوں کے ساتھ تین سو بنیانیں ہمراہ کر دیں جو ان کی طرف سے پاک فوج کے لیے تحفہ تھیں۔ ہم نے فوج کے دفتر میں فون پر اطلاع دے دی اور شام تک انہوں نے تمام مال اٹھا لیا اور ہم سب کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ ان ایام میں پاکستانی عجیب قوم بن گئے تھے اور ہر فرد اپنی ہمت کے مطابق کچھ کرنا چاہتا تھا۔

اگلے روز پھر فوج کی طرف سے فون آیا کہ چند سپاہی للیانی محاذ پر زخمی پڑے ہوئے ہیں اور ٹرانسپورٹ کی قلت کی وجہ سے سی ایم ایچ (C.M.H) نہیں لائے جا سکتے۔ آپ لوگوں کا جوش و جذبہ دیکھ کر دوبارہ تکلیف دے رہے ہیں۔ میں فوراً للیانی جانے پر آمادہ ہو گیا اور مطلوبہ جگہ کا پتہ حاصل کر لیا۔ اس محاذ پر جنگ پورے زوروں پر تھی۔ چار سو توپوں کی گھن گرج اور ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دیتی تھی۔ راستے میں آسمان سے زمین کی طرف گرتے اور سورج کی روشنی سے چمکتے ہوئے بم بھی دیکھے۔ اس کے باوجود اس سارے ماحول میں ایک عجیب سا کیف تھا اور ڈر یا خوف نام کی کسی چیز کا تو نام و نشان بھی نہ تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پاکستانی فوج کی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ میں ایڈوانس کر رہا ہوں۔ محاذِ جنگ کی فضا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے میں نے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایک گاؤں کے چھوٹے سے باغ میں اپنی گاڑی روکی۔ وہاں پر دو زخمی مجاہد پڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ٹینکوں کے گنر تھے اور خاصے زخمی ہونے کے باوجود اپنے افسروں سے اصرار کر رہے تھے کہ ہم زیادہ زخمی نہیں ہیں۔ ہمیں ہسپتال نہ بھیجیں۔ ہمارے پاکستان کو ہماری محاذ پر زیادہ ضرورت ہے۔ لیکن افسروں نے کہا کہ علاج کے بعد آپ دوبارہ یہیں آئیں گے اور ایک مرتبہ پھر ہم آپ کے جنگی جوہر اور کارکردگی دیکھیں گے۔ ایک زخمی مجاہد کو میں نے اپنی کار میں لے لیا۔ شدید زخمی ہونے کے باوجود سارا راستہ اس نے ہائے تک نہ کیا بلکہ افسوس کرتا رہا کہ میدانِ جنگ سے باہر ہو گیا ہوں۔ ''جس فوج کے مجاہدوں کا یہ جذبہ ہو اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا'' یہ جملہ قبلہ حضرتؒ نے فرمایا۔ جب شام کو حاضرِ خدمت ہو کر میں نے واقعات سے آپ کو آگاہ کیا۔ جب میں نے میدانِ جنگ کی خاص کیفیت کے بارے میں بتایا تو فرمانے لگے کہ ہم لوگوں کو یہاں محفوظ گھروں میں یہ کیف محسوس ہو رہا ہے تو میدانِ جنگ کی تو بات ہی اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کے گھوڑوں کی دھول کی قسم ایسے ہی تو نہیں کھائی۔ بے شک اللہ جسے عزت دیتا ہے اسی کا حصہ ہے اور آج پاکستان دنیا میں باعزت مقام کا حامل ہے اور پاکستان کا نام دنیا میں ہر جگہ جانا گیا ہے اور سورج کی طرح روشن ہو گیا ہے۔ جنگ بند ہو جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر اس محاذ پر جانے کا اتفاق ہوا اور افسروں کے ساتھ ان کے زمین دوز میس (Mess) میں دوپہر کا کھانا کھانے کا موقع ملا۔ بیشتر افسروں کا تاثر تھا کہ اب تو بھارت پر کاری ضرب لگانے کا وقت آیا تھا لیکن عین وقت پر جنگ بندی کا اعلان ہو گیا۔ ہائے ہماری یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

پردہ جو ہٹا

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

''ایک مرتبہ دیکھا کہ حدِ نگاہ تک وسیع ایک پردہ تنا ہوا ہے۔ جب میں اس کے قریب گیا تو جس طرح سینما گھروں میں سکرین کے سامنے لگا ہوا پردہ دونوں جانب سرکا دیا جاتا ہے اسی طرح یہ پردہ بھی ہٹ گیا۔ میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ سامنے ایک میز پڑی ہے جس پر پڑا ایک چراغ جل رہا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ تو دائیں طرف سے آواز آئی کہ یہ تمہارا رب ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو ایک چراغ ہے یہ کیسے میرا رب ہو سکتا ہے؟ اس پر آواز آئی کہ آپ نے قرآن کریم کی سورت النور میں کیا یہ نہیں پڑھا کہ اللہ کی مثال چراغ کی طرح ہے۔ میں نے کہا کہ وہ تو اللہ کے نور کی مثال بیان کی گئی ہے۔ وہاں یہ تھوڑا ہی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ایک چراغ ہے۔ اس پر آواز آئی کہ اس چراغ کے قریب ہو کر اسے غور سے دیکھو۔ میں نے قریب ہو کر دیکھا تو اس کی لو سے کالے کالے باریک ذرات نکل کر فضا میں جا رہے تھے۔ آواز آئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا عمل ہے جو مسلسل جاری رہتا ہے۔ یہ کالے کالے ذرات خلا میں جا کر کہکشاؤں اور کروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ وہاں سے ہم آگے بڑھے تو سامنے ایک سروس کاؤنٹر سا بنا ہوا دکھائی دیا۔ ایک نہایت ہی حسین و جمیل نوجوان بہت ہی خوبصورت انگریزی لباس پہنے ہوئے اس کاؤنٹر پر اپنی ایک کہنی ٹکائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کی پشت ہماری طرف تھی اور اس کے چہرے کا صرف بایاں رخ نظر آ رہا تھا۔ ہم نے پوچھا یہ صاحب کون ہیں تو آواز آئی کہ یہ اللہ میاں ہیں۔ میں نے کہا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ تو انسان ہے بھلا یہ کیوں کر اللہ میاں ہو سکتے ہیں۔ اس پر جواب آیا کہ آپ نے وہ حدیث شریف نہیں سنی خلق اللہ آدم علی صورتہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ میں نے کہا یہ بات تو مجازاً فرمائی گئی ہے تا کہ انسان اپنی ذات میں تدبر و تفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

معرفت حاصل کر سکے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی انسان کی سی شکل و صورت اور وجود رکھنے والی ایک ہستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے وہم وگمان اور تخیل و تصور سے ماوراء ہے۔ ہمیں ہمارے مرشد نے یہ بات پڑھا رکھی تھی کہ جو کسی شکل وصورت میں دکھائی دے وہ اللہ کی ذات نہیں ہوگی۔ پھر میں نے خود ہی ایک سوال کر دیا کہ چلو اچھا یہ جو کچھ بھی ہیں انہوں نے انگریزی لباس کیوں پہن رکھا ہے تو اس پر جواب آیا کہ اللہ میاں جس قوم کا لباس پہن لیتے ہیں اسی قوم کو دنیا میں عروج حاصل ہو جاتا ہے"

پھر آپ نے فرمایا کہ "وہ جو کوئی بھی تھا لیکن اتنا خوبصورت تھا کہ ظالم کی تصویر آج بھی دل میں کھبی ہوئی ہے"

قبلہ حضرتؒ کی ایک ڈائری میں آپ کی لکھی ہوئی نظمیں اور غزلیں درج تھیں جنہیں راقم الحروف نے اپنی نوٹ بک میں نقل کر لیا تھا۔ کسی پروانے نے پڑھنے کے لیے وہ نوٹ بک لی تو پھر واپس ہی نہیں کی۔ قارئین میں سے کسی صاحب کے پاس اس بیاض کی کاپی ہو تو وہ مہربانی فرما کر مجھے ارسال فرما دیں تا کہ قبلہ حضرت کا کلام بھی محفوظ کیا جا سکے۔ آپ کی ایک غزل کے دو شعر اس وقت ذہن میں آ گئے ہیں ایسے لگتا ہے مندرجہ بالا کیفیت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہوگا۔ اس لیے ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔

وہ اک شعلہ سا تھا انساں کی صورت   فرشتہ تھا' خدا تھا' یا بشر تھا
اسے جب دیکھ کر دیکھا جہاں کو   نہ تھا کچھ بھی فقط حسن نظر تھا

مندرجہ بالا کیفیت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جب میں نے اپنے ایک بزرگ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مذاحاً فرمایا کہ چلو یوں کرتے ہیں کہ اللہ میاں کے انگریزی سوٹ اٹھا کر لے آتے ہیں اور ان کی جگہ پاجامے اور شیروانیاں رکھ آتے ہیں۔ اس پر حاضرین میں سے کسی نے پیار سے پوچھا کہ قبلہ! کیا آپ سوٹ اٹھا کر لے آئے تھے؟ آپ نے مسکرا کر جواب دیا کہ لے آئے تھے لیکن اللہ میاں نے اور سلوا لیے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اللہ میاں کی کل

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

''ایک مرتبہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیں جو آج تک کسی ولی اللہ نے نہ دیکھی ہو۔ چند دنوں کے بعد مراقبہ میں مَیں نے دیکھا کہ مشرق سے مغرب تک فضا میں ایک بہت بڑی سکرین تنی ہوئی ہے اور اس کے اوپر دائیں کونے میں ایک بہت بڑا لفظ ''کل'' لکھا ہوا ہے۔ کل مشین کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب آیا کہ یہ اللہ میاں کی کل ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کل کیا کام کرتی ہے تو آواز آئی کہ اس لفظ ''کل'' کو ذرا غور سے دیکھو۔ میں نے اس پر نظر جما دی تو دیکھا کہ اس میں ارتعاش پیدا ہو گیا ہے اور اس میں سے چھوٹے چھوٹے کل کل کل...... کے الفاظ بڑی تیزی سے نکل کر دائیں بائیں جانب پرواز کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں پھر ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور کبوتروں کی طرح غول کے غول چھوٹے چھوٹے کل اس بڑے کل سے نکل کر بڑی تیزی سے سکرین پر چلے جا رہے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ پوری سکرین کا چکر لگا کر داہنی طرف کے نیچے والے کونے سے مڑ کر اوپر آنے لگے اور اس بڑے کل میں داخل ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز نظام ہے۔ دنیا میں کوئی بھی انسان جب کوئی بات کرنا چاہتا ہے تو اس کے الفاظ یہاں سے چلتے ہیں اور اس آدمی کے دماغ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ انسان ان الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو وہاں سے پرواز کر کے دوبارہ اس کل میں آ کر مل جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کائنات میں اس نے کیا کیا بنا رکھا

ہے اور کیسے کیسے سسٹم کام کر رہے ہیں۔ واقعی یہ کل بھی عجیب ہی چیز تھی۔ ہم نے اس کے بارے میں نہ کہیں پڑھا تھا نہ کسی بزرگ سے سنا تھا۔ ایک مرتبہ فوت شدہ بزرگوں کی ایک مجلس تھی جس میں موجودہ دور کے بھی چند لوگ حاضر تھے۔ سب لوگ اپنے اپنے مشاہدات بیان کر رہے تھے۔ میں نے کہا میں نے ایک ایسی چیز کا مشاہدہ کیا ہے جو آپ میں سے کسی نے بھی نہیں دیکھی۔ سب لوگ حیرت سے میری طرف متوجہ ہو گئے اور پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھا؟ میں نے بتایا کہ میں نے اللہ میاں کی کل دیکھی ہے اور وہ اس طرح کام کرتی ہے۔ اس پر سب بول اٹھے کہ اچھا یہ ہے اللہ میاں کی کل۔ ہمیں بھی نظر آ گئی ہے اور ہم نے اس سے پہلے نہ دیکھی تھی۔ میں نے بعد میں اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ آپ نے اپنی کل سبھی کو دکھا دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ سب صاحبانِ بصیرت تھے۔ آپ نے جوں ہی اس کی تفصیل بیان کی انہوں نے بھی دیکھ لی۔ آپ نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ میرے بعد بھی کوئی نہ دیکھے۔ آپ سے پہلے کسی نے نہ دیکھی تھی"

اللہ میاں کی کچہری

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

''ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی عمارت ہے اور وہاں لوگوں کا ہجوم ہے۔ میں نے ایک آدمی سے پوچھا کہ اس قدر لوگ یہاں کیوں جمع ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ اللہ میاں کی کچہری ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا اللہ میاں یہاں تشریف فرما ہیں؟ تو جواب ملا وہ کچہری لگائے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ چلو آج تو کام بن گیا۔ آج تو اللہ میاں سے ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ میں بھی اس عمارت میں داخل ہو گیا۔ ایک راہداری میں ایک سرکاری ملازم سے پوچھا کہ اللہ میاں کہاں بیٹھے ہیں۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ سیدھے چلے جائیں اور اگلے موڑ پر بائیں طرف گھوم جائیں تو بالکل سامنے والے دفتر میں اللہ میاں تشریف فرما ہیں۔ میں اسی طرح چلتا گیا اور مطلوبہ دفتر کے دروازہ پر جا کر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے انگریزی میں جواب ملا ''COME IN'' یعنی آ جاؤ۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ سامنے ایک بہت بڑی میز پڑی ہے۔ اس کے پیچھے والی مرکزی کرسی تو خالی تھی لیکن میز کی ایک طرف کرسی پر میرے دوست اور مرشد حضرت رسالدار محمد حنیف خانؒ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا اور حیرت سے پوچھا کہ آپ یہاں بیٹھے ہیں کیا یہ اللہ میاں کی کچہری نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ میاں کی ہی کچہری ہے۔ میں نے پوچھا کہ اللہ میاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا وہ ادھر ہی ہیں۔ بہرحال مجھے تو وہاں کوئی اور دکھائی نہ دیا۔ اور جو دکھائی دیا میں اسے اپنا خدا ماننے کو تیار نہ تھا کیوں کہ حضرت رسالدار صاحبؒ نے ہی یہ بات بڑی پختگی سے میرے ذہن میں ڈال رکھی تھی کہ اس بے صورت بے رنگ ذات کو کسی بھی صورت اور رنگ میں قبول نہ کرنا''۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شیطانی وحی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا کہ روحانی سفر میں بڑے نازک مقام آتے ہیں۔ اگر پیچھے سنبھالنے والا کامل مرشد نہ ہو تو سالک راہِ حق سے بھٹک سکتا ہے۔ ابلیس نے کئی لوگوں کو فریب دے کر نبوت و مہدیت کے دعوے کرائے اور مخلوقِ خدا کو گمراہ کیا۔ میں جب بنوں میں تھا تو ایک ایم اے پاس عورت جس کا نام عطیہ تھا میری بیعت ہو گئی۔ اس کے خاوند بھی ایک مقامی کالج میں پروفیسر تھے۔ اس نے بہت اچھے طریقے سے تعلیم پر عمل شروع کر دیا اور اچھی خاصی روحانی ترقی کر لی۔ وہ دونوں میاں بیوی مجھے ملنے کے لیے اکثر و بیشتر آتے رہتے تھے۔ ایک دن میں شام کو سیر کو نکلا تو خیال آیا کہ عطیہ کافی دنوں سے نہیں آئی ذرا اس کو ملتا جاؤں۔ جب میں ان کے گھر گیا تو نوکر نے بتایا کہ بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں عبادت کر رہی ہیں۔ میں نے پروفیسر صاحب کا پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بھی ان کے پاس بیٹھے ایک رجسٹر پر کچھ لکھ رہے ہیں۔ میں ان کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ نیم وا آنکھوں سے ایک مصلیٰ پر دو زانو بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بڑے جلال سے بولی کہ آپ نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا۔ میں نے کہا: حرام زادی! تو میری مرید ہے اس لیے تجھے چاہیے تھا کہ مجھے سلام کرتی۔ اس نے بڑے رعب سے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں میں کون ہوں؟ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں تو اس نے کہا کہ ''میں تمہارا رب ہوں۔ میں عطیہ پر ایک کتاب نازل کر رہا ہوں تا کہ موجودہ دور کے لوگوں کی اصلاح کی جا سکے۔ میں آپ کی ڈیوٹی بھی لگا رہا ہوں کہ اس تعلیم کو دنیا میں پھیلائیں'' میں سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ میں نے کہا رب صاحب یہ تو بتائیے کہ آج سے چودہ سو

برس پہلے ایک کتاب اللہ کے آخری رسول ﷺ کے توسط سے پوری انسانیت کے لیے اتاری گئی تھی اور اس میں یہ کہا گیا تھا کہ ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ تو اس کے بعد ہم کسی دوسری کتاب کو کیوں قبول کریں؟ اس پر اس نے کہا کہ ”میں جو تمہارا رب تمہیں حکم دے رہا ہوں“ پہلے تو میں اس سے شغل کر رہا تھا لیکن یہ بات سن کر مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے اسے ماں کی گالی دیتے ہوئے کہا: ”تم جیسے تین سو ساٹھ رب پھرتے ہیں حکم دینے والے۔ GET OUT (یعنی دفعہ ہو جاؤ) اس پر عطیہ صاحبہ کی روحانی لائن کٹ گئی' اس نے آنکھیں کھول لیں اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ مجھے جو اپنے پاس دیکھا تو بڑے ادب سے سلام کیا اور پوچھا کہ آپ کب آئے؟ اس پر میں نے اسے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا تھا اور تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ عطیہ نے کہا کہ ذکر کے بعد جب میں مراقبے میں بیٹھتی ہوں تو مجھے ایک سبز رنگ کا بہت بڑا استارہ دکھائی دیتا ہے اور اس سے نور کی ایک شعاع نکل کر میرے دل میں آ کر پیوست ہو جاتی ہے اور مجھے ہدایات ملنی شروع ہو جاتیں ہیں۔ میں بولتی جاتی اور میرے میاں ساری باتیں رجسٹر پر لکھتے جاتے ہیں میں نے اسے بتایا کہ یہ تو شیطان تھا اور تمہیں بزرگی کا جھانسہ دے کر گمراہ کر رہا تھا۔ میں نے وہ رجسٹر نذرِ آتش کروا دیا۔ میں نے وہ رجسٹر دیکھا تھا' اس میں کوئی بھی بات اسلام کے خلاف نہ تھی۔ بڑی اچھی اچھی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ شیطان اللہ کی راہ پر چلنے والی ایک مخلص مومنہ کو گمراہ کرنے میں تو کامیاب ہو چلا تھا۔ کوئی دوسرا اس کو نہ بھی مانتا پھر بھی شیطان کا وار اس پر تو چل ہی گیا تھا۔ مرزا غلام احمد بھی شروع میں ٹھیک تھا۔ عیسائیوں کے خلاف مناظرے بھی خوب کرتا تھا اور اسے کشف بھی ہوتا تھا وہ بھی اسی طرح شیطان کے ہتھے چڑھ گیا لیکن اسے کوئی سنبھالنے والا نہ تھا۔ وہ اسی طرح مارا گیا۔

کچھ جنات کے بارے میں

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

جن ذکر سننے آیا:

آپ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں اپنے دوست حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ کے ہاں مہندر گڑھ گیا ہوا تھا۔ جس کمرے میں مَیں سوتا تھا اس کے دو دروازے تھے ایک گھر کی گلی کی طرف اور دوسرا مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ مَیں نے صبح کی نماز کے بعد ذکر کرنا شروع کیا تو کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میں نے اسے کہا کہ دوسرے دروازے سے آؤ اور پھر ذکر میں مشغول ہو گیا۔ ذکر ختم کر کے میں نے دعا کی لیکن کوئی نہیں آیا۔ دوسرے دن جب پھر میں نے ذکر کرنا شروع کیا تو مسجد کی طرف والا دروازہ پھر کسی نے کھٹکھٹایا تو میں نے زور سے آواز دی کہ دوسرے دروازے سے آؤ۔ میں پھر ذکر کرنے لگ گیا۔ ایک مرتبہ جو میں نے لا الٰہ کہتے ہوئے دائیں طرف گردن موڑی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک صاحب تشریف فرما ہیں۔ میں نے الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائی اور محمد رسول اللہ کہہ کر ذکر ختم کر دیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کیسے آنا ہوا؟ تو اس نے کہا کہ میں جن ہوں اور حضور کا ذکر سننے آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کو ذکر سننے کا شوق ہے تو چھپ کر بیٹھو اور مجھے نظر نہ آؤ۔ جب آپ مجھے دکھائی دے رہے ہیں اور میں یہ سوچوں گا کہ میرے سر پر ایک جن سوار ہے تو میں ذکر کیسے کر سکتا ہوں۔ پھر وہ غائب ہو گیا۔ اس کی ہیئت کوئی خوفناک قسم کی نہیں تھی بلکہ بڑی اچھی شکل وصورت میں تھا بڑے ادب سے بات چیت کر رہا تھا۔ میں نے حضرت رسالدار سے اس کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ ایک جن ادھر رہتا ہے وہی آیا ہوگا۔

جن بیعت ہونے کے لیے آئے:

آپ نے فرمایا: میرے پاس جنات آتے رہتے ہیں ایک مرتبہ تو ان کا بڑا وفد آیا اور انہوں نے التجا کی ہمیں بھی اپنے سلسلے میں بیعت کر لیں۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ ہم جنات کو بیعت کر کے غوث الثقلین نہیں بننا چاہتے۔ ہم ان کے لیے مکلّف تھوڑا ہی ہیں۔ یہ انسان ٹھیک ہو جائیں تو بڑی بات ہے۔ اب بھی یہاں میرے کمرے میں کھیلتے رہتے ہیں۔ میری ایک بہت ہی پرانی گھڑی تھی وہ بھی اٹھا کر لے گئے ہیں مجھے غصہ نہیں آتا اس لیے میں انہیں کچھ کہتا نہیں ہوں۔

صحابی جن کا سلام:

ایک دن آپ نے فرمایا: مجھے ایک دوست کے ہاتھ ایک جن نے سلام بھیجا ہے اس نے کہا ہے کہ مجھے حاضر ہونے کی اجازت دے دیں۔ میں حضور نبی کریم ﷺ کا صحابی ہوں اور میری عمر دو ہزار برس ہے۔ میں نے پیغام بھجوایا ہے کہ آ جاؤ۔ مگر اس وقت آنا جب اور کوئی نہ ہو۔ مکمل تنہائی ہو۔ اب دیکھیں برداشت کر سکتا ہے تو آ جائے گا۔

اگر جن کا سایہ ہو:

آپ نے مختلف مجالس میں سلسلہ توحیدیہ کے تمام بھائیوں کو یہ اجازت دی تھی کہ اگر کسی مریض پر جن کا سایہ ہو تو آپ جا کر اسے کہہ دیں میں خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا مرید ہوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس مریض کو چھوڑ کر چلے جاؤ تو وہ چلا جائے گا۔ اگر نہ جائے تو مجھے بتاؤ میں دیکھ لوں گا کہ وہ کون ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ جن ہو اور بھوت پریت یا بدارواح میں سے نہ ہو۔ چنانچہ بھائی حسب ضرورت اس اتھارٹی کو استعمال کرتے رہتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔

جنات کو دیکھ کر مانا:

ایک مرتبہ جنات کی بات چیت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا: میں نے تو جنات کو بھی

دیکھ کر ہی مانا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے کہہ دیا تھا کہ اگر چہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر جنات کا ذکر آیا ہے لیکن میری سمجھ میں یہ مخلوق بالکل نہیں آ رہی۔ اس لیے یا تو مجھے جنات دکھلا دیں ورنہ اسے نہ ماننے پر مجھے معاف فرما دیں۔

ایک دن دہلی میں مَیں صحن میں لیٹا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ صحن میں ایک کتا پھر رہا ہے۔ میں نے سوچا یہ کہاں سے آ گیا۔ رات کا وقت ہے، دروازے سارے بند ہیں اور یہاں اڑوس پڑوس میں بھی کسی کا کتا نہیں ہے۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ یہ جن ہے۔ لیکن میں نے کہا اگر یہ جن ہے پھر بھی میں اسے نہیں مانتا۔ دکھانا ہے تو صاف صاف دکھائیں۔

میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تو میں نے محسوس کیا کہ کوئی نیچے سے میری چار پائی اوپر کو اٹھا رہا ہے۔ چند مرتبہ ایسے ہوا تو میں نے اٹھ کر چار پائی کے نیچے جھانکا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا اور نہ ہی وہ کتا موجود تھا۔

ایک مرتبہ ایسے ہوا کہ میں اور میرے بھائی عبدالعلیم صاحب ایک ہی کمرے میں سوئے۔ میری چار پائی دروازے کی طرف تھی۔ جب صبح ہوئی تو کسی نے میری چار پائی کو پائنتی کی طرف سے دھکیلا۔ میں نے سمجھا کہ بھائی نماز کے لیے اٹھے ہیں اور گزرنے کے لیے جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے انہوں نے چار پائی کو دھکیلا ہے۔ میری بھی آنکھ کھل گئی تھی۔ پھر وہ میرے سرہانے کی جانب آ کر مجھ پر جھک گئے جیسا کہ مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہوں کہ میں جاگ اٹھا ہوں یا سویا ہوا ہوں۔ جب انہوں نے اپنا چہرہ نزدیک کیا تو میرے چہرے پر ان کی ڈاڑھی کے بال لگے۔ میں ڈر گیا کہ یہ تو کوئی اور ہے کیونکہ بھائی عبدالعلیم کی تو ڈاڑھی نہیں تھی۔ پھر میں نے اس شخص کا ہیولا سا دیکھا کہ وہ دھوئیں میں تبدیل ہو گیا اور دروازے کی درزوں میں سے باہر نکل گیا۔ پھر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جن تھا کیوں کہ بھائی تو اپنی چار پائی پر سوئے ہوئے تھے۔ اور میں نے انہیں نماز کے لیے جگایا۔

ابتدائی ملاقاتیں اور بیعت

(آفتاب احمد خانؒ)

فروری 1964ء کے آخری ایام تھے۔ میں کل کی ملاقات سے مطمئن تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل ودماغ سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ دفتر میں مجھے محسوس ہوتا رہا ہے کہ جیسے میں زمین پر نہیں بلکہ ہوا میں اڑ رہا ہوں۔ میں حیران تھا کہ میری زندگی کی تمام بےقراریاں اور بے چینیاں اتنی جلدی کیوں کر کافور ہوگئیں۔ میں تلاشِ حق میں بہت مارا مارا پھرا اور جن جن بزرگوں کے پاس جاتا رہا ان کی ملاقات کا منظر سارا دن میری آنکھوں کے سامنے ایک فلم کی طرح چلتا رہا۔

نماز میں خوب دل لگ رہا تھا اور جی چاہتا تھا کہ زیادہ دیر سجدے میں پڑا رہوں۔ دل ایک عجیب روحانی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر چیز بڑی خوبصورت دکھائی دیتی تھی۔ پرندوں کا ہوا میں تیرنا، ان کا چہچہانا، درختوں کی شاخوں کا ہوا میں لہرانا اور جھومنا ایک منفرد کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ یہ بات حقیقت دکھائی دے رہی تھی کہ لوگ سچ ہی کہتے آ رہے ہیں کہ کسی اہلِ دل یعنی اللہ کے بندے کے ساتھ ایک ساعت کی نشست کئی برسوں کی عبادت پر حاوی ہے۔ اور یہ حقیقت میری زندگی میں ایک نشست ہی سے کھل گئی تھی۔ اب وقت تھا کہ آگے چلتا ہی نہیں تھا حالانکہ دل کی بے تابی کا یہ تقاضا تھا کہ کل کا دن جلدی آ جائے تاکہ پھر ایک نشست ہو جائے۔

اگلے دن دفتر میں بیٹھا وقت کی گھڑیاں گن رہا تھا کہ میرا ایک دوست آ گیا۔ میں نے قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے بارے میں تمام حال کہہ سنایا اور وہ بھی میرے ساتھ

جانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ پھر ہم دونوں وقت مقررہ پر گاڑی میں بیٹھ کر رائل پارک کے لیے جہاں قبلہ حضرتؒ کا قیام تھا چل دیئے۔ وہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ مطلوبہ کمرہ مقفل تھا۔ اڑوس پڑوس سے پوچھنے پر ایک صاحب نے بتایا کہ صاحبِ خانہ تین چار یوم کے لیے سرگودھا چلے گئے ہیں اور جو بزرگ ان کے ساتھ تھے وہ کینٹ میں اپنے کسی دوسرے مرید کے پاس چلے گئے ہیں جن کے ایڈریس کے بارے میں کسی کو معلوم نہ تھا۔ اس صورتِ حال سے بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔

واپس آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اب کینٹ چلتے ہیں۔ میرے دوست نے کہا کہ تم بے وقوف ہو گیا؟ چھاؤنی کا اتنا بڑا علاقہ ہے اور ان بزرگوں کا نام اور پتہ تک معلوم نہیں تو کیسے ڈھونڈیں گے۔ میں نے بے ساختہ کہہ دیا کہ کینٹ ضرور چلیں گے اگر سچا پیر ہے تو خود ہی کھینچ لے گا ورنہ خوار ہو کو واپس آ جائیں گے۔ چنانچہ ہم کینٹ ایریا میں چلے گئے۔ بے خیالی میں ابھی ایک دو موڑ ہی مڑے تھے کہ ایک کوٹھی کے گیٹ سے میں نے دیکھا کہ ایک برآمدے میں چارپائی بچھی ہوئی ہے۔ میرا دل اٹک گیا کہ کوٹھیوں والے صاحب لوگ اس طرح چارپائی نہیں ڈالتے۔ یہاں ضرور کسی فقیر کا ڈیرہ ہے۔ میں نے گاڑی روک کر گھنٹی بجائی تو ایک نوکر باہر آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس حلیے کے ایک بزرگ رائل پارک سے منتقل ہو کر یہاں تو نہیں آئے۔ اس نے کہا یہاں ہی آئے ہیں۔ آپ دوسری جانب کے گیٹ سے اندر آ جائیں۔ اس طرح اللہ نے سچے فقیر سے ملاقات کے لیے خود ہی ہماری راہنمائی فرمائی۔

یوں تو پہلے روز کی ملاقات ہی دل پر گہرا اثر چھوڑ گئی تھی مگر آج بغیر کسی پتہ کے ملاقات ہو جانے کا واقعہ سونے پر سہاگے کا کام کر گیا۔ میں اس پر کافی سوچ بچار کرتا رہا۔ آخر ایک دن حضرت صاحب نے خود ہی فرمایا کہ جس کو جہاں کہیں سے حصہ ملنا ہوتا ہے وہ وہاں خود ہی پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح قبلہ حضرتؒ کے ہاں آنا جانا معمول کا حصہ بن

گیا۔ یہ امر بھی حضرتؒ کے پیار اور شفقت کے سبب تھا کہ میں زیادہ بے قرار رہنے لگا۔ جی چاہتا تھا جلد از جلد ان کا مرید بن جاؤں اور بیعت کے بندھن میں بندھ جاؤں۔ کبھی کبھی میں اس خواہش کا اظہار بھی کر دیتا لیکن ان کی طرف سے ہلکی سی مسکراہٹ اور کچھ ٹال مٹول کا ہی اظہار ہوتا۔ اس طرح کے انداز سے میں اور بے چین ہو جاتا اور سوچتا کہ شاید ابھی میرا معیار ایسا نہیں ہے حالانکہ میں دل سے سلسلہ کی تعلیم کو تسلیم کر چکا تھا۔ ایک دن حضرت قبلہؒ سے جمعرات کے حلقہ کے ذکر میں شمولیت کی دعوت ملی۔ میں نمازِ عصر کے بعد حاضر ہو گیا۔ نمازِ مغرب کے بعد ذکر شروع ہوا۔ میرے لیے یہ پہلا تجربہ تھا۔ کمرے کی لائٹ بند کر دی گئی۔ اس تاریکی میں چند لمحوں نے عجیب خاموشی طاری کر دی اور مجھے یوں لگا جیسے دنیا کی ہر چیز ذہن سے غائب ہو گئی اور دل و دماغ اللہ کی یاد کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ پھر خادمِ حلقہ نے آہستہ سے بسم اللہ سے ذکر کا آغاز کیا تو سب بھائیوں نے با آواز بلند درود پاک پڑھنا شروع کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضورﷺ کا روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں خاموشی کے ساتھ سر جھکائے' مل کر پڑھے جانے والا درود شریف سن رہا ہوں۔ پھر سبحان اللہ کی آواز پر سب بھائیوں نے درود پاک پڑھنا بند کر دیا۔ اب لا الٰہ الا اللہ کا ذکر شروع ہوا۔ ایک مرتبہ پھر ایسا محسوس ہوا کہ سب لوگ دیوانہ وار خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور کسی کو کوئی ہوش نہیں ہے۔ اس طرح تقریباً ایک گھنٹے تک میں طرح طرح کی کیفیات سے محظوظ ہوتا رہا۔

قبلہ حضرتؒ نے ذکر کے بعد دریافت فرمایا کہ ذکر اچھا لگا؟

میں نے عرض کیا کہ خوب لطف اٹھایا۔

پھر پوچھا کہ مختلف اذکار میں سے کون سا ذکر زیادہ پسند آیا؟

میں نے فوراً کہہ دیا: ''جناب! سب سے زیادہ مجھے (**مالک الملک لاشریک له وحده لا اله الا هو**) پسند آیا''

قبلہ حضرت نے مسکراتے ہوئے عجب انداز سے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی اور فرمایا: ''خوب! تو تُو پہلے ہی توحیدی ہے''

وقت گزرتا گیا اور میری ملاقاتوں کا معمول بھی زیادہ ہوتا چلا گیا۔ مجھے ایسا لگتا جیسے ایک غیر مرئی مقناطیسی طاقت کے زیرِ اثر حضرت صاحب کی طرف کھنچا چلا جاتا ہوں۔ پتہ نہیں کیا بات تھی کہ میں اپنے تمام معمولات کو بھول کر قبلہ حضرتؒ کی ملاقات اور دید کو ہر لحاظ سے ترجیح دینے لگا۔ ایک دن بیعت کے لیے پھر گزارش کی تو فرمانے لگے یہ کوئی ضروری تو نہیں ہے بیعت کے بغیر بھی تجھے فیض ملتا رہے گا۔ تمہارے ساتھ ہماری دوستی ہے۔ بس دوست دوست کو ملتا رہے۔ میں آج اس جواب سے بہت مغموم تھا کیوں کہ اسی دوران بہت سے لوگ بیعت ہوئے تھے۔ میں اپنے سامنے لوگوں کو بیعت ہوتے دیکھتا تھا آخر مجھے انکار کیوں؟ اس رات میں سو نہ سکا۔ رات کے پچھلے پہر ذرا آنکھ لگی تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میرا پیٹ پھولتا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب پھٹا کہ پھٹا۔ لیکن عین اس وقت ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور میرے پیٹ پر رکھ دیا گیا۔ اس ہاتھ کے لگتے ہی میرے پیٹ کی ہوا خارج ہو گئی اور میں نارمل محسوس کرنے لگا۔ فجر کی اذان کانوں میں سنائی دی تو میں خواب سے بیدار ہوا، نماز ادا کی اور کچھ دیر کے بعد دوبارہ سو گیا۔ اب کی دفعہ خوب گہری نیند آئی۔ معمول کے مطابق 9:30 بجے قبلہ حضرتؒ کے ہاں حاضر ہوا۔ حضرتؒ آج زیادہ ہی شفقت اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے مجھ سے کچھ سننے کے لیے تیار ہیں میں نے رات والے خواب کے بارے میں عرض کرنا شروع کیا تو جب میں اپنی زبان پر ''ہاتھ'' کا لفظ ابھی لایا ہی تھا تو آپ نے فوراً فرمایا کہ وہ تو میرا ہی ہاتھ تھا اور ساتھ ہی خادم کو آواز دی اور فرمایا کہ مہمانوں کے لیے مٹھائی لاؤ۔ اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ تم بیعت ہونے کے لیے بہت بے قرار ہو۔ میں نے تمہیں پہلی ملاقات میں ہی بیعت کر لیا تھا۔ آج تمہارے اطمینان کے لیے رسماً بیعت

کرتا ہوں۔ بیعت کرنے کے بعد مٹھائی کا ایک ٹکرا لیا اور پہلے اپنے منہ میں ڈال کر اس کا آدھا حصہ مجھے دے دیا اور بڑی ہی خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ تمہیں بیعت کر کے یوں بھی مجھے بڑی خوشی اس لیے ہوئی ہے کہ تم بنے بنائے میرے پاس آئے ہو۔ مجھے تم پر زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔ سلسلہ توحیدیہ میں تمہاری شمولیت ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اور میری کیفیت ایسی تھی جیسے منوں بوجھ دل و دماغ سے اتر گیا ہو۔ دل شگفتہ اور بدن ہلکا ہو گیا اور میں سارا دن گویا ہوا کے دوش پر تیرتا رہا رات کو نیند میں بڑے بڑے بزرگوں کے مزارات پر حاضری ہوتی رہی اور آنسوؤں کی جھڑیاں لگتی رہیں۔ فجر کے وقت جب میں بیدار ہوا تو میرا تکیہ بھیگا ہوا تھا اور طبیعت ہشاش بشاش تھی۔ یہ ایک نئی زندگی کے دوسرے دن کا آغاز تھا۔

حدیث کی حقیقت اور خواب کی تعبیر

(آفتاب احمد خانؒ)

''وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ اس طرح میں قبلہ انصاری صاحبؒ سے تقریباً روزانہ شام کو ملاقات کے لیے حاضر ہوتا رہا۔ ہر ملاقات سے دل اتنا متاثر ہوتا گیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور شوق دیداسی حوالے سے بڑھتا ہی گیا۔ آخر ایک ہفتہ گزر گیا اور میں نے دوسرے حلقہ ذکر میں شمولیت کی۔ کسی زمانے میں ایک حدیث مبارکہ نظر سے گزری تھی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیٹھتی ہے تو اللہ کے فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینت ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ فرشتوں سے کرتے ہیں۔ (رواہ مسلم) میں اس حدیث شریف کی اصل حقیقت سے بے بہرہ تھا لیکن جب محفل ذکر شروع ہوئی تو سارے پردے چھٹ گئے اور حضور پاک ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ مکمل اطمینان اور روحانی استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی اور اللہ بہت قریب تھا۔ شہ رگ سے بھی قریب۔ سبحان اللہ! ذکر پاک اس طرح اختتام پذیر ہوا۔ میں قبلہ حضرت کی دائیں جانب قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

کیوں حلقہ ذکر کیسا رہا؟ میں نے عرض کیا کہ جناب کیا عرض کروں میرے پاس اس کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسی لیے سرخ ہو رہے ہو اور مزید یہ فرمایا کہ یہ کسی کا کمال نہیں ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر اور رسول اللہ ﷺ کے درود پاک کا کیا دھرا ہے۔ بس جو توحید اور رسالت پر قائم ہو گیا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہو گیا۔ بس دل

جمعی سے اس کام میں لگے رہو بہت کچھ حاصل ہوگا۔ آپ نے خاص طور پر پاس انفاس کرنے کی تاکید فرمائی اور اس کا طریقہ بھی کر کے دکھایا۔ پھر آپ نے مجھے "طریقت توحیدیہ" کی ایک کاپی عنایت کی اور فرمایا کہ اس میں سب کچھ ہے اسے غور سے پڑھو۔

1947ء میں ستمبر کے مہینے میں جب میں اپنے خاندان کے ساتھ کلانور سے ہجرت کر کے پاکستان آیا تو ایک رات مکان کی چھت پر میں اکیلا ہی لیٹا ہوا تھا۔ میں چاند کی چاندنی میں ابھی اپنے آپ کو بہت ہی غمگین اور اداس محسوس کر رہا تھا۔ میں گہری سوچ میں تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے کیا کھویا اور یہاں پاکستان میں کیا پایا۔ ہندوستان کی مساجد، اولیائے کرام کے مزارات اور دیگر عالی شان عمارات میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔ اسی اداسی میں مَیں نے درودِ پاک کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد میں ہوش میں نہ تھا لیکن پھر بھی بلند آواز سے درودِ پاک پڑھتا رہا۔ میرے والد صاحب نے میری آواز سنی تو وہ چھت پر آ گئے۔ انہوں نے مجھے جھنجوڑا تو میں اس حالت سے بیدار ہوا۔ والد صاحب فرمانے لگے کیا بات ہے تم رو کیوں رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں۔ میں تو درودِ پاک پڑھ رہا تھا کہ ہوش نہیں رہا۔ پھر کچھ دیر بعد مجھے نیند نے آ گھیرا۔

خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پرانی کھنڈر عمارت کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں ہیں۔ میرا جی چاہا کہ اپنے غم کی بھڑاس آنسوؤں سے نکال لوں اور پھر میں سیڑھیوں پر اوندھے منہ لیٹ گیا اور جی بھر کر رویا۔ روتے روتے مجھے سیڑھیوں کی خاک سانس کے ساتھ اپنے حلق میں جاتی محسوس ہوئی۔ پھر مجھے سیڑھیوں کے اوپر کسی بزرگ کی موجودگی محسوس ہوئی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو واقعی تقریباً 75 سالہ ایک بزرگ بڑی تمکنت کے ساتھ وہاں تشریف فرما تھے۔ ان کی آنکھیں سرخ اور بارعب تھیں جیسے ان سے شعائیں نکل رہی ہوں اور وہ خاموشی سے میری طرف دیکھ رہے تھے مگر میرے کان ان کے الفاظ یوں

سن رہے تھے" یہ تم ٹھیک کہتے ہو کہ مسلمانوں کو جو ہندوستان چھوڑنا پڑا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اب ہندوستان کا ایک خطہ مکمل طور پر ہمارا اپنا ہے۔ اب ہمیں یہاں ایک نئی زندگی کا آغاز حق اور صداقت کے اصولوں پر کرنا ہے۔ رونے کی کوئی بات نہیں۔ ہمیں صبر و ہمت سے اس کام میں لگ جانا چاہیے" آج حلقہ ذکر کے بعد جب میں نے قبلہ حضرت انصاری صاحبؒ کو دیکھا تو فوراً! اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تو وہی کھنڈر کی عمارت کی سیڑھیوں والے بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ 15 برس بعد میرے خواب کی تعبیر حقیقت بن کر میرے سامنے آ گئی۔ میں نے قبلہ حضرتؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا مزار اور نور کی لاٹ

(آفتاب احمد خانؒ)

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے حضرت رسالدار صاحبؒ کے بارے بے شمار واقعات اپنی مجالس میں بیان فرمائے۔ لیکن ایک خاص واقعہ قبلہ حضرتؒ نے اکیلے میں مجھے بتایا، آپؒ فرمانے لگے کہ

حضرت رسالدار اویسی بزرگ تھے اور وہ قبروں وغیرہ پر جانا بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ میں اکثر حضرت نظام الدین کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے انہیں بھی دعوت دی کہ آپ اس مزار پر جا کر تو دیکھیں وہاں عجیب کیف وسرور طاری ہوتا ہے۔ وہ فرمانے لگے سب مٹی کی ڈھیریاں ہیں وہاں سے کیا فیض مل سکتا ہے۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔ اتفاق سے ایک دن ہم دونوں بستی نظام الدین میں حضرت کے مزار کے سامنے سے گزر رہے تھے تو انہوں نے خود ہی فرمایا کہ چلو تمہارے کہنے پر آج ہم بھی فاتحہ پڑھ لیں۔ چنانچہ ہم دونوں اندر چلے گئے، میں فاتحہ پڑھنے کے بعد مزار سے باہر آ کر رسالدار صاحب کا انتظار کرنے لگا۔ جب کافی دیر ہوگئی تو میں دوبارہ مزار کے اندر گیا تو دیکھا کہ حضرت رسالدار صاحب بڑے انہاک کے ساتھ مراقب ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے ازراہِ مذاق آپ کے کان میں آہستہ سے کہا: ''رسالدار صاحب! ڈھیریاں ہی ہیں تو آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ اٹھیں چلیں اب دیر ہو رہی ہے'' آپ چونک کر بولے بڑا مزا آ رہا ہے اور حضرت تو جانے نہیں دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد چلیں گے۔ جب اٹھ کر باہر آئے تو فرمایا کہ یہاں تو مزار سے عرش تک نور کی ایک لاٹ روشن تھی۔ میں نے کہا کہ ہم یوں ہی تو یہاں نہیں آتے۔

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

رشوت کی نیت

(آفتاب احمد خانؒ)

مجھے بیعت ہوئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک شام میں قبلہ صاحب کی حاضری کے لیے گاڑی پر جا رہا تھا۔گلبرگ مین روڈ پر ایک گاڑی تیزی سے مجھے اوورٹیک کر گئی۔ میں نے جب غور سے اس گاڑی کے دروازے کو دیکھا تو وہ نیم بند تھا۔ گاڑی سواریوں سے بھری ہوئی تھی جن میں بچے بھی تھے، مجھے فوراً خیال آیا کہ اگر اس کا دروازہ کھل گیا تو نقصان ہوسکتا ہے۔ میں نے اپنی گاڑی تیز کر دی تا کہ آگے والی گاڑی کے ڈرائیور کو دروازہ کے بارے میں اطلاع دوں۔مگر وہ ڈرائیور گاڑی کو اور زیادہ تیز کر دیتا تھا۔اسی تگ و دو میں دونوں گاڑیاں پولیس کی بچھائی ہوئی سپیڈ وائر سے گزر گئیں میں نے تو پولیس کے اشارے پر گاڑی روک لی دوسری گاڑی والے نے گاڑی نہ روکی اور وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ پولیس سارجنٹ نے میرا چالان تیز رفتاری کے باعث کر ڈالا۔ میں نے اسے معمولی واقعہ سمجھا اور قبلہ حضرت سے اس کا ذکر نہ کیا۔ دوسرے دن مجسٹریٹ کے ہاں پیشی تھی۔ خیال تھا کہ عدالت سے فارغ ہو کر حضرت صاحبؒ کے ہاں چلا جاؤں گا مگر عدالت میں کافی دیر ہوگئی معلوم ہوا کہ مجسٹریٹ صاحب ہائی کورٹ گئے ہوئے ہیں اور وہاں سے واپس آ کر عدالت میں بیٹھیں گے۔ میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ انتظار میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک پولیس والا میرے پاس آیا۔اس کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ میرا چالان اس عدالت میں پیش ہوگا۔ وہ بولا کہ کب تک ایسے بیٹھے رہو گے صرف دس روپے لگیں گے میں آپ کا لائسنس واپس لا دیتا ہوں۔ میں نے قبلہ صاحب کے ہاں حاضری کو مدِنظر رکھتے ہوئے دس روپے کا نوٹ نکال کر کہا کہ یہ لیں اور میرا لائسنس

لا دیں۔ وہ صاحب چلتے چلتے مجھے کہہ گئے کہ لائسنس لا کر پیسے لوں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئے اور کہنے لگے کہ بابو کھانا کھانے چلا گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آ جائے گا تو کام ہو جائے گا۔ کچھ دیر بعد ہی یہ اعلان ہوا کہ مجسٹریٹ صاحب آج عدالت نہیں لگائیں گے۔ اس لیے تمام حضرات کل تشریف لائیں۔ چنانچہ وہاں سے میں سیدھا دفتر چلا گیا اور یوں قبلہ حضرتؒ کے ہاں حاضری نہ دے سکا۔

اگلے روز میں دوبارہ عدالت میں حاضر ہوا۔ اتفاق سے مجسٹریٹ میرا دوست ہی تھا۔ آواز پڑنے پر جب میں حاضر ہوا تو مجسٹریٹ صاحب مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمانے لگے کہ آپ پر تین دفعات لگائی ہیں تیز رفتاری، انشورنس کا نہ کروانا اور رجسٹریشن بک کا نہ ہونا۔ میں نے انشورنس اور رجسٹریشن بک پیش کر دیں اور تفصیل سے بیان کیا کہ میری تیز رفتاری کی وجہ کیا تھی۔ مگر مجسٹریٹ صاحب نے فرمایا کہ رفتار تو بہرحال تیز تھی اس لیے دس روپے جرمانہ ادا کریں۔ میں نے جرمانہ کی رقم کلرک کے پاس جمع کرا دی اور وہاں سے فارغ ہو کر سیدھا قبلہ حضرتؒ کے پاس چلا گیا۔ میں جوں ہی حاضر خدمت ہوا آپ نے پہلا سوال یہی کیا کہ کل کہاں رہے۔ چنانچہ میں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر رشوت دینے کی نیت نہ کرتے تو جرمانہ نہ ہوتا۔ آپ کے اس اشارے سے میرا دماغ چکرا گیا اور مجھے 1947ء میں پاکستان میں داخل ہوتے وقت اپنا عہد یاد آ گیا کہ مملکت خداداد میں نہ رشوت دوں گا اور نہ لوں گا۔ اسی لیے میں نے کسٹم کی نوکری کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ قبلہ حضرتؒ نے فرمایا کہ تم نے رشوت دینے کی نیت کی تھی جس کا کفارہ جرمانے اور سزا نے ادا کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ ہمیشہ عہد کو قائم رکھنا اور حق پر قائم رہنا۔ جہاں محبت اور صداقت کا سامنا ہو تو صداقت کی راہ اختیار کرنا۔ ہر حال میں محبت کو صداقت پر قربان کر دینا۔

سائل کو جھڑکو نہیں

(آفتاب احمد خانؒ)

ایک شام راقم الحروف قبلہ حضرتؒ کے پاس حاضر تھا۔ آپ کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لیے فرمایا کہ کل صبح حکیم صاحب کے ہاں چلیں گے۔ اگلے روز میں بھی حسبِ وعدہ حاضر ہو گیا۔ آپ گلبرگ میں گنبد والی کوٹھی کے برآمدے میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ اٹھے اور اندر جاتے ہوئے فرمایا کہ وضو بنا کر آتا ہوں پھر حکیم صاحب کے پاس چلتے ہیں۔ اس دوران ایک مانگنے والا فقیر بڑی بلند اور کرخت آواز گیٹ پر لگانے لگا۔ قبلہ حضرتؒ عین اسی وقت باہر تشریف لائے اور اس فقیر پر برس پڑے اور فرمانے لگے تم لوگ مانگنے کے بہانے گھروں کو لوٹ لیتے ہو۔ بھاگ جاؤ یہاں سے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔ قبلہ صاحبؒ نے بڑے ہی سخت لہجہ میں اسے ڈانٹ پلائی۔ یہ منظر دیکھ کر حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ کے الفاظ میرے دل و دماغ میں گردش کرنے لگے اور میرا سر ندامت سے جھک گیا۔ قبلہ حضرتؒ نے میری یہ حالت دیکھی تو میرے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے اور آہستہ سے فرمایا کہ میرے اس رویہ پر تمہیں تکلیف ہوئی ہے؟ میں نے ہاں میں اپنا سر ہلا دیا اور برملا کہہ دیا کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ سوالی کو نرمی اور احسن طریقہ سے فارغ کرنا چاہیے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ قبلہ حضرتؒ کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے اور فرمایا کہ وہ سوالی ابھی زیادہ دور نہیں گیا ہوگا اسے واپس بلا لاؤ۔ میں بھاگ کر گیٹ سے باہر گیا تو وہ چند قدم کے فاصلے پر ہی سڑک پر بڑبڑاتا ہوا جا رہا تھا۔ میرے پکارنے پر وہ اور بڑبڑایا اور کہنے لگا ابھی کچھ کسر باقی رہ گئی ہے جو مجھے واپس بلا رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ اس دفعہ ایسا نہیں ہوگا۔ اس پر وہ میرے ساتھ واپس آ

گیا۔ قبلہ حضرتؒ نے بڑی شفقت کے ساتھ اسے اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ غلط فہمی میں تجھے برا بھلا کہہ ڈالا۔ مجھے معاف کر دو۔ پھر جیب سے بیس روپے نکال کر اسے دے دیئے اور فرمایا کہ ہر ماہ مجھے ملنے آ جایا کرو اور جو تمہاری قسمت میں ہوگا مل جایا کرے گا۔ شاید اسی طرح میرے جرم کی تلافی ہو جائے۔ پھر میں نے اکثر دیکھا کہ وہ فقیر ہر ماہ آتا اور مجھے دیکھ کر فاتحانہ انداز میں مسکراتا اور دعائیں دیتا ہوا جاتا۔ اس سلسلے میں آپ نے مجھے خاص تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پیر بھائی (آپ اپنے مریدوں کو پیر بھائی ہی کہا کرتے تھے) لحاظ اور ادب کی وجہ سے میرے ناشائستہ رویہ پر مجھے ٹوکتے نہیں ہیں۔ تم نے فقیر کے بارے میں مجھے حدیث شریف سنا کر بہت اچھا کیا۔ شاباش!

آئندہ بھی تم مجھے ایسی باتوں پر ٹوکتے رہنا۔ جب معاملہ حق کا ہو تو اس پر ڈٹ جانا چاہیے۔ پھر آپ نے اپنی شادی کا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ میری شادی کے موقع پر رشتہ میں میرے ایک چچا جو بڑے ہر دلعزیز تھے اس بات پر مصر تھے کہ شادی پر ناچ گانا ضرور ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ناچنے گانے والوں کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں ڈٹ گیا اور برملا سب سے کہہ دیا کہ شادی ہوگی یا ناچ گانا ہوگا۔ میرا دوٹوک فیصلہ سن کر گھر والے بہت پریشان ہوئے اور ایک آدھ مرتبہ مجھے منانے کی کوشش بھی کی لیکن میں نے ایک نہ سنی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے چچا صاحب ناراض ہو گئے مگر میں نے ناچ گانا نہ ہونے دیا۔

رَن کچھ کا معرکہ

(آفتاب احمد خانؒ)

یہ وہ دن تھے جب حق و باطل کا معرکہ رن کچھ میں ہو رہا تھا۔ ہر زد و عام کی زبان پر تھا کہ بریگیڈئر جنجوعہ نے رن کچھ کے میدان میں ہندوستان کی فوج کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اخبارات میں یہ خبریں بھی تھیں کہ ہندوستانی افسر اپنے جوانوں کو پاکستانی فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بمبئی کے ہوٹلوں میں جا چھپے ہیں۔ ان کے مورچوں سے ان کے بریف کیس اور دیگر ذاتی سامان بھی پاکستانی فوج کے ہاتھ لگا جن کی تصاویر بھی چھپی ہوئی تھیں۔ میں بھی اپنے دفتر میں بیٹھا آنے جانے والوں سے اور ٹیلی فون پر تازہ ترین خبروں کے لیے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ عین اسی دوران کوئی تین بجے بعد از دوپہر میری طبیعت میں ہیجان سا برپا ہوا اور جی چاہا کہ مجھے اس وقت قبلہ حضرت انصاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اس جنگ کے بارے میں سننا چاہیے۔ میں نے اپنے کام کو جلدی جلدی سمیٹا اور کینٹ کی طرف جہاں ان دنوں حضرت صاحب کی رہائش تھی رواں دواں ہو گیا۔ راستے میں مجھے یہ خیال بھی آیا کہ اس وقت حضرت صاحب آرام فرما رہے ہوں گے۔ پھر سوچا کہ میں برآمدے میں بیٹھ کر ان کے جاگنے کا انتظار کر لوں گا۔ بہر حال انہی سوچوں میں سفر جاری رہا۔

ان دنوں لاہور کی فضا میں ایک عجیب سی کیفیت تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آسمان سے نور برس رہا ہے اور فضا ایک خاص قسم کی خوشبو سے معطر ہے۔ پاکستان کے تمام لوگ جذبہ جہاد سے سرشار تھے اور شاید یہی امر اس خاص روحانی کیفیت کا باعث تھا۔ اسی طرح کے احساسات میں میری گاڑی لاہور کینٹ کا پل پار کر رہی تھی۔ جب میں نے چوک سے دائیں طرف گاڑی موڑی تو میں نے دیکھا کہ دور بائیں جانب درختوں کے

سائے میں پگڈنڈی پر کوئی صاحب خراماں خراماں چلے آ رہے ہیں۔

مجھے ایسا ہی لگا کہ قبلہ حضرت انصاری صاحب ہیں۔ پھر خیال آیا کہ وہ اس وقت باہر اکیلے کیسے آ سکتے ہیں۔ جب کہ آپ ضعیف العمر بھی ہیں اور نظر بھی کمزور ہے۔ میں جوں جوں قریب ہوتا گیا یہ حقیقت عیاں ہوتی گئی کہ وہ حضرت صاحب ہی تھے۔ میں نے کوئی بیس گز کے فاصلے پر گاڑی روک لی۔ قبلہ صاحب نے آواز دی کون ہے؟ میں نے اپنا نام بتایا تو فرمانے لگے ''تمہاری بہت ضرورت تھی اچھا کیا جو آ گئے''

میں نے حیرت سے دریافت کیا کہ جناب آپ اس وقت سڑک پر اکیلے کیسے نکل آئے۔ مجھے فون کر دیا ہوتا میں حاضر خدمت ہو جاتا اور پھر یہ وقت تو آپ کے آرام کا ہوتا ہے۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ حق اور باطل کا معرکہ ہو رہا ہے اور میں کیا سو رہا ہوں گا۔ ساری قوم جہاد کے نشے میں جھوم رہی ہے میرا بھی جی چاہا اور لاہور کی کھلی فضا میں آ گیا ہوں۔ چلو کہیں لے چلو۔ آپ کو ساتھ لیے اب گاڑی ہارس اینڈ کیٹل شو کے میدان کے ساتھ ساتھ میاں میر والی سڑک پر چل رہی تھی۔ اردگرد میدانوں میں پاکستانی فوج سرحدوں پر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ سڑک کے کنارے ایک بڑے درخت کے نیچے چند فوجی افسر گفتگو میں مصروف کھڑے تھے۔ قبلہ صاحبؒ نے مجھے حکم دیا کہ یہاں ان افسروں کے پاس گاڑی روکو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک فوجی کرنل گاڑی کی طرف لپکا اور جھٹ سے دروازہ کھول کر فوجی طریقہ سے کھٹاک سے سیلوٹ کیا۔ قبلہ حضرتؒ گاڑی سے باہر نکلے اور کرنل صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

''اپنے اسلاف کی جنگیں تو آپ کو یاد ہوں گی۔ بس آج ہندوؤں پر ایک بار پھر ثابت کر دیں کہ مسلمانوں سے جنگ کرنا آسان نہیں۔ ان کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ پوری قوم جہاد میں آپ کے ساتھ شامل ہوگی۔'' کرنل صاحب بولے جنابِ عالی! ہم

آپ کو مایوس نہیں کریں گے ہم سینے پر گولی کھائیں گے اور قوم کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔ اس پر قبلہ صاحب نے فرمایا: ''شاباش ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا اور فتح ہماری ہوگی'' پھر قبلہ حضرتؒ گاڑی میں بیٹھ گئے اور کرنل صاحب نے گاڑی کا دروازہ ادب سے جھک کر بند کر دیا اور اب کی باران کے ساتھ ساتھ باقی تمام افسروں نے بھی بیک وقت سلیوٹ کیا جس کا قبلہ حضرت نے ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا اور ہم آگے بڑھے۔ قبلہ حضرت آنکھیں بند کیے کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور داہنے ہاتھ کی انگشتِ شہادت ہلا رہے تھے جیسے کوئی بات کر رہے ہوں۔ آخرکار آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: ''دیکھا تم نے ان فوجی جوانوں کے چہرے کیسے دمک رہے تھے اور میدان جنگ میں جانے کے لیے کس قدر بے قرار تھے۔ ہزاروں سالوں کی عبادت سے جہاد فی سبیل اللہ کی یہ ساعت بہتر ہے۔ ماشاء اللہ کیسے پرنور چہرے دیکھے ہیں۔'' تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پوچھا کہ یہ کون سی بستی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جناب ہم میاں میر صاحبؒ کے علاقے سے گزر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا چلو یہاں میاں میر صاحب کے پاس چلتے ہیں۔ چنانچہ میں نے مناسب جگہ پر گاڑی روکی اور ہم مزار کے اندر چلے گئے وہاں پہلے ہی بہت سے لوگ موجود تھے۔ قبلہ حضرتؒ ایک جگہ فاتحہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور میں آپ کے عین پیچھے کھڑا ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد مجھے فرمایا: چلو چلیں۔ آپ مزار سے باہر آ کر ایک خوبصورت چھوٹے سے درخت کے سائے میں کھڑے ہو گئے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے۔ ''پتہ ہے میاں صاحبؒ سے کیا بات چیت ہوئی'' میں نے کہا: نہیں حضور مجھے کیا پتہ کہ کیا بات چیت ہوئی۔ فرمانے لگے: میں نے میاں صاحبؒ سے کہا جناب حق اور باطل کا معرکہ ہو رہا ہے ذرا زور لگائیں۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارا دور اب ختم ہو چکا ہے اب آپ زور لگائیں یہ آپ کا دور ہے۔ پھر آپ کھڑے

کھڑے گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر مزار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں اور تمہارے اعتقاد میں بڑا فرق ہے یہ وجودی ہیں۔ پھر یوں لگا جیسے کسی آواز پر متوجہ ہو کر خاموش ہو گئے ہیں اور یوں ارشاد فرمایا کہ ابھی ابھی میاں صاحب نے کہا کہ انصاری صاحب مرنے کے بعد سب ایک ہو جاتے ہیں۔

میں آج کی صحبت اور حالات کے مشاہدے سے بہت حیران تھا کہ انسانی زندگی میں ایسی ایسی باتیں اور حقیقتیں بھی ہوتی ہیں۔ جب ہم گھر واپس لوٹے تو میں نے قبلہ حضرتؒ سے حضرت میاں میرؒ سے ہونے والی گفتگو دہرائی تو فرمایا کہ مجھے تو کچھ یاد نہیں اللہ ہی جانے۔ پھر فرمانے لگے بوڑھا ہوں آج بہت تھک گیا ہوں۔ چنانچہ میں نے اجازت لی اور اپنے دفتر واپس آ گیا۔

جنگِ ستمبر اور صدر ایوب خاں کی تقریر

(آفتاب احمد خانؒ)

ستمبر 1965ء کی جنگ کے بھی عجیب وغریب واقعات ہیں۔ ان دنوں ہر شخص کی زبان پر یہ کلمات تھے کہ پاک فوج بھارت کی عسکری قوت کو ہر محاذ پر پامال کر رہی ہے۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ پاک فوج کی جرأت اور بہادری کے کارنامے یورپ کے اخبارات میں شائع کروا رہے تھے۔ خاص طور پر کشمیر میں توی دریا کو عبور کر کے بھارت کے مضبوط ترین مورچوں کو تباہ کرنا اور پھر جموں شہر کے بلند پہاڑی علاقے میں دشمن پر کاری ضرب لگانا۔ اور یوں پاکستانی فوج کی دھاک سارے بھارت پر بیٹھ گئی۔ ادھر پاک فضائیہ کے شاہین پلٹ پلٹ کر حملہ آور ہو رہے تھے اور بھارتی فضائیہ کو گھٹنوں بٹھا رہے تھے۔ پسرور کے ہوائی اڈہ پر بھارت کا ایک تیز رفتار لڑاکا نَیٹ (GNAT) اتار لیا گیا تھا۔ میں ان دنوں شادی کی ایک تقریب پر وہاں گیا ہوا تھا۔ اردگرد کے علاقے کے لوگ جوق در جوق بھارتی طیارے کو دیکھنے کے لیے پسرور کے ہوائی اڈے پر جا رہے تھے۔ میں نے اس جہاز کا دور سے نظارہ کیا۔ یہ خبر بھی تھی کہ جب یہ طیارہ اتارا گیا اور پائلٹ کو گرفتار کیا گیا تو اس نے کہا کہ اس طیارہ کو بھارتی فضائیہ حملہ کر کے اسی جگہ تباہ کر دے گی کیوں کہ اسے یہاں سے کسی محفوظ ہوائی اڈے پر اڑا کر لے جانا پاکستانی پائلٹوں کے بس کی بات نہیں کیوں کہ اسے اڑانے کی مہارت صرف بھارت کے پاس ہے۔ شام کا وقت ہونے کو تھا اور ہم اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ پسرور شہر کی طرف واپس آ رہے تھے تو ہم نے دیکھا کہ وہی طیارہ پسرور سے اڑ کر فضا میں بلند ہو گیا ہے۔ دوسرے دن کے اخبارات سے پتہ چلا کہ ایک پاکستانی شاہین نے وہ طیارہ اڑایا اور بحفاظت سرگودھا ائربیس پر اتار لیا۔ میں اگلی صبح لاہور واپس آ گیا اور راستے ہی میں پتہ چلا کہ ہندوستان نے واہگہ پر حملہ کر

دیا ہے۔ لاہور کی فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہی تھی اور لاہوری سڑکوں پر گروہ در گروہ جمع تھے اور ہر فرد بھارت کی مرمت اور ٹھکائی کرنے کے لیے مستعد تھا۔ میں جلدی جلدی گھر پر بچوں کو اتار کر قبلہ حضرت انصاری صاحب کے ہاں گلبرگ چلا گیا۔ وہاں کافی پیر بھائی جمع تھے اور قبلہ حضرت درمیان میں بیٹھے مسکراتے ہوئے محوِ گفتگو تھے۔ میں جب حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تمہارے پاس بہت ہی خوش کن خبریں ہیں'' اس پر میں نے پسرور کی ساری باتیں بیان کیں۔ قبلہ حضرت سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ معرکہ تو اب شروع ہوا ہے اور لاہور میں پاک فوج کی جرأت اور بہادری تاریخ کا حصہ بنے گی۔ تمام اسلامی دنیا کی نظریں اب لاہور کے محاذ پر لگی ہوئی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ فتح پاکستان کی ہوگی اور بھارتی فوج بہت جلد پیچھے دھکیل دی جائے گی اور اپنے زخم جالندھر میں جا کر چاٹے گی۔ اسی دن عین گیارہ بجے ریڈیو پر صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خاں صاحب کی تقریر تھی اور لوگ بڑی بے تابی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی گیارہ بجے ریڈیو پر اعلان ہوا کہ اب صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خاں قوم سے خطاب فرمائیں گے تو فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ اور اس وقت تو لوگوں کی عجیب حالت تھی جب صدر پاکستان نے اپنی گونجدار آواز میں کہا کہ دشمن نے رات کے اندھیرے میں مکاری سے بغیر اعلانِ جنگ کیے ہماری سرحدوں پر حملہ کیا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس نے کس قوم کو للکارا ہے۔ عین اس وقت قبلہ حضرت نے عجیب آواز اور قوت کے ساتھ **لا الٰــــہ الا اللہ** کا نعرہ لگایا۔ اور عجیب اتفاق تھا کہ اس کے فوراً بعد صدر پاکستان نے بھی یہی کلمہ دہراتے ہوئے کہا کہ کلمہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا ورد کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑو اور یوں کلمہ توحید تمام پاکستانیوں کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔

معرکہ لاہور اور 1965ء کی جنگ کی عجیب بات یہ تھی کہ **لا الٰہ الا اللہ** کا ذکر ہر شخص کی

زبان پر جاری ہو گیا اور ہمارا حلقہ ذکر ایک مستانے مجاہد کی وجہ سے کیف و مستی میں ڈوب گیا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجاہد کی ایک ساعت ہزار ولیوں کی عبادت اور ذکر پر حاوی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ہفتہ وار محفل ذکر میں ہمارا کوئی نہ کوئی فوجی مجاہد بھائی وقت نکال کر شامل ہو جاتا تو محفل کا رنگ ہی بدل جاتا۔ قبلہ حضرت کی کیفیت کچھ عجیب ہی ہوتی تھی۔ کبھی تو خوشی سے چہرہ دمک جاتا اور کبھی آنکھوں سے ندیاں بہہ نکلتیں۔ قبلہ حضرت نے اس جنگ کے تمام ایام اپنی گلبرگ والی رہائش گاہ گنبد والی کوٹھی کے لان میں اگے ہوئے سکھ چین کے درخت کے نیچے ہی گزار دیئے۔ ریڈیو آپ کے پاس ہوتا تھا اور آپ اہم اعلانات اور خبریں خوب غور سے سنتے اور دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی کی حرکت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اشاروں سے کچھ احکامات دے رہے ہیں۔ ایک صبح میں حاضر خدمت ہوا تو وہاں چند دوسرے پیر بھائی بھی تشریف رکھتے تھے اور بات چیت قلب کے جاری ہونے کے بارے میں چل رہی تھی۔ قبلہ حضرتؒ فرما رہے تھے کہ بڑی ہی ریاضت سے اور کسی اہل دل ولی کی خاص توجہ سے قلب جاری ہوتا ہے۔ یوں کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ کام ہوتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے نوازتا ہے تو صدر ایوب جیسے انسان کے منہ سے کلمہ توحید نکلواتا ہے تو بارہ کروڑ پاکستانیوں کے قلب جاری وساری کر دیتا ہے۔ کہاں گئی وہ ریاضت اور ولی کی توجہ؟ یہ معاملہ حساب و کتاب سے ماوراء ہے۔ میں نے اس وقت نظر اٹھا کر دیکھا تو قبلہ حضرت کی آنکھوں سے دو موتی ڈھلک پڑے۔ عین اس وقت پھر فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس معرکہ حق و باطل کی وجہ سے اس دور میں حقیقت جہاد سے آشنائی ہوئی۔ ہم پاکستانی اس سلسلہ میں بہت خوش قسمت ہیں۔

پارسی وکیل کی عقیدت

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

غالبًا اوائل 1974ء کی بات ہے کہ جب راقم الحروف قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کے پاس سوٹ بوٹ اور جناح کیپ میں ملبوس ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا اور مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔ قبلہ حضرتؒ نے مجھے ان سے متعارف کروایا اور ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ رستم سدھوا صاحب ہیں اور ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ ہیں وہ صاحب تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے تو آپ نے فرمایا:

''رستم سدھوا صاحب کو روحانیت سیکھنے کا شوق ہے۔ کسی صاحب نے انہیں میرا پتہ بتایا تو یہاں آ گئے اور کہنے لگے کہ میں روحانیت کا طالب ہوں اور اسلامی تصوف کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ میں نے انہیں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی لکھی ہوئی کتاب ''قول الجمیل'' دی کہ اسے پڑھ لیں۔ اس میں تصوف کے مشہور چاروں سلسلوں کے سلوک کے بارے میں کافی اچھی اور مفید باتیں تحریر ہیں۔ انہوں نے آج وہ کتاب یہ کہتے ہوئے مجھے لوٹا دی کہ اس سے مجھے بہت کچھ حاصل ہوا اور میں نے خود اس کی ایک جلد خرید لی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ روحانیت کے لیے مجھے بھی اپنے مریدوں میں شامل کر لیں اور ذکر وغیرہ کرنے کی تلقین فرمائیں۔

میں نے کہا کہ آپ کو ہم باقاعدہ بیعت تو نہیں کریں گے لیکن روحانی فیض پورا دیں گے۔ تم اپنے مذہب پر رہتے ہوئے ہمارے شاگرد بن جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ صرف اس لیے تمہیں مسلمان کروں، تمہاری بیوی کو طلاق ہو جائے اور تم اپنے خاندان سے کٹ جاؤ

اور وہ سب مجھے بددعائیں دیتے رہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ پارسی مذہب میں اگرچہ علامتی طور پر آگ کی پرستش کی جاتی ہے لیکن اس کائنات کو پیدا کرنے والی ہستی کو کس نام سے پکارا جاتا ہے؟ اس نے جو بتایا میں نے کہا اس نام کا پاس انفاس کے طریقے پر ہر سانس کے ساتھ ذکر کرنا شروع کر دو اور پیچھے سے کرنٹ ہم سپلائی کریں گے اور تمہاری ہر مراد پوری ہو جائے گی''

اس کے بعد شاید ہی ان سے میری ملاقات ہوئی ہو لیکن سب بھائی جانتے تھے کہ سدھوا صاحب قبلہ حضرت انصاری صاحب کو اپنا مرشد جانتے ہیں اور آپ کا وصیت نامہ بھی انہوں نے تحریر کیا تھا۔ کافی عرصہ بعد بشیر مرزا صاحب کی والدہ ماجدہ کے ایصال ثواب کے لیے ختم شریف کی مجلس میں ان سے ملاقات ہوئی تو سدھوا صاحب نے فرمایا: ''ڈار صاحب! میں بھی آپ کا پیر بھائی ہی ہوں۔ قبلہ حضرت کی دعاؤں کے طفیل ہی پہلے میں ہائی کورٹ کا جج بنا اور پھر سپریم کورٹ کے جج کے عہدے سے ریٹائر ہوا ہوں۔ ورنہ ایک اسلامی ملک میں کسی پارسی کا سپریم کورٹ کا جج بنایا جانا عجوبہ ہی ہے۔ جب قبلہ صاحب مجھے اپنا وصیت نامہ لکھوا رہے تھے تو جانشینی والے پیراگراف کو ہر سقم سے پاک اور محفوظ بنانے کے لیے مجھے کئی چکر لگوائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر چکر کے بدلے میں میری ترقی ہوتی رہی۔ مجھے عبدالستار خاں صاحبؒ نے بھی یاد فرمایا تھا کہ شاہد صاحب کی جانشینی کے لیے ان کا وصیت نامہ بھی رقم کر دوں۔ میں نے معذرت کرتے ہوئے گزارش کی کہ قبلہ انصاری صاحب کی وصیت کے مطابق آپ ایسا کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ پھر انہوں نے اصرار نہ کیا اور نہ ہی مجھے دوبارہ بلوایا۔ کسی دوسرے وکیل سے لکھوا لیا'' اس تقریب کے بعد پھر انہیں دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اگرچہ دوسرے کئی پیر بھائی جن کے ان کے ساتھ قریبی تعلقات تھے لاہور میں ان سے ملتے رہتے تھے۔ پھر ان کو بین الاقوامی عدالت انصاف جینوا کے لیے جج کی حیثیت سے منتخب کر لیا گیا جو ملک پاکستان اور ان کی ذات دونوں کے لیے ایک اعزاز ہے۔

باباجیؒ کے دوست

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

سلسلہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ دہلی سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے تھے۔ کچھ عرصہ کے لیے آپ نے وہاں انڈین آرمی کے ہیڈ کوارٹر میں مترجم کی حیثیت سے ملازمت بھی کی تھی۔ راقم الحروف ائیر فورس کی ملازمت کے دوران 1964ء سے 1968ء تک رسالپور میں تعینات تھا۔ یہ حسنِ اتفاق ہے کہ قبلہ حضرتؒ کے دو دوستوں سے میری ملاقات رسالپور میں ہوئی۔ وہاں میری رہائش صدر بازار میں جگی بلڈنگ کے پاس مبارک شاہ صاحب سے لیے ہوئے کرائے کے مکان میں تھی۔ ایک دن دروازے پر دستک ہوئی تو باہر آ کر دیکھا کہ پاجامہ کرتہ میں ملبوس، سیاہ رنگ کی رامپوری ٹوپی پہنے، داڑھی مونچھ صاف ایک دھان پان سے بزرگ کھڑے ہیں۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ میرا نام عزیز احمد ہے اور میں انصاری صاحب کا دوست ہوں۔ میں لاہور گیا تو انہوں نے مجھے آپ کے نام خط دیا۔ یہ سن کر مجھے دلی مسرت ہوئی۔ میں نے انہیں اندر بٹھایا اور ان سے خوب گپ شپ ہوئی۔ وہ ہمارے قریب ہی ریلوے پھاٹک کے ساتھ واقع کنٹونمنٹ ڈسپنسری کے سامنے رہتے تھے اس لیے ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ انہیں حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی مجالس میں حاضری کا شرف بھی حاصل تھا۔ اس لیے ان سے اپنے بزرگوں کی بڑی مزے مزے کی باتیں سننے کو ملتیں۔ وہ بہت ہی کم گو اور سیدھے سادے انسان تھے۔ کچھ عرصہ بعد قبلہ حضرتؒ نے ایک مجلس میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''عزیز احمد واقعی میرا دوست تھا۔ ہم نے کافی وقت اکٹھے گزارا۔ وہ بہت ہی پرخلوص

اور بھولا بھالا انسان ہے۔ہم دہلی میں تھے تو اس نے مجھ سے شادی کرنے کے بارے میں مشورہ کیا۔ میں نے کہا کہ تم تو بڑے فیشن ایبل اور شاہ خرچ قسم کے انسان ہو بھلا اس تنخواہ میں بیوی بچوں کا خرچہ کس طرح پورا کرو گے۔ اکیلی بیوی کا مسئلہ تو نہیں ہے شادی کے بعد دو چار بچے بھی تو ہوں گے۔ اگر تمہارا بجٹ ایک کنبے کی کفالت کر سکتا ہے تو خوشی سے شادی کر لو۔ وہ شریف آدمی اس حساب کتاب میں ایسا پڑا کہ عمر بھر شادی نہیں کی۔ وہ رسالپور میں اپنی بہن کے پاس رہتا تھا۔ ملازمت سے جو رقم ملی وہ اس نے اپنے بھانجوں کی تعلیم وغیرہ پر خرچ کر دی۔ وہ گزشتہ برس عمرے پر جانے سے قبل مجھے ملنے آیا تھا اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں۔ اللہ جانے وہ کہیں وہاں ہی نہ رہ گیا ہو'

قبلہ حضرتؒ کے جو دوسرے دوست رسالپور میں اتفاق سے دریافت ہوئے ان کا اسم گرامی حاجی محمد ظریف تھا اور وہ اپنے صاحبزادے محمد یونس صاحب جو اس وقت ائیر فورس میں فلائٹ لیفٹیننٹ تھے کے ساتھ مقیم تھے۔ حاجی صاحب کا معمول تھا کہ آپ ہر سال ایامِ حج میں ایک محفل منعقد کر کے اپنے حج کے واقعات بیان کر کے اپنی مقدس یادیں اور سامعین کا ایمان تازہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ مجلس ہمارے بھائی ملک رمضان میاں کے گھر میں منعقد ہوئی جس میں تمام حاضرین ہمارے توحیدی بھائی تھے۔ حاجی صاحب کے بیان کے بعد جب عام گفتگو ہوئی اور باتوں کا رخ روحانیت کی طرف مڑا تو قبلہ حضرتؒ کا ذکر چھڑ گیا۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا نام سن کر حاجی صاحب چونک پڑے اور فرمایا کہ کیا یہ خواجہ عبدالحکیم انصاری دہلی کے رہنے والے تو نہیں ہیں جو کبھی آرمی ہیڈ کوارٹر میں ملازمت کرتے تھے؟ کیا وہ پیر بن گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ یہ وہی انصاری صاحب ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی ہے اور ہم سب بھائی ان کے حلقہ بیعت میں شامل ہیں۔ اس پر حاجی صاحب نے بتایا کہ وہ بھی انصاری صاحب کے ساتھ ہی ملازم تھے۔ اس کے بعد سلسلہ توحیدیہ

کے بانی اور سلسلہ کے بارے میں تفصیل سے بات چیت ہوتی رہی۔ پھر حاجی صاحب نے قبلہ حضرتؒ سے خط و کتابت کے لیے ان کا ایڈریس بھی لے لیا۔ حاجی صاحب اللہ کے فضل سے تہجد گزار اور زاہد و عابد قسم کے انسان تھے۔ قبلہ حضرتؒ کی ہدایت پر آپ چند ماہ ہماری ذکر کی محفلوں میں شامل ہوتے رہے۔ پھر ہم انہیں 1966ء کے سالانہ اجتماع پر اپنے ساتھ نوشہرہ ورکاں لے گئے تاکہ آمنے سامنے حسابِ دوستاں ہو سکے۔

چنانچہ وہاں دونوں بزرگوں کی خوب محفل جمی اور حاجی صاحب اپنی دوستی کا حق جتا کر اصرار کرتے رہے کہ ایک ہی نظر میں میرا کام کر دیں۔ قبلہ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمتی۔ کچھ دیر جم کر اللہ اللہ کرو دو تین برسوں میں تمہارا کام ہو جائے گا۔ اس پر حاجی صاحب نے کہا کہ اتنا انتظار نہ کراؤ بوڑھا آدمی ہوں زندگی کا کیا اعتبار ہے۔ یہ سن کر قبلہ حضرتؒ نے فرمایا ''خدا کی قسم! تم نہیں مرو گے لاؤ میں لکھ کر دے دیتا ہوں'' حاجی صاحب تصوف کی کتابوں کے حوالہ سے عرض کرتے کہ بزرگ تو نگاہوں کے خنجر کے ایک ہی وار سے کام تمام کر دیتے تھے آپ بھی میرے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ کریں۔ قبلہ حضرتؒ نے انہیں تشفی دی اور بڑے پیار سے سمجھایا کہ فقیری کا راستہ عاشق لوگوں کا ہے اور آپ میں عشق کی کمی ہے۔ میں نگاہوں کا خنجر تو مارتا ہوں لیکن آپ کے دل پر کثرت عبادت سے ریشم اور زربفت کے اتنے تھان لپٹے ہوئے ہیں کہ خنجر اثر ہی نہیں کرتا۔ آپ ماشاءاللہ پانچ وقت کے نمازی ہیں، تہجد گزار ہیں، ہر وقت ذکر و اذکار میں مشغول رہتے ہیں تو اللہ جنت تو دے ہی دے گا۔ آپ کو کیا مصیبت پڑی ہے فقیری کے بکھیڑوں میں پڑنے کی۔ اگرچہ حاجی صاحب کے من کی مراد تو پوری نہ ہوئی لیکن اجتماع پر حاضر برادران سلسلہ حاجی صاحب اور قبلہ حضرتؒ کے مکالمہ سے بڑے محظوظ ہوئے اور حاجی صاحب کو مدتوں یاد کرتے رہے۔ قبلہ حضرتؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ حاجی ظریف صاحب ملازمت کے دوران ہمارے ساتھی ضرور تھے لیکن مزاج کے اختلاف کی

وجہ سے ان سے ہماری دوستی اتنی گہری نہ تھی۔

ریڈیو پاکستان کی مشہور شخصیت زیڈ اے بخاری آپ کے نہایت ہی بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''ہم جب کراچی میں اکٹھے تھے تو بخاری سے خوب ملنا جلنا رہتا تھا۔ ان کے ساتھ بے تکلف مجلسیں جمتیں اور دوستانہ مزاح ہوتا۔ ایک دن میں اسے ملنے گیا تو خلافِ معمول وہ بڑے سنجیدہ اور مودب طریقے سے پیش آیا۔ میں نے کہا سالے آج تجھے کیا سانپ سونگھ گیا ہے۔ جو یہ بے گانگی برت رہے ہو۔ اس نے کہا انصاری صاحب! میں معذرت خواہ ہوں آئندہ آپ مجھ سے کسی بدتمیزی یا بے تکلفی کی توقع ہرگز نہ رکھیں۔ وجہ پوچھنے پر اس نے کہا کہ پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ پیر بھی ہیں۔ اب مجھے پتہ چل گیا ہے اس لیے آپ کا احترام مجھ پر واجب ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ پیر ہوں گا تو دوسروں کا تمہارا تو نہیں ہوں۔ لیکن وہ نہیں مانا۔ پھر ہم نے اس کے پاس جانا ہی بند کر دیا۔ ہم تو جاتے تھے کہ بے تکلف دوستوں میں بیٹھ کر خوش گپیاں لگانے کا موقع مل جاتا تھا۔ لیکن کسی ظالم نے وہاں بھی ہماری مخبری کر دی اور ہمیں دوستوں کی محفل سے محروم کر دیا۔''

کھائے ہوئے بُھس کی مانند

(آفتاب احمد خانؒ)

قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی مگر جامع سورت ''الفیل'' ہے۔ اس میں ابرہہ کا ذکر ہے جو خانہ کعبہ کو گرانے کی غرض سے ہاتھیوں کی فوج لے کر حملہ آور ہوا۔ اللہ تعالیٰ جو قوی و غالب ہے اسے کب یہ گوارا تھا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کو حکم دیا اور پھر ان پرندوں نے اپنی چونچوں سے چھوٹے چھوٹے پتھر اور کنکریاں اس لشکر پر برسائیں اور یوں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ سرکش فوج تباہ کر دی گئی۔ اس سورت کی آخری آیت میں عجیب انداز میں فرمایا گیا۔ **فجعلھم کعصف ماکول** یعنی اللہ تعالیٰ نے اس لشکر کو تباہ کر کے کھائے ہوئے بُھس کی مانند بنا دیا۔ جب میں نے چونڈے کے محاذ پر عیدگاہ سے بھارتی فوج کی تباہی کا منظر جنگ بندی کے عین دوسرے دن دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کا یہی حصہ میرے ذہن پر طاری تھا۔ آج جب اس واقعہ کو قلم بند کر رہا ہوں تو دوبارہ اسی کیفیت میں چلا گیا ہوں اور اسی وجہ سے اس مضمون کا عنوان بھی ''کھائے ہوئے بُھس کی مانند'' رکھا ہے۔

ہوا یوں کہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ بندی سے ایک دن پہلے میرے ایک پیر بھائی جمیل گل صاحب میرے دفتر میں آئے اور کہنے لگے کہ مجھے کل چونڈے محاذ پر جانا ہے۔ جس کے لیے ایک دن آپ کی گاڑی درکار ہے۔ میں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ پسرور اور چونڈے کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔ یہ سن کر مایوسی سے میاں صاحب کا منہ لٹک گیا۔ پھر میں نے دھیمی آواز میں کہا کہ اگر میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں تو کیسا رہے گا۔ انہوں نے حیرت سے میری طرف دیکھ کر قہقہہ لگایا اور دمکتے ہوئے چہرے سے کہا کہ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ چنانچہ شام چار

بجے ہم دونوں بھائی قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سے ہمیں محاذ پر جانے کی اجازت مل گئی۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تم نے تو ساری جنگ ہر محاذ پر لڑی ہے میں تمہاری واپسی کا بے تابی سے انتظار کروں گا۔

تمہاری زبان سے میدانِ جنگ کا حال سننے کا لطف کچھ اور ہی ہوگا۔ قبلہ حضرتؒ نے ہمیں اللہ حافظ کہا اور ہم دونوں بھائی اس محفل رندانہ سے اٹھ کر گھروں کو چل دیئے۔

اگلے روز صبح سویرے ہی ہم پسرور ضلع سیالکوٹ کی جانب روانہ ہو گئے۔ میاں جمیل گل صاحب نے بتایا کہ پہلے ہمیں میجر جان (JOHN) جو ہائی سکول پسرور میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں سے رابطہ کرنا ہوگا۔ میجر دلاور بٹ صاحب جو چونڈہ محاذ پر متعین تھے کو ہمارے آنے کی اطلاع دی جا چکی تھی۔ میجر دلاور بٹ میاں صاحب کے کلاس فیلو رہ چکے تھے اور انہوں نے ہی میاں صاحب کو چونڈہ آنے کی دعوت دی تھی۔ وہ اپنی اور دیگر ساتھی افسروں کی انشورنس پالیسی بھی خریدنا چاہتے تھے۔ ہم نو بجے صبح پسرور پہنچ گئے اور ہائی سکول کی عمارت کے قریب میجر جان کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ آج ہی سامنے والی ایک فیکٹری میں منتقل ہو گئے ہیں۔ ہم نے وہاں جا کر فوجی گارڈ سے رابطہ کیا تو اس نے میجر صاحب کو اطلاع کر دی۔ پیغام ملنے پر میجر صاحب خود فیکٹری گیٹ پر آ گئے اور ہمارا پُر خلوص استقبال کیا اور ہمیں بتایا کہ میجر دلاور بٹ صاحب نے انہیں ہماری آمد کا بتا رکھا تھا۔ میجر جان صاحب سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ ایک دن پہلے ان کے والد صاحب وفات پا گئے لیکن وہ اپنے گھر نہیں گئے حالانکہ سیالکوٹ وہاں سے صرف بیس میل دور ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے دوسرے عزیز رشتہ دار کفن ودفن کا کام سرانجام دے سکتے ہیں لیکن فوج اور ملک نے جو ذمہ داری مجھے دی ہوئی ہے اسے صرف میں ہی انجام دے سکتا ہوں اور مجھے ہی انجام دینی چاہیے۔ اس لیے میں اپنی ڈیوٹی پر ہوں۔

میجر صاحب نے ہماری گاڑی فیکٹری کے صحن میں پارک کروا کر کیموفلاج کروا دی اور

ہمیں ایک فوجی جیپ پر سوار کروا دیا اور ڈرائیور کو ہدایات دے کر ہمیں رخصت کر دیا۔ جیپ چونڈے کی طرف رواں دواں تھی اور ڈرائیور ہمیں پاکستانی فوج کی بہادری کے واقعات سنا رہا تھا۔ میجر جان کے بارے میں اس نے بتایا کہ ہمارے ہیڈ کوارٹر نے انہیں والد کی وفات پر گھر جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ملک کو میری محاذ پر زیادہ ضرورت ہے اور میں ہرگز یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ واپسی پر جب یہ بات ہم نے قبلہ حضرتؒ کو بتائی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ عیسائی مذہب والے پاکستانی بھی کسی طرح ملکی دفاع کے معاملے میں ہم سے پیچھے نہیں رہے۔ اس جنگ میں تمام پاکستانیوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک متحد قوم بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

لاہور کے ایک مشہور انگریزی اخبار کے فوٹو گرافر مسٹر جان مسیح جنگ کے دوران ایک دن ہمارے کلب کی وار کمیٹی کے دفتر میں تشریف لائے تو وہ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ ہم نے وجہ پوچھی تو وہ فخر سے سر اٹھا کر کہنے لگے کہ آج میں بھی قوم کے سامنے سرخرو ہو گیا ہوں۔ میرا بیٹا جو پاک فضائیہ میں سکواڈرن لیڈر ہے اسے ستارہ جرأت سے نوازا گیا ہے۔

چونڈہ کا قصبہ تقریباً پانچ میل دور تھا اور دن کے بارہ بج چکے تھے۔ ڈرائیور نے کھیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمیں پاک فوج کی بھاری توپوں کا نظارہ کروایا جو چونڈہ کے محاذ پر بھارتی افواج پر آگ برسا رہی ہیں اور میجر دلاور بٹ چونڈہ میں ہمارے او پی (O.P) تھے۔ اسی اثنا راستے میں کھڑے فوجی جوانوں نے ہماری جیپ کو روک لیا اور کہا کہ آگے جانے کا حکم نہیں ہے کیوں کہ سامنے والے گاؤں میں جرنیل صاحب آئے ہوئے ہیں اور افسروں کی میٹنگ ہو رہی ہے۔ آپ کے دوست میجر بٹ بھی وہاں ہی ہیں۔ انہوں نے ہمیں ہدایت دی کہ آپ نزدیکی کماد کے کھیت میں چھپ کر بیٹھ جائیں۔ جب جرنیل صاحب چلے جائیں گے تو ہم میجر صاحب کو اطلاع کر دیں گے اور ملاقات ہو سکے گی۔ چنانچہ ہم کوئی دو گھنٹے تک کماد کے کھیت میں بیٹھے رہے۔ آخر

کار ایک فوجی جوان آیا اور ہمیں اپنے ہمراہ گاؤں کے ایک وسیع مکان میں لے گیا۔ وہاں بہت سے فوجی افسر جمع تھے جن میں میجر دلاور بٹ بھی شامل تھے۔سب آفیسر ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے اور دمکتے چہروں سے ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔معلوم ہوا کہ جنرل صاحب اس میٹنگ میں بہادری اور جرأت کے تمغوں کی اطلاع بھی افسروں کو دے گئے ہیں۔ان میں ہمارے میزبان میجر دلاور بٹ کو بھی تمغہ جرات سے نوازا گیا تھا۔ملاقات ہونے پر انہوں نے سب سے پہلے تو معذرت کی کہ اچانک منعقد ہونے والی میٹنگ کی وجہ سے آپ لوگوں کو زحمت ہوئی۔ہم نے بہادری کا اعزاز عطا ہونے پر انہیں مبارک باد دی تو فرمایا کہ یہ تو ڈیوٹی کا حصہ تھا۔پوری فوج بڑی بہادری سے لڑی ہے۔اور ہر فرد نے اپنے فرض کو خوب نبھایا ہے۔بٹ صاحب نے میاں صاحب کا اور میرا ہاتھ پکڑا اور ہمیں ایک کمرے میں لے گئے جہاں ایک میز پر کھانا چنا ہوا تھا۔ہمیں بھوک لگی ہوئی تھی اس لیے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔جب فارغ ہوئے تو میجر صاحب نے فرمایا کہ جس مقصد کے لیے آپ کو زحمت دی گئی ہے اب وہ بھی پورا ہونا چاہیے۔انہوں نے بتایا کہ تمام افسر جنہوں نے انشورنس کروانی ہے وہ یہاں موجود ہیں۔ چنانچہ دس افسروں نے بیمہ پالیسیاں خریدیں اور ہم چار بجے کے قریب فارغ ہوئے۔تمام افسر بھی اپنے اپنے مورچوں میں واپس جا رہے تھے۔ یہ ایک عجیب منظر تھا۔مجاہدین اسلام ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور اللہ حافظ کہہ کر اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔وہ ایک بار پھر نئے عزم کے ساتھ اپنے ملک پر اللہ کی خاطر قربان ہونے کے لیے ہنستے مسکراتے ہوئے بےخطر خوشی سے ہوا میں ہاتھ لہراتے ہوئے اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔میجر بٹ صاحب نے ہماری جیپ کو فارغ کر دیا اور ہمیں اپنی جیپ میں بٹھا لیا اور چونڈہ کی طرف چل دیئے۔میجر صاحب نے راستے میں جوانوں کی بہادری کے کئی قصے سنائے اور فرمایا کہ معجزوں کے بارے میں اب تک تو ہم نے صرف سن ہی رکھا تھا مگر چند دنوں کی جنگ میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار معجزے اپنی

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

آنکھوں سے دیکھ لیے ہیں۔ انھوں نے اپنا بریف کیس اٹھا کر دکھایا اور میاں صاحب سے کہنے لگے کہ میرا یہ بریف کیس بھی غازی ہے کیوں کہ اسے بھی جنگ میں گولی لگ چکی ہے۔ اس میں سوراخ تو ہو گیا ہے لیکن یہ تندرست اور توانا ہے اور ہم دونوں آپ کے سامنے زندہ ہیں۔ اس بریف کیس نے اپنے سینے پر گولی کھا کر مجھے بچا لیا۔ ان کی باتوں نے ہم پر عجیب سی کیفیت طاری کر رکھی تھی۔ اتنے میں جیپ ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ رکی۔ تو میجر صاحب نے فرمایا کہ یہ ہے چونڈہ جہاں غازیوں اور شہیدوں نے دنیا کی سب سے بڑی ٹینکوں کی جنگ جیتی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی خاص مدد شامل تھی۔ پتہ نہیں مسلمان مجاہدوں میں کیسا جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہر جوان بے خوف ہو گیا تھا اور اس سرزمین پر شیر کی طرح دھاڑتا ہوا چلتا تھا۔ کچھ جوانوں نے اپنے افسروں اور ساتھیوں سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ شہادت کے بعد ہمیں اسی جگہ دفن کر دینا میں نے سب سے پہلے عیدگاہ کے ساتھ ڈھلوان پر ان شہیدوں کی قبروں کو دیکھا اور فاتحہ پڑھی۔ آپ یقین کریں کہ اس جگہ سے عجیب اور پر کیف سی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ اور قبروں کے اندر سے پر مسرت ترانوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ قبروں کے قریب گزرتے ہوئے میرے ہونٹوں سے بے اختیار ''مرحبا'' نکلا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے جواب ملا کہ یہ تو ہماری ادنیٰ سی خدمت تھی۔ میں نے دعا دیتے ہوئے کہا اللہ جزائے خیر دے اور ہمیشہ کی زندگی عطا فرمائے گا۔ پھر میجر صاحب ہمیں عیدگاہ کے بالائی حصہ میں لے گئے۔ سامنے میلوں تک کھلا میدان پھیلا ہوا تھا اور وہاں بھارت کے بھاری بھرکم ٹینک آج بھی جل رہے تھے اور ان سے دھواں اٹھ رہا تھا اور حدِ نگاہ تک کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا۔ پتہ چلا کہ بزدل دشمن کے فوجی اپنے مورچوں میں دبکے بیٹھے ہیں۔ پھر ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اپنے جوان ٹولیوں میں ادھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ چند نوجوانوں کو ایک کنوئیں کے پاس تیل مالش کرتے اور نہاتے دیکھا۔ چند خوشی میں گانے بھی گنگنا رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اللہ کے سپاہیوں اور بتوں کے بچاریوں کا فرق ملاحظہ کیا جس کے بارے

میں بیرونی پریس نے بھی نمایاں خبریں چھاپی تھیں۔ اس طرح ہمارا وقت اس تیزی اور بے خبری سے گزر رہا تھا کہ ہمیں واپسی کا احساس ہی نہ رہا لیکن میجر صاحب کا ڈرائیور آ گیا اور اس نے واپسی کے بارے میں یاددہانی کرائی۔ ہم میجر صاحب سے گلے ملے اور ایک عجیب روحانی لذت اور کیفیت کے ساتھ انہیں خدا حافظ کہا اور جیپ میں سوار ہو گئے۔ جیپ واپسی سفر پر رواں دواں تھی اور ہم سب خاموش جنگ چونڈہ میں کھوئے ہوئے تھے۔ جنگ کے بارے میں جو کچھ ہم نے سنا تھا وہ سب کچھ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ پسرور پہنچ کر ہم نے اپنی گاڑی لی اور لاہور واپسی کا سفر شروع ہوا اور ہم تقریباً نو بجے رات گھر پہنچے۔ اگلی صبح نو بجے ہم نے قبلہ حضرتؒ کے ہاں حاضری دی۔ وہ ہمارے انتظار میں تھے۔ ہمیں دیکھ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور عجیب محبت بھرے انداز سے ہمیں باری باری گلے لگایا۔ پھر چائے آ گئی اور ہم دونوں کو دم کر کے پلائی۔ آپ ہم سے محاذ کی باتیں سنتے رہے اور ہر فقرے پر اللہ اکبر کہتے رہے۔ کبھی کبھی تو شدتِ جذبات سے آپ کی آنکھیں چھلک جاتیں اور کبھی ایسا محسوس ہوتا جیسے جنگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ''جنگِ بدر میں 313 اہلِ ایمان کی فتح کو آج کے لوگ قصہ پارینہ سمجھ بیٹھے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ اس گئے گزرے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت سے کفار کی نفری اور سامانِ حرب کی تباہی دکھا کر مسلمانوں کی تمام پچھلی جنگوں کی کامیابیوں پر حقیقت کی مہر ثبت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اللہ اکبر! میں نے جب وقت دیکھا تو بارہ بج چکے تھے۔ میں نے قبلہ حضرتؒ سے اجازت طلب کی دفتر کے لیے روانہ ہونے لگا تو رخصتی کے وقت آپ نے فرمایا: ''ابھی تو تجھے دوسرے محاذوں پر بھی جانا ہے تیار رہو۔''

گن رجمنٹ کا میس

(آفتاب احمد خانؒ)

اس سے پہلے بھی للیانی اور قصور محاذ کا تذکرہ کر چکا ہوں مگر اس وقت جنگ زوروں پر تھی اور میں نے محاذ سے ایک زخمی فوجی جوان کو لاہور لا کر فوجی ہسپتال میں داخل کروایا تھا۔ لیکن اس مرتبہ جنگ بندی ہو چکی تھی۔ ہوا یوں کہ جنگ بندی کے چند یوم بعد میرا ایک دوست میرے دفتر آیا۔ اس کا بھائی فوج میں کرنل اور نوشہرہ میں تعینات تھا۔ ان کی ہیوی گن رجمنٹ چونڈہ کے محاذ پر دادِ شجاعت دے چکی تھی۔ اور آج کل للیانی قصور کے علاقے میں تھی۔ کرنل صاحب وہاں جا کر اپنے جوانوں سے ملنا چاہتے ہیں لیکن ان کے پاس گاڑی نہیں تھی۔ اس لیے میرے دوست نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔ میں نے یہ دعوت قبول کر لی۔ چنانچہ اگلے روز صبح 9 بجے کرنل صاحب اور ان کے بھائی کو ساتھ لیا اور ہم قصور روانہ ہو گئے۔ گیارہ بجے کے قریب ہم للیانی کے قصبہ میں پہنچ چکے تھے۔ وہاں ملٹری پولیس کے ایک افسر سے کرنل صاحب نے بات کی تو معلوم ہوا کہ متعلقہ کمپنی للیانی قصبہ کے مشرق میں خیمہ زن ہے۔ چنانچہ للیانی سے ذرا آگے جا کر ہم مشرق کی طرف ایک کچے راستے میں اتر گئے۔ پھر مختلف جگہوں پر پتہ پوچھتے پوچھتے آخرکار ہم مطلوبہ مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں تمام افسروں کو پہلے کرنل صاحب کے آنے کی اطلاع ہو چکی تھی اور وہ سب لوگ درختوں کے جھنڈ کے نیچے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمارے وہاں وارد ہونے پر تمام افسروں نے کرنل صاحب کا والہانہ استقبال کیا۔ کرنل صاحب نے راستے میں ہمیں بتایا تھا کہ انہوں نے جنگ میں عملی حصہ نہیں لیا تھا اور وہ ہیڈ کوارٹر ہی میں رہے لیکن جنگ سے پہلے انہوں نے اپنی رجمنٹ کے ساتھ چونڈے کے میدان میں ہونے والی فوجی مشق میں بھرپور حصہ لیا تھا اور اس تجربہ کی وجہ ہی سے ہم بہت بڑی فتح سے ہم کنار

ہوئے ہیں۔ کرنل صاحب نے بتایا کہ اس مشق میں ہماری رجمنٹ نے اس میدان کی مکمل پیائش کی تھی اور جنگ کے دوران اسے استعمال کرتے ہوئے خوب دادِ شجاعت دی اور توپوں کے ٹھیک ٹھیک نشانے لگا کر دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا۔ اب للیانی محاذ پر کرنل صاحب کا پرجوش استقبال کیا گیا اور انہیں مبارک بادیں دی جا رہی تھیں کہ اس ساری کامیابی کا سہرا آپ کے سر ہے۔ پھر ہم سب لوگ ایک درخت کے نیچے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ چائے پر کوئی دو گھنٹے آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے جس افسر سے بھی بات کی مجھے یہ تاثر ملا کہ کرنل صاحب کی بہترین قائدانہ صلاحیت ہی چونڈے کے میدان میں کامیابی کا باعث بنی۔ محاذ پر غازیوں کے ساتھ خوبصورت ماحول میں وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا۔ اسی دوران ایک افسر کرنل صاحب کے پاس آیا اور بڑے فدویانہ انداز سے درخواست کی کہ کھانے کے لیے نیچے تشریف لائیں۔ کرنل صاحب مہمان خصوصی تھے اور ہم ان کی قیادت میں جھاڑیوں کے بیچ ایک چھوٹے سے راستے سے زمین دوز میس میں اتر گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا ہال تھا لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ دنیا کی سب سے خوبصورت جگہ ہو۔ کرنل صاحب کو بڑی عزت کے ساتھ مہمان خصوصی کی سیٹ پر بٹھایا گیا اور ہم دونوں کو ان کی بائیں جانب کی کرسیوں پر جگہ ملی۔ کھانا سادہ مگر بہت لذیذ تھا اور ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔

خوشی اس بات کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے غازیوں اور مجاہدوں کے ساتھ کھانے کی محفل میں شرکت کی سعادت عطا فرمائی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد سب لوگ باہر آ گئے۔ اب رخصتی کا وقت تھا اور کرنل صاحب نے سب کو باری باری گلے لگایا، شاباش دی اور حوصلہ بلند رکھنے کی نصیحت کی۔ پھر اس خوبصورت ماحول سے ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوا۔ اور تین بجے کے قریب ہم لاہور واپس آ گئے۔ کرنل صاحب کو ان کی رہائش گاہ کے قریب اتار کر میں سیدھا اپنے پیر و مرشد قبلہ انصاری صاحبؒ کے ہاں چل دیا۔ مجھے ایسا

محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مقناطیسی قوت گاڑی کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ راستے میں مجھے خیال آیا کہ اس وقت تو قبلہ حضرت آرام فرما رہے ہوں گے لیکن وہاں پہنچ کر حیرت ہوئی کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: آؤ آؤ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ مجھے غازیوں اور مجاہدوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ آج تو تم نے خوب مزے لوٹے ہیں۔ اگرچہ جنگ بند ہو چکی تھی مگر حالت جنگ تو ہے اور حالتِ جنگ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح رہتی ہے اور وہی کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ جب تک اللہ چاہے اللہ اکبر" قبلہ حضرت بڑے مزے لے لے کر میری باتیں سنتے رہے۔ جب عصر کی اذان کی آواز کانوں میں پڑی تو مجھے وقت کا احساس ہوا۔ چنانچہ میں نے جانے کے لیے رخصت طلب کی اور یوں زندگی کا ایک حسین، خوبصورت اور خوشیوں سے معطر دن گزرا جو یادوں کا سرمایہ ہے۔

جنگل کورس

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مرتبہ آپؒ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے کبھی کوئی چلہ نہیں کاٹا نہ ہی راتوں کو جاگتا رہا ہوں۔ ساری عمر ملازمت بھی کی ہے اور کاروبار بھی کرتا رہا ہوں۔ البتہ کچھ دیر اللہ نے جنگل میں رکھا وہ علیحدہ بات ہے مجھے کاروبار کے سلسلہ ہی میں ایک عرصہ جنگل میں تنہا رہنا پڑا۔ وہاں میں اردگرد کے علاقہ سے آنے والی مردہ جانوروں کی ہڈیاں خریدتا تھا۔ اس کام سے یہ فائدہ ہوا کہ اب کوئی کام حقیر نہیں لگتا نہ ہی بو سے بھاگتا ہوں۔ چند مزدور جو میں نے ملازم رکھے ہوئے تھے وہ بھی شام کو اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے تھے۔ جنگل کے سناٹے میں اللہ اللہ کرنے کا اپنا ہی مزہ تھا۔ اس تنہائی میں میرا ایک ساتھی تھا اور وہ تھی قریبی گاؤں کے انجن کے گھگو کی آواز۔ جس کے ساتھ ساتھ میں پاس انفاس کرتا رہتا تھا۔ اب بھی کبھی یہ آواز سنائی دیتی ہے تو مجھے جنگل میں گزارا ہوا زمانہ یاد آ جاتا ہے۔ وہاں گرمی سے بچاؤ کے لیے میں نے ایک قبر نما گڑھا کھود رکھا تھا۔ اس میں پانی کا چھڑکاؤ کر کے چٹائی بچھا کر لیٹ جاتا تھا۔ انتہائی گرمی میں بھی وہ قبر بڑا سکون پہنچاتی تھی۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ سارے مزدور چھٹی پر تھے اور دیہات سے ہڈیوں سے بھرے ہوئے تین گڈے آ گئے۔ میں نے گڈے والوں سے کہا کہ آج مزدور کوئی بھی نہیں اس لیے آپ مہربانی کر کے خود ہی یہ ہڈیاں اتار دیں۔ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ توبہ کریں جی' ہم تو مسلمان ہیں ہم ہڈیوں کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ جب وہ کسی طور بھی نہ مانے تو میں نے اللہ کا نام لے کر قمیض اتاری، لنگوٹ کسا اور اکیلا ہی اس کام میں جت گیا۔ میں نے دو اڑھائی گھنٹوں میں ایک سو بیس من ہڈیاں گڈوں سے اتار دیں۔ وہاں قریب ہی ایک نہر تھی وہاں جا کر

نہایا اور واپس آ کر گڈے والوں سے کہا کہ بتاؤ میری مسلمانی کو کیا ہو گیا ہے۔"

"بعض مرتبہ انسان اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز کی خواہش کرتا ہے جو اس کے لیے اچھی نہیں ہوتی۔ اگر اللہ تعالیٰ وہ خواہش پوری کر دے تو اس سے نقصان ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ میں رات کی ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ جب صبح ہو گئی تو میں کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ اس وقت ٹرین ایک موڑ مڑ رہی تھی۔ تھوڑی دور ہی ایک جنگل نظر آ رہا تھا۔ قریب ہی چھوٹی سی نہر بہہ رہی تھی۔ جس میں لوگ نہا رہے تھے اور اس کے کنارے عورتیں کپڑے دھو رہی تھیں۔ یہ سارا منظر مجھے بہت ہی پیارا لگا اور میں نے اللہ میاں سے کہا کہ اس طرح کی دلفریب جگہ پر اگر رہنے کا موقع مل جائے تو اللہ اللہ کرنے کا لطف آ جائے۔ بس اللہ میاں نے یہ دعا منظور فرمالی۔ پہلے لگی لگائی نوکری چھٹی پھر کام شروع کیا تو ٹھیک طرح سے نہیں چلا۔ آخر کار یہاں ہڈیوں کی خریداری کے لیے جنگل میں لا ڈالا۔ لیکن مجھے قطعاً یہ بات یاد نہ رہی کہ یہ سب کچھ میری اپنی دعا ہی کا نتیجہ ہے۔ ایک دن میں صبح کے وقت قریبی نہر پر نہانے کے لیے گیا۔ اتفاق سے اس وقت وہی ٹرین آ گئی جس میں سفر کرتے ہوئے میں نے دعا کی تھی۔ اس پر وہ سارا منظر میری نگاہوں میں گھوم گیا اور مجھے یاد آ گیا کہ یہ وہی جنگل اور وہی نہر ہے جس کی میں نے خواہش کی تھی۔ اس پر میں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی تو اللہ تعالیٰ نے وہاں سے نکالنے کا انتظام فرما دیا۔ فقیر کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جہاں بھی رکھے اور جس حال میں رکھے اس پر خوش رہے۔ اسی لیے مَیں بھائیوں سے کہتا رہتا ہوں کہ ہمیشہ خوش رہنے کی عادت ڈالیں۔"

تیری میری کشتی ہوگی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مجلس میں بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ایک جن یا بدروح کے متعلق بڑا دلچسپ قصہ یوں بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے چچا جو کہ میرے سسر بھی تھے کے گھر گیا ہوا تھا۔ گھر والوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ہاں ہر منگل اور اتوار کو کوئلے اور مٹی کے ڈھیلے برستے ہیں۔ میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے کیا۔ وہ علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے، وہ بھلا ایسی چیزوں کو کہاں مانتے تھے۔ وہ کہنے لگے کیا تم بھی ان خرافات پر یقین کرتے ہو؟ یہ اڑوس پڑوس کے بچوں کی شرارت ہوگی۔ میں نے کہا کہ یہاں کے بچے بڑے ہی باشعور اور وقت کے پابند ہیں کہ صرف منگل وار اور اتوار ہی کو ایک مقررہ وقت پر شرارت کرتے ہیں۔ بہر حال وہ نہیں مانے۔

ایک دن میری موجودگی میں کوئلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور مٹی کے ڈھیلے گرنے شروع ہوگئے انہیں اکٹھا کیا تو بس مٹھی بھر کے قریب تھے۔ شام کا کھانا کھا کر میں اور میرا کزن کافی دیر تک بیٹھے گپ شپ لگاتے رہے۔ وہ میرا بہت اچھا دوست بھی تھا۔ ہم دونوں ایک کمرے میں سونے کے لیے لیٹے تھے کہ باہر سے آواز آئی خرخرخر۔ میرا کزن سن کر ڈر گیا اور کہنے لگا یہ جن ہیں۔ میں نے کہا ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ ہم نے بتی جلائی اور باہر نکل کر دیکھا تو دو بلیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔

میں نے کہا: یہ ہیں تمہارے جن۔ ہم دوبارہ جا کر کمرے میں لیٹے ہی تھے کہ میرے کزن نے کہا کہ کوئی چیز میرے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئی ہے۔ میں نے کہا کوئی چیز وغیرہ نہیں بیٹھی۔ تمہیں کابوس کی بیماری ہوگی اس میں آدمی کو نیند میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے اسے دبا رکھا ہو۔ زیادہ کھانا کھا لیا جائے تب بھی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے۔

اس نے کہا وہ تو مجھے صاف اپنے سینے پر بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔

ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ساتھ والے کمرے سے ایک دم کھٹ کھڑ کھڑ کھٹ کی آواز آئی۔ میرے کزن نے گھبرا کر کہا کہ یہ کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا چلو اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ ہم نے بتی جلائی' اس کمرے کا دروازہ کھولا تو ایک عجیب منظر دیکھا۔ میرے کزن نے اس کمرے کی دیواروں پر کئی تصویریں لگا رکھی تھیں۔ وہ تمام فرش پر گری پڑی تھیں۔ سب کے ڈورے کٹے ہوئے تھے لیکن شیشہ کسی کا بھی نہیں ٹوٹا تھا۔ میرے کزن نے حیران ہو کر پوچھا اب بتاؤ یہ کیسے ہوا؟ میں نے کہا: اللہ ہی جانے۔ وہ اتنا خوف زدہ ہوا کہ اس نے وہاں سونے سے انکار کر دیا اور چلا گیا۔ میں اکیلا ہی اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کوئی چیز میرے سینے پر بھی چڑھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے ایک گھونسا مارا اور ماں کی گالی دی تو ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے میرے پاؤں پکڑ کر سرہانے کی طرف اور سر پائنتی کی طرف کر دیا۔ الغرض وہ مجھ سے اسی طرح کھیلتا رہا اور میں اسے گالیاں دیتا رہا۔ تنگ آ کر میں اٹھا' وضو کیا' آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر چارپائی کے گرد حصار باندھا اور سو گیا۔

اگلی رات وہ پھر آ گیا اور مجھے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اسے کہا تو جو کوئی بھی ہے۔ جن ہے یا بدروح ہے تم میں تھوڑی بہت غیرت تو ہوگی۔ میں تجھے نظر آتا ہوں لیکن تو مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ تو میرے سامنے آ میں تیری ایسی تیسی کر دوں گا۔ آج میں نہ تو آیت الکرسی پڑھوں گا نہ ہی کوئی حصار باندھوں گا۔ آج تیری میری کشتی ہوگی۔ پھر مجھے محسوس ہوا جیسے کسی درندے نے میرا سر اپنے منہ میں لے لیا ہے۔ میں نے گالی دیتے ہوئے اسے زور سے مکا مارا تو وہ ہٹ گیا۔ میں نے اٹھ کر دیکھا تو میرے سامنے ایک کالا بھجنگ آدمی سرخ جانگیہ پہنے، بدن پر تیل ملے ہوئے کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں سے آگ نکل رہی تھی۔

ان دنوں میرا پاس انفاس دھونکنی کی مانند چلتا تھا۔ میں نے لا الٰــہ الا اللہ پڑھ کر پوری قوت سے اسے گھونسا مارا تو وہ دیوار کو جا کر لگا اور میری انگلیاں چرمر ہو گئیں۔ پھر وہ نظر نہیں آیا۔ ایک ہی گھونسے سے اس کا کام تمام ہو گیا۔ اس کے بعد پھر وہ کبھی دکھائی نہیں دیا۔ نہ ہی اس گھر میں کوئی کوئلے اور ڈھیلے برسے۔ یہ ہے اللہ اللہ کی طاقت۔ تم پکے سچے توحیدی بن جاؤ تو کوئی چیز تمہارے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتی۔

حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

''میں 1911ء میں جب کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی خاندان نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوا۔ اور سات آٹھ سال کی سخت اور متواتر جدوجہد کے بعد نقشبندیہ سلوک پورا کر لیا۔ اس سلوک سے طبیعت میں انکسار، تورع اور کشف و کرامات تو حاصل ہو گئیں لیکن جس مقصد کے لیے بیعت ہوا تھا وہ حاصل نہ ہوا یعنی رویت باری تعالیٰ حاصل نہ ہوئی۔ اس کے بعد خاندان چشتیہ میں بیعت کی اور پانچ چھ سال میں یہ سلوک بھی پورا کر لیا۔ اس سلوک سے طبیعت میں لطافت، اخلاق میں شیرینی حسن اور جمالیات کا ادراک اور عشق و محبت کا سوز و گداز تو میسر آ گیا لیکن رویت باری تعالیٰ یہاں بھی عنقا ہی رہی۔ اس کے بعد اور کسی سلسلہ میں تو بیعت نہ ہوا مگر قادریہ اور دوسرے کئی سلسلوں کے سلوک کا مطالعہ بالاستیعاب کیا لیکن رویت کے حصول کا وہاں بھی کوئی ذکر نہ تھا۔ اب میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور کسی لطیفہ غیبی کا منتظر رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ایک بزرگ سے ملاقات کرا دی۔ یہ حضرت اویسی تھے نہ خود کسی سے بیعت تھے نہ بیعت فرماتے تھے۔ اس لیے بیعت تو نہ ہو سکا لیکن بیس پچیس سال ان سے فیض کثیر ملتا رہا۔ اب میں فیض تو ان سے لیتا تھا لیکن ذکر و فکر وغیرہ اپنے اسی پرانے سلسلے نقشبندیہ کا کرتا تھا۔ اس مرتبہ سلوک عجیب طرح سے طے ہوا۔ یعنی ناسوت سے ذات بحت تک سارے راستے گرد و پیش کے ماحول کو دیکھتا اور سمجھتا ہوا گزرا۔ یعنی پہلے دوزخ کے طبقات دیکھے۔ پھر علی الترتیب اعراف، ملکوت، جبروت، لاہوت اور ہاہوت کی جنتوں کی سیر کرتا ہوا ھو کے نچلے طبقات میں داخل ہوا۔ یہاں مجھ پر وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ وہی کیفیت ہے جس کو جناب ابن عربی e نے حقیقت فرمایا ہے۔ الحمدللہ کہ میں نے یہاں زیادہ دیر قیام نہ

کیا ورنہ میں بھی وجودی ہو کر رہ جاتا۔ جب ھو کی اوپر والی سطح پر پہنچا تو وہاں وہ کیفیت نظر آئی جس کو مجدد صاحب نے ظلیت کہا ہے۔ یہاں سے بھی جلدی ہی نجات مل گئی۔ اس کے بعد کچھ دیر عدم میں رہا لیکن برابر آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ عدم پار کر کے عالم امر میں داخل ہو گیا۔ اور آخر کار 26۔27 برس کی متواتر کوشش کے بعد 1953ء میں اپنے مقصد حیات سے ہمکنار ہوا۔ الحمدللہ جو چاہتا تھا مل گیا۔''

مذکورہ بالا تحریر حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی ہے اور ان کی کتاب ''حقیقت وحدت الوجود'' سے نقل کی گئی ہے۔ اس میں جس اویسی بزرگ سے ملاقات کا ذکر آیا ہے وہ حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ صاحب تھے۔ ان سے آپ کی جس طرح ملاقات ہوئی اس کا ذکر آپؒ کی محفل میں اکثر ہوتا رہتا تھا۔ اپنی یادداشت کے سہارے میں ان کی کہانی انہی کی زبانی سنادوں تو زیادہ مزہ آئے گا۔ آپؒ نے فرمایا:

''...... جب میں اپنے مرشد حضرت مولانا کریم الدین احمدؒ سے بیعت ہونے لگا تو انہوں نے دریافت کیا کہ تم کس غرض سے بیعت ہونا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میرے تین مقاصد ہیں: اول روحانی طاقت، دوسرے تزکیہ اخلاق اور تیسرے دیدار باری تعالیٰ۔ اس پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ پہلی دو چیزیں تو تم کو میری طرف سے مل جائیں گی تیسری چیز یعنی دیدار باری تعالیٰ میرے بس کی بات نہیں۔ اس کے بدلے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ معرفت باری تعالیٰ کسی نہ کسی طرح حاصل ہو جائے گی۔ میں نے اپنے مرشد سے پوچھا کہ اتنا بتادیں کہ یہ دولت میری قسمت میں ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو یہ کس عمر میں حاصل ہوگی۔ اس پر مولانا نے تھوڑی دیر سکوت فرمانے کے بعد کہا کہ ہاں تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے کہ جب تک تم زندگی میں خدا کو نہ دیکھ لو گے مرو گے نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دولت تمہیں زندگی کے ساٹھویں سال میں نصیب ہوگی۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ اس وقت حیات ہوں گے تو آپ نے

جواب دیا کہ میری تو قبر کا نشان بھی اس وقت نہ ہوگا۔ بلکہ تمہیں جو کچھ مجھ سے ملے گا میرے مرنے کے بعد سب ختم ہو جائے گا اور تم چودہ پندرہ برس تک یونہی پھرو گے پھر تمہیں تمہارا ایک دوست ملے گا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ اس کے پاس تمہارا حصہ ہے اس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا بیعت ہونے کے بعد میں نے خوب محنت کی اور اللہ کے فضل و کرم سے میرے تین لطیفے قلب روح اور سر روشن ہو گئے۔ اور ان کے دوائر کی سیر بھی میسر آ گئی۔ اس پر مولانا نے مجھے مبارک باد دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی فرمائی۔ مولانا کا 1920ء میں انتقال ہو گیا تو اس کے بعد میں سست پڑ گیا اور آہستہ آہستہ اوراد و وظائف چھوٹ گئے۔ نمازوں میں سرور و حضور باقی نہ رہا تو وہ بھی چھوڑ دیں اور ہم خالی خولی دنیادار بن گئے۔ بس شعر و شاعری ہوتی اور دوستوں کے ساتھ گپ شپ اور تاش یا شطرنج کی بازی چلتی۔ یہ اللہ کا کرم رہا کہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اس دوران جب کبھی روحانیت والی زندگی یاد آتی تو اپنی حالت پر بڑا دکھ ہوتا۔ تنہائیوں میں کئی مرتبہ رویا بھی لیکن کیا بنتا تھا۔ ان دنوں انڈین آرمی جنرل ہیڈکوارٹرز دہلی میں مترجم کی حیثیت سے ملازم تھا۔ مجھے سرکاری کام کے سلسلے میں کچھ عرصہ کے لیے بلگام جانا پڑا۔ وہاں آرمی کا ٹریننگ سکول تھا اور وہاں ہمیں ترجمے کا کچھ کام کرنا تھا۔ ایک دن میں بارش کے بعد سیر کرتے کرتے پہاڑوں کی جانب نکل گیا اور شام ہو گئی۔ اڑتے ہوئے بادلوں اور ہلکی ہلکی دھند میں نظر آنے والی شہر کی روشنیوں نے ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی اور اللہ تعالیٰ کی یاد امڈ آئی۔ میں وہاں بیٹھ کر کافی دیر تک روتا رہا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو گھر لوٹا اور کھانا کھا کر سو گیا۔ رات کو خواب میں میرے دادا جان حضرت مولانا عبدالعزیزؒ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ روتے کیوں ہو؟ حوصلہ رکھو اور صبر کرو۔ تمہیں ایک دوست ملے گا تو

سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا روؤں نہیں تو کیا کروں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دولت ملی وہ چھن گئی۔ مولانا کریم الدینؒ نے بھی فرمایا تھا کہ تمہارے ایک دوست کے پاس تمہارا حصہ ہے۔ لیکن وہ کب ملے گا؟ اس کا کوئی اتا پتہ اور نام تو معلوم ہو۔ دادا جی نے فرمایا اس کا نام ہے محمد حنیف خاں ہے اس پر میری آنکھ کھل گئی اور پاس پڑی ہوئی ڈائری پر نام نوٹ کر لیا اور پھر سو گیا۔ صبح اٹھا تو اس نام کے آدمی کی تلاش شروع کر دی۔ ایک تھانے دار محمد حنیف خاں سے دوستی لگائی پھر ایک قصائی سے یارانہ گانٹھا لیکن سب پھکڑ نکلے۔ کام کا کوئی بھی آدمی نہیں ملا۔ وہاں چھاؤنی میں نظام آباد پنجاب کے رہنے والے ایک صاحب کی سپورٹس کے سامان کی دکان تھی اور اس پر فوجیوں کا آنا جانا رہتا تھا۔ سہ پہر کے وقت میں بھی وہاں چلا جاتا اخبار دیکھتا اور ان سے گپ شپ لگانے کے بعد آ جاتا۔ مجھے شروع ہی سے پنجابی اچھے لگتے ہیں۔ دہلی والوں کے تکلفات کے مقابلے میں ان کی سادگی مجھے زیادہ پسند ہے۔ ایک دن حسب معمول میں وہاں بیٹھا تھا کہ رسالے کے آٹھ دس وائسرائے کمیشن آفیسر (V.C.O) وہاں آ گئے تو دکان دار نے ان کے لیے کرسیاں لگوا دیں اور چائے کا آرڈر دے دیا۔

وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ قریب کی مسجد سے نمازِ عصر کے لیے اذان کی صدا بلند ہوئی۔ ان میں سے ایک صاحب اٹھے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں میرے لیے چائے ضرور رکھنا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال گزرا اور میں نے باقی لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ غالباً ہم سبھی مسلمان ہیں لیکن نماز کے لیے اذان ہوئی تو صرف ایک آدمی کو توفیق ہوئی کہ نماز کے لیے اٹھا۔ حالانکہ میں خود بھی نہیں گیا تھا۔ اس پر ان کے ساتھی جنہیں دوسرے شاہ جی کہہ کر مخاطب ہو رہے تھے بولے کہ اس کی کیا بات ہے یہ آدمی تھوڑا ہی ہے۔ میں نے پوچھا کیوں جناب اس میں کیا خاص بات ہے۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا کہ ہم یہاں ٹریننگ کے لیے آئے ہوئے ہیں شروع میں

رہائش کی تنگی کی وجہ سے میں اور یہ صاحب ایک ہی کمرے میں رہتے تھے ذرا اس کے معمولات ملاحظہ ہوں۔ یہ صبح سب سے پہلے تیار ہو کر میس (MESS) جاتا ہے پھر ہم ٹریننگ کے لیے اپنی یونٹ میں چلے جاتے ہیں۔ جب واپس آتے ہیں تو یہ صاحب دوپہر کا کھانا کھا کر اور ظہر کی نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔ پھر یہ اس وقت اٹھتا ہے جب عصر کا تھوڑا سا وقت باقی رہ جاتا ہے۔ یہ عصر پڑھتا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے چائے پیتا ہے پھر مغرب کی نماز ادا کر کے میس چلا جاتا ہے وہاں کھانے کے بعد دوستوں کے ساتھ گپ شپ اور ہاؤ ہو میں لگا رہتا ہے اور دیر سے واپس لوٹتا ہے۔ آ کر عشاء کی نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے اور ساری رات مصلیٰ پر گزار دیتا ہے اور بالکل نہیں سوتا۔ تو یہ ہیں جناب ان صاحب کے معمولات بتائیے یہ بھلا آدمیوں والی باتیں ہیں۔ ہاں ایک بات ہے کہ اس پاس کوئی لوگ دعا وغیرہ کرانے کے لیے آتے رہتے ہیں۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ جو کچھ یہ کہتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ پھر تو یہ شخص ولی اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کرتا ہے کہ ساری ساری رات سوتا ہی نہیں اور جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اللہ اسے پورا کر دیتا ہے۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا کہ ہمیں نہیں پتہ کہ ولی کیا ہوتا ہے بہر حال یہ ہے ایسا ہی۔ اس پر میں نے استفسار کیا کہ ان صاحب کا نام کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا نام ہے محمد حنیف خاں۔ یہ نام سنتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے میں نے 440 واٹ کی کسی بجلی کے تار کو چھو لیا۔ سر سے لے کر پاؤں تک زن سے لرزے کی ایک لہر دوڑ گئی اور دل نے کہا کہ یہی وہ ہستی ہے جسے تو برسوں سے تلاش کر رہا ہے۔ مجھ سے پھر بھلا کیسے رہا جاتا میں اٹھا اور مسجد کی طرف چل دیا۔ میں نے دروازے سے اندر کی طرف جھانکا تو وہ نماز پڑھ چکے تھے اور سواروں والی وردی کی بر جس پر پٹیاں لپیٹ رہے تھے اس لیے میں باہر ہی سیڑھیوں کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ بوٹ پہن کر باہر آ گئے اور جونہی سیڑھیوں سے اترے تو میں نے سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے میں نے سوچا کہ جب مجھے

کئی سال پہلے بتایا گیا تھا کہ تمہارے دوست کے پاس تمہارا حصہ ہے تو انہیں بھی یقیناً اس کی خبر ہوگی۔ اس لیے بلا کسی تمہید کے میں نے کہا کہ جناب بات یہ ہے کہ یا تو آپ مجھے اپنا مرید کر لیں یا میرے مرید ہو جائیں۔ وہ یہ سن کر دو قدم دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں نہ تو کسی کا مرید ہوں نہ مرید کرتا ہوں میں جانتا ہی نہیں کہ پیری مریدی کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ پیری مریدی نہیں جانتے تو میرے مرید ہو جائیے میں نقشبندیہ خاندان سے سند یافتہ ہوں اور میں آپ کو سکھا دوں گا کہ پیری مریدی کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور کہا کہ آپ کے پاس رکھا ہی کیا ہے جو میں آپ کا مرید بنوں۔ ایسی باتیں بازار میں نہیں کرتے تم مجھے میرے گھر پر ملو۔ میں نے کہا بہت خوب آپ اپنے کوارٹر کا پتہ بتا دیں۔ انہوں نے مجھے اپنا ایڈریس دیا اور میں ہاتھ ملا کر چلا آیا۔ اگلے روز ڈیوٹی میں وقفہ کے دوران میں ان کا کوارٹر دیکھ کر آیا تا کہ پھر ڈھونڈنا نہ پڑے۔ دفتر سے چھٹی ہوتے ہی میں ان کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ ان کے گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ وہ میری طرف پشت کیے کرسی پر بیٹھے ہیں اور ان کا اردلی جس کا نام بشارت تھا ان کے بوٹ اور پٹیاں کھول رہا تھا۔ میں جوں ہی گیٹ میں داخل ہوا انہوں نے اردلی سے کہا کہ چھوڑ دو اور ہمارے مہمان کے لیے کرسی لے کر آؤ میں نے سلام کیا اور کہا کہ میں مانتا ہوں کہ آپ ولی اللہ ہیں اور آپ کو پیچھے سے بھی نظر آتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور مجھے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ میں بیٹھ گیا تو آپ نے پوچھا کہ ہاں جناب کل آپ نے مجھے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا کہ میں نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ یا تو آپ مجھے اپنا مرید کر لیں یا میرے مرید بن جائیں۔ انہوں نے بھی کل والا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نہ تو کسی کا مرید ہوں نہ کسی کو مرید بناؤں گا البتہ دوستی کر لیتا ہوں۔ ان کی بات سن کر مجھے مایوسی سی ہوئی کہ میرا مطلوبہ آدمی تو یہی ہے لیکن یہ مانتا ہی نہیں۔ اس پر مجھے میرے مرشد اور

داداجان کی خواب والی باتیں یاد آئیں تو یہ بات کھلی کہ میں غلطی پر ہوں۔ انہوں نے یہی فرمایا تھا کہ تمہارا دوست ملے گا اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ دوستی کر لیتا ہوں مرید نہیں بناتا یہ سوچ آنے پر میں دوبارہ کھل اٹھا اور ہاتھ بڑھا کر کہا کہ چلو پھر دوستی ہی کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ میں ایسے ہی ہر للو پنجو سے دوستی نہیں کرتا میں پہلے امتحان لیتا ہوں اگر کوئی اس میں پاس ہو جائے تو پھر دوستی کرتا ہوں ورنہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ٹھیک ہے آپ میرا بھی امتحان لے لیں۔

انہوں نے فرمایا کہ بڑا مشکل امتحان ہے اس میں تین پرچے ہوں گے اور ہر ایک میں سو فیصد نمبر لینے پڑیں گے بولو کیا تمہیں منظور ہے۔ میں نے عرض کی کہ سب کچھ منظور ہے جب دوستی کرنی ہی ہے تو پھر سو پرچے لے لو اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا امتحان کے لیے تیار ہو؟ میں نے کہا تیار ہوں۔ تو انہوں نے کہا شطرنج کھیلنا آتی ہے میں نے کہا کہ آتی ہے اس پر انہوں نے اپنے اردلی کو آواز دی کہ شطرنج لے کر آؤ۔ مزے کی بات یہ ہے کہ رسالدار صاحب کی وردی کی ایک پٹی ابھی اتری تھی اور دوسری بدستور بندھی ہوئی تھی۔ اردلی نے شطرنج لا کر بچھا دی تو آپ نے کہا کہ یہ پہلا پرچہ ہے اگر تم مجھ سے جیت گئے تو سمجھو کہ پاس ہو گئے تم بھلا میرے ساتھ کیا کھیلو گے میں تو اپنی یونٹ کا چیمپئن ہوں۔ میں نے کہا تم فوجی لوگ آپس میں ہی کھیل کر چیمپئن بن جاتے ہو کسی باہر والے سے واسطہ پڑے تو پتہ چل جائے کہ کتنے پانی میں ہو۔ چنانچہ کھیل شروع ہو گیا اور میں نوٹ کرتا رہا کہ ان کے کھیلنے کا انداز کیا ہے۔ پہلی گیم رسالدار صاحب جیت گئے اور کہنے لگے کہ تم تو ہار گئے۔ میں نے کہا تین گیم کھیلنے کا اصول ہے اگر تم ایک بازی مزید جیت جاؤ تو میں اپنی شکست تسلیم کر لوں گا۔ پھر کھیل شروع ہو گیا تو میں دوسری اور پھر تیسری گیم بھی جیت گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم پاس ہوئے اچھا کھیلتے ہو اور کھیلو۔ مزید دو بازیاں لگیں اور وہ بھی میں نے جیت لیں۔ شطرنج ختم ہوئی تو میں نے کہا لائیے دوسرا پرچہ کون

سا ہے۔اس پر رسالدار صاحب نے فرمایا کہ غالب کو جانتے ہو؟ میں نے کہا آپ نے تو صرف اس کا نام ہی سنا ہوگا میں تو دلی کا رہنے والا ہوں غالب کے باپ دادا کو بھی جانتا ہوں۔ آپ نے کہا اچھا تم غالب کے دیوان کا جو پہلا شعر ہے (نقشِ فریادی ہے ....) اس کا مطلب بیان کرو۔اس پر میں نے اس شعر کی تشریح بیان کی تو کہنے لگے کہ اس شعر میں غالب نے انسان کے بارے میں راز کی جو بات کہی ہے وہ بتاؤ جب میں نے اس کی تفصیل بھی بتادی تو خوش ہوکر فرمایا کہ واقعی تم تو مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہو۔اس زمانے میں تو غالب اور اقبال کے اشعار ویسے ہی ہمیں نوک زباں تھے۔ میں کہا کہ نمبر بتائیں تو فرمایا سو فیصد پاس۔ میں نے عرض کیا کہ اب لائیے تیسرا پرچہ اس پر آپ نے فرمایا کہ تیسرا پرچہ یہ ہے کہ کبھی پیار بھی کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کبھی کیا مطلب ہے ہم نے تو زندگی پیار میں ہی گزار دی ہے۔اس پر آپ نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور فرمایا کہ واقعی تم تو سراپا پیار ہو۔لاؤ ہاتھ ملاؤ آج سے ہماری اور آپ کی دوستی ہوگئی۔

دوستی تو ہوگئی لیکن مرشد نے جو مدت خالی پھرنے کی ارشاد فرمائی تھی وہ ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ ہم روزانہ ان کے گھر مجلس جماتے۔ دنیا بھر کی اور فقیری کی باتیں ہوتیں۔ وہ مجھے بھائی جان کہتے میں انہیں بھائی جان کہتا اور وقت خوب گزرنے لگا۔ وہ ملنے والوں کے لیے دعائیں کرتے اور خوب مٹھائی چلتی۔ یہ مٹھائی کھانے کی عادت مجھے رسالدار صاحب نے ڈالی وہ اس کے بہت شوقین تھے۔خوب مزے کی محفل ہوتی۔لیکن میرے کام کی بات نہ ہوتی۔ آپ کمال کے فقیر تھے اور آپ کا انداز بھی انوکھا تھا۔کوئی حاجت مند دعا کے لیے کہتا کہ اولادِ نرینہ کے لیے دعا فرمادیں تو کہتے جاؤ ہم نے تمہیں بیٹا دے دیا۔کوئی مقدمے میں کامیابی کے لیے عرض کرتا تو کہتے جاؤ ہم نے تمہیں بری کر دیا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی اور ایک دن میں نے کہہ دیا کہ بھائی جان ہم نے بہت

سے بزرگوں اور پیروں کو دیکھا ہے لیکن اس طرح تو کوئی نہیں کہتا۔ بعض کو دعا کی قبولیت کا یقین بھی ہو جاتا ہے پھر بھی یہی فرماتے ہیں کہ جاؤ اللہ کے فضل سے کام ہو جائے گا۔ یہ کون سا انداز ہے کہ جاؤ میں نے کر دیا۔ وہ تو سن کر گرم ہو گئے اور فرمایا:

انصاری صاحب! آپ نے ولی اللہ دیکھے ہوں گے، پیر اور بزرگ دیکھے ہوں گے، آپ نے کوئی فقیر نہیں دیکھا۔ میں تو فقیر ہوں۔ میں ایسے ہی کہوں گا آپ جو جی چاہے کر لیں۔ میں نے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا کہ بابا جو چاہے کرو میں کچھ نہیں کہتا۔ انہوں نے میرے ساتھ بھی ایک مرتبہ ایسے ہی کیا۔ ہوا یوں کہ کچھ دنوں بعد میں نے کہا کہ بھائی جان دعا کریں کہ اب واپس دلی چلا جاؤں۔ بچے وہاں ہیں اور میں یہاں پڑا ہوں۔ دو جگہ کا خرچہ مشکل سے پورا ہو رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم واپس چلے جاؤ۔ چند دن بعد ہی ہمارے ہیڈ کوارٹر سے سرکاری حکم آ گیا کہ ہمارے آدمی دہلی واپس بھیج دیں۔ شام کو میں نے رسالدار صاحب کو بتایا کہ لو تم اکیلے ڈگڈی بجانا کیونکہ میں تو واپس جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اتنی جلدی تم کیسے واپس جا سکتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہمارے بارے میں سگنل آ گیا ہے اب تو جانا ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں دیکھوں گا کہ تجھے کون واپس بھیجتا ہے۔ اگلے روز معلوم ہوا کہ بلگام والوں نے ہیڈ کوارٹر والوں کو سگنل دیا ہے کہ ابھی یہ افراد فارغ نہیں کیے جا سکتے۔ اور جو کام ابھی باقی ہے اس کی تفصیل خط میں لکھ کر بھیج رہے ہیں۔ اس طرح واپسی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ چند دن بعد میں نے دوبارہ رسالدار صاحب سے گزارش کی کہ مجھے واپس بھجوا دیں۔ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے تمہیں واقعی اب واپس جانا چاہیے تم اب چلے جاؤ۔ ہماری یونٹ کا جب تفصیلی خط ہیڈ کوارٹرز پہنچا تو انہوں نے دوبارہ سگنل دیا کہ جو کام باقی رہ گیا ہے وہ یہاں دہلی میں آ کر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے ہمارے آدمی فوراً بھیج دیئے جائیں۔ میں بڑا خوش خوش شام کو رسالدار صاحب کے پاس گیا اور واپسی کا ذکر کرنے ہی لگا تھا کہ وہ بڑے جلال

کے ساتھ گویا ہوئے کہ بھائی جان اگر آج آپ نے مجھے چھیڑا تو خدا کی قسم تم ساری عمر یہاں ہی رہو گے یہاں ہی مرو گے اور یہاں ہی تمہاری قبر بنے گی۔ چلو چھیڑو میں نے کہا کہ نہیں بابا میں آپ کو بالکل نہیں چھیڑوں گا۔ اس پر آپ نے بڑے پیار سے فرمایا کہ کل تم چلے جاؤ میں تمہیں ملنے کے لیے دہلی آیا کروں گا۔ میں تمہیں وداع کرنے کل نہیں آؤں گا۔ تم ابھی مجھے مل لو کیوں کہ میں تمہیں جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ میں تو اگلے روز دہلی چلا گیا اور وہ اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد بنوں چلے گئے۔''

آپ حسب وعدہ جب بھی چھٹی آتے تو پہلے مجھے مل کر پھر گھر جاتے اور واپسی پر دوبارہ میرے ہاں قیام کرنے کے بعد اپنی یونٹ کو جاتے۔ وہ جب میرے ہاں ٹھہرتے تو ان کے معتقد حضرات اور ملنے والے احباب کی خوب محفل جمتی۔ ایک دن آپ نے مجھے پوچھا کہ بھائی جان آپ نماز نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا نہیں پڑھتا اور آپ عجیب دوست ہیں کہ عرصہ ہوا ملاقات ہوئے اور آج پوچھ رہے ہیں کہ آپ نماز نہیں پڑھتے؟ اس پر انہوں نے فرمایا کہ بھائی جان نماز تو فرض ہے اور یہ ضرور پڑھنی چاہیے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ان مسئلوں اور نماز کی اہمیت سے اچھی طرح آگاہ ہوں لیکن دل کا کیا کروں۔ بقول غالب:

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اس پر آپ نے فرمایا کہ طبیعت نہ آنے کی آخر کوئی وجہ بھی تو ہو گی میں نے کہا کہ جناب میں پہلے آپ کی خدمت میں گزارش کر چکا ہوں کہ میں نقشبندیہ سلسلے میں بیعت تھا اور سلوک طے کر چکا تھا۔ اس وقت نماز پڑھتا تھا تو اللہ کی حضوری ہوتی تھی۔ اب نماز پڑھتا ہوں تو سامنے اینٹ پتھر کی دیوار، لوٹا یا جوتا ہوتا ہے۔ میں ان چیزوں کو سجدہ نہیں کر سکتا نہ بے حضوری والی نماز پڑھ سکتا ہوں اگر آپ میں ہمت ہے تو آپ مجھے نماز پڑھا

دیں۔اس پر آپ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا کہ ٹھیک ہے اب میں ہی تمہیں نماز پڑھاؤں گا۔رسالدار صاحبؒ جب اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کوئی بات کہہ دیتے تھے تو اگر کوئی پہاڑ بھی راستے میں حائل ہوتا تو ٹل جاتا۔ان دنوں رسالدار صاحبؒ نے ابھی داڑھی نہیں رکھی تھی اور نماز کی امامت کم ہی فرماتے تھے کسی داڑھی والے دوست کو جماعت کا امام بنا لیتے تھے۔ایک دن جب وہ میرے مہمان تھے اور میرے کوارٹر کے باہر اپنے ملنے والوں کے پاس تشریف فرما تھے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔آپ نے دوستوں سے فرمایا کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو آج میں جماعت کراؤں۔انہوں نے کہا ہم تو ہمیشہ آپ سے گزارش کرتے ہیں لیکن آپ خود ہی امامت نہیں کراتے میں اپنے کوارٹر کے سامنے چارپائی ڈالے حقے سے دل بہلا رہا تھا کہ آپ نے زور سے آواز دی۔''بھائی جان!میں آج نماز پڑھا رہا ہوں آپ نے پڑھنی ہے تو آ جاؤ۔''میں نے کہا کہ ابھی وضو کر کے آتا ہوں۔جب میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ صف میں میرے بالکل پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ نماز ہو گئی؟میں نے عرض کیا کہ ہو گئی۔آپ نے فرمایا کہ اب ایسے ہی ہوا کرے گی اب نہیں چھوڑنا۔چنانچہ میں نے نماز شروع کر دی اور پھر مولانا کریم الدین احمدؒ کا بتایا ہوا ذکر بھی اپنے معمولات میں شامل کر لیا اس طرح کئی برسوں کے بعد میں دوبارہ اپنی لائن پر آ گیا۔

رسالدار صاحبؒ کی مزید باتیں

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

پاکستان ائرفورس کی سروس کے دوران جب راقم السطور رسالپور اکیڈمی میں تعینات تھا تو میری رہائش صدر بازار میں تھی۔ وہاں میری ملاقات عبدالعزیز صاحب سے ہوئی جو قبلہ حضرت انصاریؒ کے ساتھ ہندوستان میں ملازمت کرتے رہے اور ان کے بڑے اچھے دوست تھے۔ میں ان سے قبلہ حضرتؒ کے بارے میں جوانی کے زمانے کی باتیں اور حالات پوچھتا رہتا۔

ایک دن جب حضرت رسالدار صاحبؒ کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ وہ جب دہلی میں انصاری صاحبؒ کے ہاں آیا کرتے تھے تو میں بھی ان کی مجالس میں شامل ہوتا تھا۔ وہ بہت بڑے بزرگ تھے اور انصاری صاحبؒ کے ساتھ ان کو بہت پیار تھا۔ وہاں ہمارے ایک پڑوسی کا بیٹا گھر سے بھاگ گیا تھا اور تلاش بسیار کے باوجود کہیں سے اس کی خبر نہ ملی۔ کسی نے انہیں بتایا کہ انصاری صاحبؒ کے پیر آئے ہوئے ہیں ان سے دعا کراؤ۔ وہ آئے تو رسالدار صاحبؒ نے فرمایا کہ تین دن کے اندر اندر اس کی اطلاع آپ کو مل جائے گی۔ چنانچہ دوسرے دن ہی ان کے کسی دور پار کے رشتہ دار کا پیغام ملا کہ آپ کا بیٹا ہمارے ہاں مقیم ہے اور آپ آ کر اسے لے جائیں۔ حضرت رسالدار صاحبؒ نے قبلہ حضرتؒ کو ایک مجلس میں اپنے بچے ہوئے پانی کے جو چند گھونٹ پلائے تھے اس کا ذکر بھی عبدالعزیز صاحب نے میرے ساتھ کیا۔

حضرت رسالدارؒ کے چھوٹے صاحبزادے کنور زبیر احمد خاں سرگودھا شہر میں رہائش پذیر ہیں اور جب بھی وہاں جانے کا اتفاق ہوتا ہے ہم ان سے ملاقات کا شرف ضرور حاصل کرتے ہیں۔ سرگودھا ائربیس کے قیام کے دوران جب میں پہلی مرتبہ آپ کے

دولت کدہ پر حاضر ہوا تو آپ نے رسالدار صاحبؒ کے کئی واقعات بیان فرمائے جو قبلہ حضرتؒ کی زبانی بھی ہم سن چکے تھے ایک نیا قصہ آپ نے یہ بیان فرمایا کہ ہمارے آبائی قصبہ مہندر گڑھ میں ایک مرتبہ ایک مجذوب فقیر وارد ہوا اور اس نے باہر ایک بڑ کے درخت کے نیچے ڈیرہ ڈال لیا۔ وہ کسی سے کوئی بات چیت نہیں کرتا تھا۔ اس کی بس ایک ہی رٹ تھی کہ "ایک ٹکہ چاہیے ایک ٹکہ چاہیے" لوگ اسے روپے پیسے اور ٹکے دیتے لیکن وہ سب پھینک دیتا یا لوگوں میں بانٹ دیتا اور یہی کہتا کہ ایک ٹکہ چاہیے۔ وہ کئی برس تک اس درخت کے نیچے پڑا رہا۔ ایک دن ہمارے ابا حضور نے اپنے نوکر کو بلایا اور اسے ایک ٹکہ دیا اور فرمایا کہ وہ بڑ کے درخت کے نیچے ایک فقیر رہتا ہے اسے جا کر یہ ٹکہ دے آؤ۔ اس نے جا کر فقیر کو سلام کہا تو وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا کہ لاؤ میرا ٹکہ۔ جب نوکر نے ٹکہ اس کے حوالے کیا تو اس نے لے کر اسے چوما، جیب میں ڈالا اور نعرے لگاتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور پھر کسی نے اسے دوبارہ نہیں دیکھا۔ ہم ابا حضور سے پوچھتے رہے کہ یہ معاملہ کیا تھا لیکن وہ ٹال گئے۔

اب آخر میں قبلہ حضرتؒ کا بیان کردہ ایک واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن رسالدار صاحبؒ سے پوچھا کہ بھائی جان! آپ نے تو اللہ میاں کو دیکھا ہے بتائیں تو سہی وہ کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ میاں کیلے کی طرح ہیں۔ میں نے کہا کیا مطلب؟ رسالدار صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ نے کیلے کا درخت تو دیکھا ہوگا۔ اس میں لکڑی نہیں ہوتی۔ بس ایک دوسرے کے اوپر پردے لپٹے ہوتے ہیں۔ باہر والا پردہ چھیل دو تو اندر پھر ایک پردہ ہوگا۔ اس کو ہٹا دو تو پھر اس سے باریک ایک اور پردہ ہوگا۔ اس کو بھی دور کر دو تو پھر ایک پتلا پردہ نظر آئے گا۔ آپ اسی طرح پردے ہٹاتے چلے جائیں تو لطیف سے لطیف تر اور نازک سے نازک پردے آنا شروع ہو جائیں گے۔ اسی طرح چلیں تو آخر میں بہت ہی باریک اور نرم و نازک قسم کا

پردہ نظر آئے گا۔اس کو بھی اگر کھول دیں تو پھر کچھ بھی دکھائی نہ دے گا۔یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ **سبحان اللہ تعالیٰ عما یصفون** ''تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان کرتے ہو وہ ان باتوں سے پاک ہے'' آپ کی بات سن کر بڑی حیرت ہوئی لیکن اس کی حقیقت سلوک طے کرنے پر ہی منکشف ہوئی۔

ایک اور واقعہ جو حضرت رسالدارؒ کے خاندان سے متعلق ہے اسے بھی یہاں درج کر دینا مناسب رہے گا۔ایک دن قبلہ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر چہ ہم دہلی کے رہنے والے ہیں۔لیکن ہمارے مزاج میں بڑی سادگی ہے اور ہم دہلی کے آداب، ناروا قسم کے تکلفات اور ''پہلے آپ'' قسم کی رسومات کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ہمیں شروع ہی سے سیدھے سادے اور بے تکلف پنجابی بھائی اچھے لگتے ہیں۔ بلگام میں جہاں رسالدار صاحبؒ سے ہماری ملاقات ہوئی وہاں بھی نظام آباد پنجاب کے رہنے والے ایک پنجابی بزرگ کی سپورٹس کی دکان تھی۔ میں ڈیوٹی کے بعد روزانہ ان کی دکان پر گپ شپ کے لیے جایا کرتا تھا۔

تکلفات میں بھلا کیا رکھا ہے۔اب آپ کسی کے گھر مہمان جائیں اور صاحبِ خانہ آپ سے کھانے کے بارے میں دریافت فرمائیں تو یہ کہاں کے آداب ہیں کہ آپ کو سخت بھوک لگی ہوئی ہے لیکن آپ یہ کہیں کہ اجی نہیں آپ تکلف نہ فرمائیں ہمیں قطعی بھوک نہیں ہے۔ہم تو ان باتوں کو اچھا نہیں جانتے۔آپ نے کھانا کھانا ہے تو بلا تکلف کہہ دیں کہ کھانا ہے۔ میں آپ کو بڑے مزے کا ایک قصہ سناتا ہوں۔میرے دوست حضرت رسالدار صاحبؒ کے بھائی بڑے قدر آور جوان تھے اور خوب روٹیاں کھاتے تھے۔ وہ اپنی اماں سے روٹیاں گن کر نہیں بلکہ موٹائی ناپ کر لیا کرتے تھے۔ایک دن وہ میرے ہاں اپنے ایک دوست کے ساتھ مہمان بن کر آئے کھانے کا وقت تھا اس لیے میں نے کھانے کا پوچھا تو انہوں نے رسماً انکار کر دیا۔اب ہماری تو عادت ہے کہ ایک ہی

مرتبہ پوچھتے ہیں۔ اب انہیں دراصل بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر میرے ہاں ٹھہرے تو بھوک نے مزید ستایا۔ اب وہ خود ایک مرتبہ انکار کر چکے تھے تو دوبارہ کھانے کے لیے کیسے بتاتے۔ بہر حال انہیں اس تکلف کی بدولت تکلیف اٹھانا پڑی۔ اس واقعہ کے بعد پھر کبھی دوبارہ تشریف لائے۔ میں نے کھانے کے متعلق پوچھا۔ ان کے عزیز رسماً انکار کرنے ہی والے تھے کہ رسالدار صاحبؒ کے بھائی نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ انکار نہ کرنا یہ دوبارہ نہیں پوچھتے۔ مجھے پچھلی مرتبہ تکلف کی وجہ سے بھوکا رہنا پڑا تھا۔ اس پر خوب قہقہہ پڑا۔ ہم نے کہا کہ جب ہم نے پوچھا تھا تو آپ نے کیوں انکار کیا جو کچھ حاضر تھا ہم پیش کر دیتے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پیر بھائیوں کو چاہیے کہ ان جھوٹے تکلفات میں ہرگز نہ پڑا کریں۔ کھانا کھانا ہو تو صاف بتا دو کہ کھانا ہے اور اگر بھوک نہیں ہے تو بھی واضح کر دو کہ کھانے کا انتظام نہ کریں۔

نئے طبقات دیکھے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مرتبہ اتفاق ایسا ہوا کہ راقم الحروف عین دوپہر کے وقت آستانہ توحیدیہ پر حاضر ہوا۔ یہ وقت قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے آرام کا ہوتا تھا۔ اس لیے میں سلام کے لیے حاضر نہ ہوا بلکہ دبے پاؤں سیدھا مہمان خانے میں داخل ہو گیا۔ چند منٹ بعد ہی ایک ملازم آیا اور کہنے لگا کہ قبلہ پوچھ رہے ہیں کہ کون آیا ہے۔ میں نے تعارف کرایا تو وہ چلا گیا اور فوراً ہی واپس آ گیا کہ قبلہ حضرت آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں سلام کے لیے حاضر خدمت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو روزنامچہ حسابات میں حلقہ فنڈ کا اندراج کر رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ آ گئے چلو گپ شپ لگاتے ہیں۔ وہ جون جولائی کی دوپہر تھی اور باہر سناٹا تھا اور کمرے میں صرف میں ہی حاضر تھا۔ ایک عجیب سا کیف اور سماں محسوس ہو رہا تھا اور آپ کبھی مجھے اپنے بچپن کی کرامات سناتے کبھی سلسلہ توحیدیہ کی شروعات کے بارے میں بتاتے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حال ہی میں مَیں نے دو نئے روحانی طبقے دیکھے ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایک طبقہ جہاں رجال الغیب یعنی ڈیوٹی والے بزرگ زیرِ تربیت تھے۔ ہمارے بھائی راجہ صاحب کی بہن گھر والوں کے سامنے روحانی طور پر ظاہر ہونے والی ایک ڈولی میں سوار ہو کر غائب ہو گئی تھی۔ میں اسے واپس لا سکتا تھا لیکن وہ یہاں آ کر زندہ نہ رہتی۔ اپنا وقت وہاں پورا کر کے آ جائے گی۔ لوگوں نے وہاں مشہور کر رکھا ہے کہ راجہ کے پیر کے جن اس لڑکی کو ساتھ لے گئے ہیں۔ ایک دوسرا طبقہ دیکھا، جس میں ان لوگوں کی روحیں تھیں جو بڑے اچھے اور نیک لوگ تھے لیکن دنیا کی زندگی میں غصہ اور نفرت کی نفی نہ کر سکے۔ ان کے لیے جنت کا حکم ہو چکا ہے۔ لیکن اس طبقے میں کچھ عرصہ رکھ کر غصہ و نفرت سے پاک کیا جائے گا۔ یہ اتنی خراب چیز ہے کہ اس

کے ساتھ کوئی جنت میں داخل نہ ہو پائے گا۔

قرآن کریم میں سورت آل عمران کی آیت 134 میں واضح طور پر لکھا ہے کہ جنت ان متقین کے لیے ہے جو خوشحالی اور تنگ دستی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے، غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کی خطائیں معاف کر دینے والے ہیں۔ وہاں ایسے ایسے بزرگ بھی دیکھے جو یہاں جلالی فقیر کہلاتے رہے لیکن اب وہاں پھنسے بیٹھے ہیں۔ اگرچہ انہیں وہاں کوئی تکلیف یا عذاب نہیں ہے پھر بھی جنت میں داخلہ سے تو روک دیے گئے۔ یہاں ان کے مزار بنے ہوئے ہیں اور عرس منائے جاتے ہیں۔ اگر میں نام لوں تو لوگ جوتے لگائیں گے۔ اس لیے غصہ جیسی بلا سے یہاں ہی چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے۔ میری ایک بات یاد رکھیں کہ عزت تو تمام بزرگوں کی کریں لیکن اتباع کے لیے صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھیں میرا اتباع بھی ہرگز نہ کریں۔ کیوں کہ یہ صرف حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک ہی ہے جن کا اخلاق ہر کمی اور خامی سے پاک تھا۔ جو خصلت یا عادت حضور ﷺ میں تھی اور کسی بزرگ میں نہیں ہے تو سمجھ لیں کہ اس بزرگ میں ابھی خامی ہے اسی طرح جو خصلت حضور ﷺ میں نہ تھی اور کسی بزرگ میں موجود ہے تو یہ بھی ان کی خامی تصور ہوگی۔ جو کوئی بھی کامل ہوگا وہ نبی کریم صاحب خلق عظیم ﷺ کے رنگ میں رنگا ہوا ہوگا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ حضور ﷺ میں تو غصہ نام کو بھی نہ تھا۔ آپ رحمۃ اللعالمین تھے۔ آپ نے گالیاں دینے والوں کو دعائیں اور خون کے پیاسوں کو عبائیں دیں اور فتح مکہ پر اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا۔ حضور ﷺ سراپا جمال تھے اور آپ کا فقر جمالی تھا نہ کہ جلالی۔ اس لیے مسلمان فقیروں کو سراپا جمال، عفو و درگزر کی زندہ مثال اور محبت و مودت کا نمونہ ہونا چاہیے۔ فقیری اسی کا نام ہے کہ لوگوں کی گالیاں کھاؤ اور انہیں دعائیں دو

مارشل کا خطاب

(الحاج محمد حسین چہل)

میرا تعلق پاکستان ائیرفورس سے رہا ہے سچ تو یہ ہے۔ قبلہ انصاری صاحبؒ کا روحانی سلسلہ شروع ہی ائیرفورس سے ہوا تھا۔ آپ کے سب سے پہلے مرید ونگ کمانڈر محمد اکبر تھے۔ اس کے بعد میر ظفر علی، چوہدری غلام قادر، قاضی غیور احمد وغیرہ۔ بیعت ہوئے۔

جب قبلہ انصاری صاحب کا قیام گلبرگ لاہور میاں محمد علی صاحب کی کوٹھی میں تھا۔ ہم ائیرفورس بیس لاہور میں تھے۔ غالباً 65ء کا زمانہ تھا۔ ہم روزانہ شام کو پانچ سات ساتھی سائیکلوں پر سوار ہو کر پہنچ جاتے۔ اور رات دس بجے واپس لوٹتے۔ میں ان میں سب سے سنئیر تھا۔ لہٰذا باباجی نے مجھے مارشل (ائیرفورس کا سب سے بڑا رینک) کا خطاب فرمایا۔ اور آج تک دوست لوگوں میں نام کی بجائے یہی مشہور چلا آ رہا ہے۔

حضرت قبلہ انصاری صاحبؒ سے تعارف:

1953ء میں ہم سرگودھا بیس پر تھے۔ جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر ہم اپنی اپنی بیرکوں کو جاتے۔ تو ایک دوست غلام قادر وہاں مسجد میں ہی رہ جاتے۔ ایک دن ہم نے پوچھا کہ بھئی تم کیا کرتے رہتے ہو۔ جواب ملا کہ ذکر نفی اثبات کرتا ہوں۔ میرے پیر صاحب نے یہ سبق دیا ہے۔ میں بنیادی طور پر روائتی پیروں کے سخت خلاف تھا۔ ان کی قبیح حرکات کی وجہ سے۔ میں نے کہا: چھوڑو یار۔ بس وہم میں پڑے ہو۔ یہ سب فراڈیے ہوتے ہیں۔ لیکن انہوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا کہ سب ایسے نہیں ہوتے اور یہ پیر صاحب بڑے پڑھے لکھے اور باشعور ہیں۔ آپ مل کر تو دیکھیں۔ بہر حال اشتیاق بڑھا اور آخر انہیں وہاں مدعو کیا گیا اور آپؒ ہمارے گھر میں ایک ماہ تک قیام فرمایا۔ اس دوران ائیرفورس کے ہمارے سمیت بہت سارے دوست بیعت ہوئے۔

اسی دوران ہمارے ایک دوست کارپورل محمد علی کا کسی وجہ سے کورٹ مارشل ہو رہا تھا۔ باباجی سے دعا کرائی گئی تو اللہ کے فضل و کرم سے انہیں معمولی سزا کے بعد ائیر فورس سے فارغ کر دیا گیا۔ اس کے بعد میاں محمد علی نے عرض کی کہ باباجی مجھے تو دولت چاہیے۔ فقیر کی نظرِ کرم اور اللہ کے فضل سے انہیں بے بہا دولت سے نوازا گیا۔ اور اس نے بھی باباجی کی بڑی خدمت کی۔

پہلی دفعہ جب حضرت کراچی سے کوئٹہ تشریف لائے تو اتفاقاً میں چھٹی پر چلا گیا تھا۔ جب دوست آپ سے مل کر کوئٹہ شہر سے اپنے کیمپ سمنگلی واپس جا رہے تھے۔ رات سڑک پر بہت اندھیرا تھا۔ اور 6۔7 میل کا سفر تھا۔ تمام دوست سائیکلوں پر سوار تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ روشن لالٹین لیے باباجی آگے آگے جا رہے تھے۔

اور پنکھا چلتا رہا:

ایک دفعہ حضرت پشاور تشریف لائے۔ گرمی کا موسم تھا۔ سب بھائی باباجی کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ سو رہے تھے۔ آپ کے سرہانے بجلی کا پنکھا رکھا تھا۔ اچانک تمام شہر کی بجلی چلی گئی۔ مگر باباجی کے سرہانے رکھا ہوا پنکھا چلتا رہا۔ اور کئی گھنٹے چلتا رہا۔ حالانکہ سارے محلے کی بجلی بند تھی اور کوئی خاص کنکشن بھی اس پنکھے تک نہ آتا تھا۔ جاگنے پر ہم نے پنکھے کا قصہ بیان کیا تو فرمایا: ارے بھئی مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ اللہ کی مرضی سے بڑے بڑے عجیب و غریب کام ہو جاتے ہیں' جو ہماری سمجھ سے ماوراء ہیں یہ تو معمولی بات ہے۔

قیدی کی رہائی:

آپ بنوں میں قیام کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں' ایک پٹھانی روزانہ میرے پاس آتی اور دعا کے لیے کہتی کہ میرا خاوند جیل سے جلد رہا ہو جائے۔ وہ کسی جرم کی وجہ سے لمبی قید کاٹ رہا تھا۔ میں اس کی فرمائش میں دعا کر دیتا۔ یہ غالباً 56ء کا ذکر ہے۔ پاکستان

میں زبردست سیلاب آیا۔ جو کنٹرول نہیں ہو رہا تھا۔ فوج کو طلب کیا گیا۔ اس کے بعد قیدیوں کو سیلاب کی روک تھام کے لیے لگایا گیا۔ اللہ اللہ کر کے سیلاب تھم گیا اور قیدیوں کی قید میں بھی تخفیف کی گئی اور اس کا خاوند بھی رہا ہو کر آ گیا۔ وہ پٹھانی ایک دن اپنے خاوند کے ہمراہ مٹھائی کا ڈبہ لے کر آ گئی۔ کہنے لگی۔ باباجی آپ کی دعا سے میرا بندہ رہا ہو کر آ گیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اللہ کے کام اللہ ہی جانے۔ ایک آدمی کو قید سے رہا کرنے کے لیے کتنی جانیں سیلاب کی نذر ہو گئی ہوں گی۔

جذبہ جہاد:

ستمبر 1965ء کے اوائل کی بات ہے ہمیں آرڈر ملا کہ کشمیر کے بارڈر کے ساتھ ساتھ ہوائی جہازوں کی حرکات کی رپورٹنگ کے لیے پوسٹیں لگائی جائیں۔ میرے پاس ہر وقت جیپ رہتی تھی۔ میں باباجی کی اشیرباد حاصل کرنے گلبرگ چلا گیا۔ حضرت نے فرمایا: کفر اور اسلام کی جنگ شروع ہونے والی ہے۔ جاؤ تمہارا اللہ حافظ و ناصر ہو۔ وہاں سے میں نے واپس آ کر (آفیسر کمانڈنگ) O.C سے ضروری نقشے وغیرہ لیے اور اپنے مشن پر روانہ ہو گیا۔ صبح سویرے اعوان شریف (گجرات کے قریب) دشمن کے پانچ لڑاکا جہازوں نے حملہ کیا۔ ہمارے جوانوں نے فوراً اوپر ہیڈ کوارٹر کو وائرلیس پر اطلاع دی۔ ہمارے لڑاکا جہاز فوراً پہنچ گئے اور انہوں نے پانچ کے پانچ جہاز مار گرائے۔ اس واقعہ کے دوسرے روز چھمب جوڑیاں فتح ہو چکا تھا۔

ہماری آرمی نے ہیوی توپ خانے سے دریائے چناب کے پار اکھنور کے قصبہ پر گولے پھینکنے شروع کر دیئے۔ تو اسی دوران انڈیا کے 6 لڑاکا ہوائی جہاز حملہ آور ہوئے وہ بارش کی طرح گولیاں برسا رہے تھے۔ لیکن ہم نے ان کی فائرنگ کی پرواہ کیے بغیر وائرلیس پر رپورٹ بھیجی۔ تو ڈیڑھ منٹ کے اندر ہمارے 4 لڑاکا جہازوں نے انہیں گھیر

کر دو کو وہیں مار گرایا۔ باقی دم دبا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کامیابی پر ہمیں ''تمغات خدمات اعلیٰ'' سے نوازا گیا۔

اس طرح کی اور بھی بے شمار کامیابیوں کے بعد دشمن کے حوصلے پست ہو گئے اور اس وقت کے انڈین ائیر فورس کے کمانڈر ان چیف نے ہینڈز اپ کر دیئے کہ پاکستانی ائیر فورس سے مقابلہ مشکل ہے۔

قلب کا جاری ہونا:

حضرت انصاری صاحب جن دنوں ڈرگ روڈ (کراچی) ائیر بیس پر لائبریرین کے طور پر کام کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن کی چھٹی گیا تو میری غیر موجودگی میں جو آدمی میری جگہ کام کرتا تھا۔ اس نے بتایا کہ انصاری صاحب جب میں آپ کی کرسی پر بیٹھتا تھا۔ میرا دل اللہ اللہ کرنے لگتا تھا۔ آپ نے فرمایا: بھئی اس ذات کا شکر ادا کرو۔ جس نے بغیر محنت کے آپ کو اپنے ذکر سے نوازا اور اسے ذکر کرنے کا طریقہ سمجھایا۔

بابا فضل دین:

ہمارے ماڑی پور (کراچی) ائیر فورس بیس کے قیام کے دوران ایک بزرگ بابا فضل دین سے ملاقات ہوئی۔ ایک روز رات ۱۲ بجے ہم بس پر سوار ہو کر اپنے کیمپ میں جانے کے لیے کراچی شہر میں کھڑے تھے۔ بابا فضل دین بھی ہمارے ساتھ لائن میں کھڑے تھے۔ رش بہت تھا اور اس ایک ہی بس کا آخری ٹائم تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بابا فضل یہ کہہ کر چل دیئے کہ بس میں جگہ ملنی مشکل ہے۔ ہم جب بس کے ذریعے کیمپ پہنچے تو بابا فضل وہاں پہلے سے موجود تھے۔ ہم نے پوچھا: بابا جی! آپ ہم سے پہلے کیسے آ گئے؟ فرمانے لگے: بھئی آپ کی بس گھوم پھر کر آتی ہے۔ ہم شارٹ کٹ سے سیدھے آ گئے۔

بابا جی وہاں آفیسر میس میں ویٹر (پانی پلانے) کے طور پر ملازمت کرتے تھے۔ ایک

دن اس وقت کے C.I.N.C (کمانڈر انچیف) انگریز نے کسی بات پر خفا ہو کر بابا جی سے کہا: ہم تمہیں نوکری سے نکال دیں گے۔ بابا جی نے جواب دیا۔تم کیا نکالو گے۔ہم نے تمہیں کل سے نوکری سے برخاست کر دیا ہے۔واقعی دوسرے روز ان کی انگلینڈ واپسی کے آرڈر آ گئے۔

ملیر، کراچی کا مونو گرام:

کراچی میں ملیر ائیر فورس بیس کا افتتاح ہونے والا تھا۔وہاں کے سٹیشن کمانڈر ونگ کمانڈر عبدالسلام بٹ نے قبلہ انصاری صاحب سے نئے کیمپ کے لیے مونو گرام لکھنے کے لیے درخواست کی۔حضرت نے یہ شعر لکھ دیا۔جو آج بھی اس بیس کے مین گیٹ پر لکھا ہوا ہے۔

آتی ہے مجھے غیب سے آواز مسلسل
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ایک بیٹے کی پیش گوئی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ والوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور ان کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شرفِ قبولیت فرماتا ہے۔ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی مجالس میں راقم السطور کی حاضری تقریباً اٹھارہ برس تک رہی اور راولپنڈی کے قیام کے دوران عرصہ پانچ برس کے لیے اس فقیر کو قبلہ حضرت کا شرفِ میزبانی بھی حاصل ہوتا رہا۔ ان مجالس میں آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعاؤں اور پیشگوئیوں کو ہم حقیقت میں ڈھلتے ہوئے دیکھتے رہے۔ اس سلسلے میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جو قارئین کرام کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔ جب قبلہ حضرت بنوں کی سکونت ترک کر کے لاہور تشریف لے آئے تو آپ کی مجالس میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ بھائی پروفیسر محبوب فرید ترمذی صاحب کا آنا جانا ہو گیا۔ آپ قادری سلسلہ کے جانشین بھی تھے۔ راقم الحروف ایک مرتبہ سرگودھا سے قبلہ حضرتؒ کی خدمت میں لاہور گلبرگ گنبد والی کوٹھی میں حاضر ہوا تو میرا پہلی مرتبہ ترمذی صاحب سے تعارف ہوا۔ ان کے جانے کے بعد قبلہ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لیے بہت بڑی سفارش آئی ہے۔ حضرت غوث پاکؒ تشریف لائے اور مجھے کہنے لگے کہ ہمارے اس کشمیری پنڈت کا خیال رکھیں۔ وہ انہیں کشمیری پنڈت کہتے ہیں پتہ نہیں کیوں۔ میں نے عرض کیا کہ ہم تو پہلے بھی اس کا خیال رکھتے ہیں اب اور بھی زیادہ رکھیں گے۔ ترمذی صاحب نہایت ہی خوش مزاج بھائی تھے۔ آپ آ جاتے تو محفل میں جان آ جاتی۔ قبلہ حضرت سے جہاں اعلیٰ علمی مسائل پر بات چیت ہوتی وہاں رنگ رنگ کے لطیفے اور چٹکلے بھی بیان کرتے۔ جب قبلہ حضرت G-92 ماڈل ٹاؤن منتقل ہو گئے تو ترمذی صاحب روزانہ ہی حاضر خدمت ہوتے کیونکہ ان کی رہائش بھی ماڈل ٹاؤن ہی میں تھی۔ ترمذی

صاحب کی شادی کو بہت عرصہ گزر چکا تھا بالوں میں سفیدی آ چکی تھی لیکن اولاد کی نعمت سے ابھی تک محروم تھے۔قبلہ حضرتؒ سے دعا کے لیے التجا کی گئی تو آپ نے انہیں خوشخبری سنا دی کہ تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔لیکن اس میں کچھ دیر ہوئی تو بھائی ترمذی صاحب کے لیے دعا کی سفارش کرتے۔اس پر آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بیٹا ضرور پیدا ہوگا کیوں کہ اس کی بشارت مجھے رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔کبھی کبھی آپ مذاق میں یوں بھی فرماتے کہ بھائی وہ ضرور آئے گا لیکن پیدل آ رہا ہے۔وقت گزرتا رہا اور ایک شام جب ترمذی صاحب حاضر محفل تھے تو قبلہ حضرت نے انہیں بلا کر فرمایا کہ "ترمذی صاحب جس بچے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے مجھے دی تھی وہ آج رات رحم مادر میں منتقل ہو رہا ہے" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی' پیش گوئی کو پورا فرمایا اور ترمذی صاحب کو بڑھاپے میں اولاد کی نعمت سے نوازا۔ پروفیسر ترمذی صاحب کو قبلہ حضرت نے اپنے مقرر کردہ خلیفہ عبدالستار خان صاحبؒ کی مدد اور علمی تعاون کرنے کی خاطر نائب خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ خان صاحب تو زیادہ پڑھے لکھے نہیں لیکن میرا حلقہ تو پڑھے لکھے لوگوں کا ہے۔ یہاں تو اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی آئیں گے اس لیے ان کو نائب مقرر کیا ہے تا کہ پڑھے لکھے لوگوں کو مطمئن کرنے میں ان کی مدد کریں۔

نور بابا کے سوالوں کا جواب

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ 1947ء میں دہلی سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے تو آپ نے کچھ عرصہ کے لیے پاکستان ائرفورس بیس ڈرگ روڈ (موجودہ نام شارع فیصل) میں بطور لائبریرین ملازمت کی۔ اس لیے سب سے پہلے جن لوگوں کو آپ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا' ان کی اکثریت کا تعلق پی اے ایف سے تھا۔ سب سے پہلے مرید ہونے والے کا نام قاضی غیور احمد انصاری تھا۔ جو کہ ملٹری اکاؤنٹس میں ملازم تھے۔ باقی لوگ ائیرفورس کے ملازم اور گراؤنڈ سگنلز ٹریڈ کے تھے۔ یہ لوگ تھوڑا عرصہ بعد کراچی سے کوئٹہ چلے گئے۔ وہاں ان کے ایک ساتھی تھے جن کا نام نور احمد میر عرف نور بابا تھا۔ وہ بنیادی طور پر اہلِ حدیث مسلک کے تھے اس لیے پیری فقیری کو ایک ڈھونگ گردانتے اور ہمارے سلسلے کے بھائیوں اور ذکر وغیرہ کا مذاق اڑاتے۔ لیکن جب قبلہ حضرتؒ سے ملاقات ہوئی تو پہلی مجلس ہی میں ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ روحانیت کا ایسا غلبہ ہوا کہ ہر وقت سوز و مستی میں جھومتے اور مرشد کے گیت گاتے رہتے۔ ان کے توسط سے کئی لوگوں کی اصلاح ہوئی اور وہ سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہو گئے۔ آپ نوشہرہ ورکاں کے رہنے والے تھے اور آپ کی کوشش ہی سے وہاں حلقہ توحیدیہ قائم ہوا اور وہاں کے رہنے والے ہمارے بہت ہی پیارے اور سراپا ایثار بھائی چوہدری جلال الدین مرحوم و مغفور کے اخلاص اور مہمان نوازی کے جذبہ کی وجہ سے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات کی ابتدا نوشہرہ ورکاں ہی سے ہوئی۔ نور بابا صاحب کے سلسلہ توحیدیہ میں شمولیت کا قصہ بیان کرتے ہوئے قبلہ حضرتؒ نے ایک مجلس میں فرمایا:

''شروع شروع میں بیعت ہونے والے بھائی جب کوئٹہ چلے گئے تو میرا جی چاہا کہ اپنے بیٹوں سے مل آؤں۔ میں نے چند روز کی چھٹی لی اور بھائیوں کو اطلاع کر دی کہ میں فلاں تاریخ کو کوئٹہ پہنچ رہا ہوں اور وہاں شہر میں بینک کے ایک ملازم چوہدری نیاز احمد کے ہاں قیام کروں گا۔ ہمارے پیر بھائیوں نے نور بابا صاحب کو بھی دعوت دی کہ ہمارے مرشد یہاں آ رہے ہیں اور آپ بھی ان سے ملاقات کر لیں۔ چنانچہ نور بابا تیار ہو گئے اور تصوف پر اعتراضات کرنے کے لیے کچھ سوالات بھی لکھ کر جیب میں رکھ لیے۔ ائرفورس بیس سمنگلی سے نور بابا سمیت سب بھائی سائیکلوں پر میری قیام گاہ پر پہنچ گئے تو اللہ اللہ اور تصوف کے بارے میں مَیں نے بات چیت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا یوں ہوا کہ اپنی گفتگو کے دوران بابا نور کے تمام اعتراضات کے جواب میں نے بیان کر دیئے اور انہیں اپنا کاغذ پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ہم سب لوگ صوفوں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نور بابا جو اندر سے بالکل موم ہو چکے تھے اپنے صوفہ سے اٹھ کر میرے قدموں میں آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے انہیں ڈانٹا اور واپس صوفہ پر بیٹھنے کو کہا۔ جب مجلس ختم ہوئی تو نور بابا نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں تو جدھر دیکھتا ہوں ہر طرف انصاری صاحب ہی دکھائی دے رہے ہیں۔ میری سائیکل کسی پتھر وغیرہ سے ٹکرا ہی نہیں سکتی کیوں کہ میری راہنمائی کے لیے وہ ہاتھ میں لالٹین پکڑے میرے آگے آگے جا رہے ہیں۔ اب حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے ہرگز معلوم نہ تھا کہ نور بابا اپنے ساتھ کچھ سوالات لکھ کر لایا ہے۔ میں خواہ مخواہ اپنی بزرگی کا رعب جمانا نہیں چاہتا۔ بس اللہ تعالیٰ کو اس کی اصلاح منظور تھی اور اس نے بابا کے سوالات کے جوابات بالترتیب میری زبان پر جاری فرما دیئے۔ اس نے مجھے بعد میں بتایا تھا کہ اعتراضات کرنے کے لیے آٹھ دس سوال لکھ کر اپنے ساتھ لایا تھا۔ نور بابا نے خوب روحانی ترقی کی اور اس کے توسط سے کتنے ہی بھائی سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہوئے۔

لیکن خلیفہ بننے کی آرزو نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ میں نے اس کی غلطیوں سے صَرفِ نظر کر کے اسے دوبارہ حلقہ میں شامل کیا لیکن وہ اس چکر سے نکل نہ سکا۔

دل بلب کی طرح ہے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

دل اور بلب کی مشابہت والی بات آپؒ سے کئی مجالس میں سنی۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے:

''آپ کو پتہ ہے کہ بلب کیونکر روشنی دیتا ہے۔ صرف بجلی سے روشنی نہیں ہوتی، بلب کے اندر جو تار ہیں انہیں اگر باہر نکال کر بجلی آن کر دیں تو تار سرخ ضرور ہو جائیں گے لیکن روشنی نہیں دیں گے۔ بلب کے اندر سے ہوا نکال کر ویکیوم (VACUME) پیدا کیا جاتا ہے۔ اور پھر اسے سِیل کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے تار روشن ہو جاتے ہیں۔ انسان کا دل بھی بلب کی طرح ہی ہے۔ آپ جتنا چاہے ذکر کریں اس سے دل گرم تو ہو جائے گا لیکن روشن نہیں ہوگا جب تک آپ دل سے ہوا کو نہ نکالیں۔ ہوا کے معنی ہوا و ہوس کے ہیں۔ دیکھو ظاہری طور پر بھی دل بلب کی طرح ہی ہوتا ہے۔''

روحوں سے ملاقات

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

اولیائے کرام اور سالکین راہ خدا کی نہ صرف خواب میں بلکہ بیداری کی حالت میں بھی ارواح سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کچھ لوگ یوگا، ہپناٹزم اور دیگر روحانی مشقوں کے ذریعے بھی روحوں سے رابطہ کرنے کی اہلیت حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ میڈیم کہلاتے ہیں اور ان کے ذریعے لوگ جس روح سے چاہیں بات چیت کر سکتے ہیں۔ یورپی ممالک میں اس مقصد کے لیے سینکڑوں دفاتر اور انجمنیں موجود ہیں۔ ان کے کئی پروگرام ٹیلی ویژن پر بھی دکھائے جاتے ہیں۔ پلان شیٹ بورڈ جس پر حروف لکھے ہوتے ہیں اور شیشے کے گلاس کی حرکت سے جو کہ روح کے تصرف سے ہوتی ہے حروف بنتے چلے جاتے ہیں اور اس طرح بھی ارواح سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہادی و مرشد قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی مجالس میں تو زیادہ تر روحانیت کی باتیں ہی ہوتی تھیں۔ روحوں سے ملاقات کے بارے میں راقم السطور نے جو کچھ خود آپ کی زبان مبارک سے سنا صرف اسی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت رسالدارؒ:

''حضرت رسالدار محمد حنیف خاں شہیدؒ تو اکثر میرے ساتھ رہتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے مجھے بیعت نہیں کیا تھا۔ لیکن مجھے روحانی بزرگی انہیں کے توسط سے نصیب ہوئی۔ حضرت مولانا کریم الدین احمدؒ میرے مرشد تھے لیکن ان سے جو کچھ ملا تھا وہ تو عرصہ پہلے ختم ہو گیا تھا اب تو جو کچھ بھی ہے حضرت رسالدار صاحبؒ ہی کا دیا ہوا ہے۔ جب پاکستان بنا تو وہ آرمی سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ لیکن انہوں نے مہندرگڑھ ریاست پٹیالہ سے ہجرت کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہمیں حکم ہوا ہے کہ یہاں ہی شہید ہونا ہے۔

عزیز واقارب نے بہت اصرار کیا لیکن وہ نہیں مانے اور بعد میں وہاں ہی شہید ہو گئے۔ مجھے روحانی طور ملے تو معلوم ہوا کہ شہید ہو گئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ پہنچ گئے تو فرمایا کہ ہاں پہنچ گیا ہوں میں ان دنوں کراچی میں مقیم اور بطور لائبریرین ائر فورس میں ملازم تھا۔ رسالدار صاحب جب بھی مجھے ملتے یہی کہتے کہ اگر سکون چاہتے ہو تو بنوں آ جاؤ۔ ان کی محبت آخر کار ہمیں بنوں لے ہی گئی۔ کئی بار ملے تو دور ہی سے سلام دعا کر کے چلے جاتے کہ بھائی جان فرصت نہیں ہے۔ ایک دن میں نے اصرار کر کے روک لیا اور دریافت کیا کہ آخر وہاں کیا کام ہے جو فرصت نہیں ملتی۔ تو رسالدار صاحب نے فرمایا کہ ادھر بھی اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کام پر لگا دیتا ہے اور بے کار نہیں بیٹھنے دیتا۔ میری بھی جنت کے ایک حصے پر ڈیوٹی ہے کہ جو جنتی جس وقت بھی کوئی چیز طلب کرے تو وہ فوراً اس کو ملنی چاہیے۔ ایک مرتبہ دکھائی دیئے تو تمام کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا جیسے کسی نہر سے نکلے ہوں۔ پوچھنے پر فرمایا کہ ایک جہاز طوفان میں گھر گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اسے بچانا ہے۔ چنانچہ اسے سیدھا کر کے طوفان سے باہر نکال کر آ رہا ہوں۔ جب رسالدار بنوں میں تھے تو وہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں ایک خاص جگہ پر بیٹھا کرتے تھے۔ مجھے وہ جگہ معلوم ہے اور وہاں بیٹھ کر مجھے خوب مزہ آتا ہے۔ رسالدار صاحب تو حلقے کے کئی بھائیوں سے بھی ملتے رہتے ہیں اور ان کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ:

"حضرت خواجہ صاحب تو مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کو چلانے کے سلسلے میں میری بہت مدد فرمائی۔ ہمیں تو پیری مریدی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ شروع شروع میں جو بھی ہمارے پاس آتا ہم ایک ہی نظر میں اسے بھر دیتے۔ خواجہ صاحب ملے تو انہوں نے راہنمائی فرمائی کہ ایسا نہ کریں ورنہ یہ بچے خراب ہو جائیں

گے۔ مفت میں ملی دولت کی قدر نہیں ہوتی یہ اسے ضائع کر دیں گے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس دولت کو نہ بانٹیں اللہ نے آپ کو دی ہے ضرور بانٹیں لیکن اپنے مریدوں کو خود محنت کرنے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی عادت ڈالیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو اس کام کا کوئی تجربہ نہیں اور نہ ہی ہمارے باپ دادا نے پیری مریدی کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے تجربہ سے فائدہ اٹھاؤ۔ ہم نے سلسلہ قائم کیا اور ہزاروں لوگوں کی تربیت کی۔ ان کو محنت بھی کرائیں اور ساتھ ساتھ مال بھی بانٹیں تا کہ اس کی قدر کریں اور مفت میں برباد نہ کریں۔ چنانچہ ہم نے ہاتھ روک لیا۔ اب کئی پرانے بھائی جب اس بات کا شکوہ کرتے ہیں تو میں کہہ دیتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے جو شکوہ شکایت کرنا ہے خواجہ صاحبؒ سے کرو۔ حضرت خواجہ صاحب کا فرمان بالکل بجا تھا۔ پہلے پہلے لوگ جن کو بے تحاشہ مال ملا تھا۔ ان میں سے چند ایک ہی اسے سنبھال سکے ورنہ اکثر غرور میں آ گئے اور بگڑ گئے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار کی خوب پوجا ہوتی ہے۔ لوگوں کی حاجت روائی بھی ہوتی ہے۔ اور لوگ مزار کو سجدے بھی کرتے ہیں۔ وہ مجھے ملے تو فرمایا کہ میں لوگوں کی ان حرکتوں سے بہت نالاں ہوں۔ میرے رشتے میں ایک ماموں تھے۔ ان کی بینائی کمزور ہوگئی تو انہوں نے اجمیر شریف مزار پر فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب اور نظر کی بحالی کی دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے تو اوپر سے کاغذ کا ایک ٹکڑا اڑتا ہوا ان کے ہاتھوں میں آ گرا۔ آپ نے اسے دیکھا تو اس میں سرمے کا ایک نسخہ درج تھا۔ انہوں نے اسے استعمال کیا تو نظر ٹھیک ہوگئی۔ بعد میں ایک مرتبہ پھر مزار کی پوجا کے بارے میں حضرت خواجہ صاحب اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما رہے تھے تو میں نے ماموں جان والے سرمہ کے نسخہ والا واقعہ سنایا اور کہا کہ اس قسم کی حرکتیں کرتے ہو تو لوگ پوجیں نہیں تو اور کیا کریں۔''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ:

راقم الحروف ایک مرتبہ گنبد والی کوٹھی گلبرگ لاہور میں قبلہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے پاس ایک بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت صاحبؒ نے تعارف کروایا کہ یہ پروفیسر محبوب فرید ترمذی صاحب ہیں۔ کچھ دیر بعد ترمذی صاحب تو چلے گئے تو بابا جی نے ارشاد فرمایا:

''ترمذی صاحب بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں اور قادریہ سلسلے میں ان کی گدی بھی ہے اب ہمارے پاس آنا شروع کیا ہے۔ ان کی بہت بڑی سفارش آئی ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ تشریف لائے تھے اور فرما گئے کہ ہمارے اس کشمیری پنڈت کا خیال رکھیں۔ میں نے کہا کہ ہم تو پہلے بھی خیال رکھ رہے ہیں اب خاص خیال رکھیں گے وہ انہیں کشمیری پنڈت کہتے ہیں پتہ نہیں کیوں؟''

ایک مرتبہ آپ عوام الناس میں مشہور بزرگوں کی کرامتوں کا ذکر فرما رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اصل واقعہ کچھ اور ہوتا ہے لیکن لکھنے والے اور قصہ خواں حضرات اسے کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ کے بارے میں جو بارہ برس کی ڈوبی ہوئی کشتی نکالنے والی کرامت مشہور ہے۔ اس کی حقیقت مجھے غوث الاعظمؒ نے خود بتائی۔ ایک ملاقات میں آپ نے بتایا کہ ''بغداد شہر سے ایک بارات کشتی کے ذریعے دریا پار کسی قصبے کے لیے روانہ ہوئی۔ وہاں شادی کی تقریبات سے فارغ ہونے کے بعد شام کو دلہن سمیت واپسی کا سفر شروع ہوا۔ دریا کے سفر کے دوران میں ہی انہیں بحری قزاقوں نے گھیر لیا اور تمام مسافروں سمیت کشتی کو اغوا کر کے لے گئے۔ مال و دولت لوٹ لیا اور انسانوں کو غلام بنا کر بیچ دیا۔ اس طرح کسی کو خبر نہ ہوئی کہ اس بدقسمت کشتی کے مسافروں کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔ جب رات گئے تک بھی بارات واپس نہ آئی تو گھر والوں کو

تشویش لاحق ہوئی۔ اگلی صبح چند آدمی دلہن والوں کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ بارات تو شام کو کشتی میں سوار ہو کر بغداد کے لیے روانہ ہوگئی تھی ان حالات میں یہی گمان کیا گیا کہ کشتی منجدھار میں آ کر ڈوب گئی ہوگی اور کوئی بھی زندہ سلامت نہیں بچا۔ دلہا کی ماں چیختی چلاتی اور روتی ہوئی میرے پاس آئی کہ میرا تو ایک ہی بیٹا تھا میں نے بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا اور بڑے چاؤ سے اس کی شادی کی اور اب وہ غائب ہوگیا ہے۔ آپ دعا کریں کہ میرا بیٹا اور دلہن گھر سلامت لوٹ آئیں۔ میں نے اس کے لیے دعا کر دی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے منظور فرمالی اور میں نے اس بڑھیا کو بشارت دے دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مراد ضرور بر لائے گا۔ اس واقعہ کے تقریباً بارہ برس بعد دلہا اور دلہن جو غلام بنا لیے گئے تھے بکتے بکاتے بغداد کی منڈی میں فروخت کے لیے لائے گئے۔ اتفاق سے وہاں ایک ایسا نیک دل مخیر انسان موجود تھا جو کشتی گم ہو جانے کے واقعہ سے آگاہ اور دلہا اور دلہن دونوں کو پہچانتا تھا اس نے ان دونوں کو خرید لیا اور اس بڑھیا کے گھر پہنچا دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی بشارت بارہ برس بعد پوری ہوگئی۔'' یہ تھا اصل قصہ اور حضرت غوث پاک کی کرامت کی حقیقت جسے عجیب و غریب داستان میں بدل دیا گیا۔

مجھے پیسہ چاہیے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

میاں محمد علی مرحوم و مغفور ہمارے سلسلہ کی ایک معروف شخصیت تھے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے ساتھ خصوصی تعلق اور محبت کی بنا پر انہوں نے قبلہ حضرتؒ اور سلسلہ توحیدیہ کی جو خدمت انجام دی انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ راقم الحروف کے ساتھ ان کی ملاقات پاکستان ائرفورس کی سروس کے دوران لاہور میں ہوئی۔ میری طرح وہ بھی جہازوں کے ٹیکنیشن تھے۔ وہ مجھ سے پہلے بیعت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ انہوں نے سروس کے دوران پرائیویٹ طور پر ایم اے کر لیا تھا۔ انہیں دولت کے حصول کا جنون کی حد تک شوق تھا اور سروس کے دوران بھی بعض خلاف قانون کاروباری سرگرمیوں میں ملوث رہے جس کی وجہ سے کئی بار ان پر مقدمات بھی بنے لیکن مایا سے ان کی محبت کا جذبہ سرد نہ ہوا۔ قبلہ حضرتؒ نے ایک مجلس میں میاں صاحب کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''میاں محمد علی صاحب پہلی مرتبہ مجھے سرگودھا میں ملے۔ ان دنوں ان پر کوئی کیس بنا ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان کا کورٹ مارشل ہونے کا خدشہ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھے دعا کرانے کے لیے آئے تھے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دی اور اسے کہہ دیا کہ کورٹ مارشل وغیرہ کچھ نہیں ہوگا بس معمولی سی سزا ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد وہ حلقہ ذکر میں باقاعدگی سے آنے لگے اور بیعت ہو گئے۔ ایک مرتبہ سرگودھا ہی میں ایک گھر میں مجلس تھی جس میں پانچ سات بھائی بیٹھے تھے۔ خوب پریم ہو رہا تھا۔ سب خاموشی سے بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے کہ مجھ پر ایک خاص روحانی کیفیت

وارد ہوئی اور میں نے سب سے مخاطب ہو کر کہا "مانگو تمہیں کیا چاہیے" میں نے باری باری ہر ایک سے پوچھا کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرما دے اور کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مل جائے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جب علی صاحب کی باری آئی تو اس نے کہا کہ قبلہ مجھے تو پیسہ چاہیے اس کمرے میں ایک سوٹ کیس پڑا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ جاؤ یہ صندوق سوسو کے نوٹوں سے بھرا ہوا تمہیں دے دیا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کو ہی ایسا منظور تھا۔ کسی دوسرے نے دولت کیوں نہیں مانگی؟ اسی نے مانگی جسے اللہ دینا چاہتا تھا۔ وہ گھڑی ایسی تھی کہ ہر ایک کو اس کی مراد مل گئی"

اس کے کچھ عرصہ بعد راقم السطور 1959ء میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے نسیم احمد صاحب کے توسط سے متعارف ہوا تو حلقہ لاہور کی ہفتہ وار مجالس ذکر میں علی صاحب سے تعلقات بڑھے۔ تقریباً دو برس بعد ہی ان کی اپنی درخواست پر انہیں سروس سے ڈسچارج کر دیا گیا اور وہ ریکارڈ آفس سے فائنل کلیرنس کرا کے سیدھے نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ پہنچے جہاں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع ہو رہا تھا۔ اس سال قبلہ حضرتؒ کی کتاب "طریقت توحیدیہ" چھپی تو بہت سے بھائی اس پر شیخ سلسلہ سے آٹو گراف لے رہے تھے۔ آپ سبھی کو چھوٹے چھوٹے نصیحت آموز جملے لکھ کر نیچے اپنے دستخط ثبت فرما کر دے رہے تھے۔ جب میاں محمد علی صاحب نے اسی مقصد کے لیے طریقت توحیدیہ پیش کی تو آپ نے لکھا "دولت کماؤ" اور دستخط کر دیئے اور فرمایا: تمہاری ڈیوٹی دولت کمانے پر لگا دی ہے۔ حلقے کو پیسے کی بھی ضرورت ہے۔ علی صاحب نے مجھے آٹو گراف دکھاتے ہوئے کہا کہ میرے لیے یہی رہ گئی ہے؟ میں نے مذکورہ دعا کے حوالہ سے کہا کہ تم نے خود مانگی تھی۔

قارئین کرام! اب اس پیش گوئی اور دعا کی تکمیل کے مراحل یوں طے ہوئے کہ اجتماع کے فوراً بعد قبلہ حضرتؒ لاہور تشریف لے گئے تو علی صاحب بھی ان کے ساتھ ہی

گئے۔ چند روز بعد ہی ایک انگریز کی فرم جوانشورنس سروے کا کام کرتی تھی میں انہیں نہایت معقول مشاہرے پر ملازمت کی پیش کش ہوئی اور قبلہ حضرتؒ سے منظوری لے کر انہوں نے وہاں سروس شروع کر دی۔ کوئی ڈیڑھ سال بعد ہی وہ گورا صاحب تو اپنے وطن سدھارا اور فرم میاں صاحب نے سنبھال لی اور ایک دوسری فرم کے ساتھ شراکت کر لی۔ اس کے علاوہ کسی دوست کے ساتھ مل کر پاکستان میں پہلی مرتبہ الیکٹرک واٹر گیزر تیار کرنے شروع کیے اور ایک ہی سال میں لاکھوں روپے کمائے۔ اس کے بعد اپنی علیحدہ فرم ''ماڈرن کمفرٹس'' کے نام پر الفلاح بلڈنگ میں کھول لی۔ اسمبلی ہال کے عقب میں واقع پرنس ہوٹل میں منعقدہ سالانہ اجتماع کے موقع پر اس کا افتتاح قبلہ حضرتؒ نے اپنے دستِ مبارک سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے دستگیری فرمائی تو ماڈرن کمفرٹس کی برانچیں کراچی، حیدرآباد اور راولپنڈی میں بھی کھل گئیں۔ راولپنڈی صدر میں جی ٹی ایس اڈہ کے سامنے فاران ریسٹورنٹ بھی علی صاحب نے شروع کیا۔ اس کا افتتاح بھی قبلہ حضرتؒ نے فرمایا اور اس موقع پر وہاں محفل سماع بھی ہوئی۔ اسی دوران میاں صاحب کے پرخلوص اصرار اور محبت بھری التجا پر قبلہ حضرتؒ بنوں سے ترک سکونت کر کے عبدالستار خانؒ اور ان کے اہلِ خانہ سمیت 1964ء میں لاہور منتقل ہو گئے۔ شروع میں مختصر عرصہ کے لیے آپ کی رہائش فضل بلڈنگ کوپر روڈ اور فورٹریس سٹیڈیم کے نزدیک کینٹ ایریا میں رہی اور بعد میں آپ کوٹھی نمبر 76/B-1 (گنبد والی کوٹھی) گلبرگ میں منتقل ہو گئے جہاں 1973ء تک آپ کا قیام رہا۔ اس کے بعد آپ آستانہ توحیدیہ G-92 ماڈل ٹاؤن میں رونق افروز ہوئے۔ میاں محمد علی صاحب نے قبلہ حضرتؒ کے خلیفہ عبدالستار خانؒ کو بھی اسی کوٹھی میں رکھا اور اپنی فرم میں انہیں ملازمت بھی دی۔ تقریباً نو برس تک قبلہ حضرتؒ کے علاوہ آپ کی ملاقات کے لیے آنے والے تمام بھائیوں کی مہمان نوازی کے اخراجات برداشت کرنے کی سعادت میاں محمد علی صاحب کے حصہ ہی میں آئی۔

جس کے نتیجہ مرشد کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کے فضل میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ امر بھی میاں صاحب کے ایثار کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ قبلہ حضرتؒ کی حیات میں لاہور میں منعقد ہونے والے سلسلہ توحیدیہ کے پانچ سالانہ اجتماعات کے جملہ اخراجات آپ نے ہی ذاتی طور پر برداشت کیے۔ اس کے بعد جب آستانہ توحیدیہ کی تعمیر کا مرحلہ آیا اس میں بھی آپ نے معتد بہ مالی تعاون فرمایا۔ ملتان شہر میں منعقدہ غالباً 1972ء والے سالانہ اجتماع کے موقع پر قبلہ حضرتؒ کے حکم سے جب راقم السطور برادران سلسلہ سے آستانہ توحیدیہ کے لیے فنڈ جمع کروانے کی اپیل کر رہا تھا تو میاں صاحب نے آکر مجھے کہا کہ میری طرف سے یہ اعلان کر دیں کہ اس اجتماع پر تمام برادران مل کر جتنا فنڈ اکٹھا کریں گے میں اس سے دوگنی رقم آستانہ کے لیے عطیہ دوں گا۔ اس قحط الرجال کے دور میں میاں محمد علی صاحب جیسے مجسم خلوص اور سراپا ایثار انسان کہاں ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی میاں محمد علی مرحوم کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے بچوں کو بھی دنیا و آخرت میں کامیاب اور سرخرو فرمائے۔ آمین!

تجربہ غلط ہو گیا

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

سلسلہ توحیدیہ کے سب بھائی حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی شخصیت سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ بانی سلسلہ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے 1911ء میں جب اپنے مرشد مولانا کریم الدین احمدؒ کے دست مبارک پر بیعت فرمائی تو انہوں نے اسی وقت یہ بات بتا دی تھی کہ میرے بعد تمہیں تمہارا ایک دوست ملے گا اس کے پاس تمہارا حصہ ہے اس کی صحبت سے تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے دیدار کی صلاحیت پیدا ہوگی اور گوہر مقصود ہاتھ آئے گا۔ یہ دوست حضرت رسالدارؒ ہی تھے جو کہ ایک اویسی بزرگ تھے۔

قارئین کرام! اس حقیقت سے تو آگاہ ہوں گے کہ جو لوگ بظاہر کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوتے۔ ان کی تربیت کسی فوت شدہ بزرگ کے روحانی فیض سے کی جاتی ہے۔ انہیں اویسی کہتے ہیں۔ حضرت رسالدارؒ کو روحانی فیض شہر اقبال سیالکوٹ کی مشہور ہستی امام علی الحقؒ سے ملا۔ ایک محفل میں بانی سلسلہؒ نے فرمایا:

''حضرت رسالدارؒ کے تعلق سے ہماری نسبت امام صاحبؒ سے بھی ہے۔ ہم نے اپنے ایک مرید کو جو کہ روحانیت میں بڑے اچھے تھے اور بڑی ترقی کر رہے تھے یہ حکم دیا کہ تم حضرت امام صاحب کے مزار پر جا کر معتکف ہو جاؤ اور اپنے اوراد و اذکار کرتے رہو۔ جو کچھ مل جائے کھا لینا لیکن کسی سے کوئی سوال نہ کرنا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ وہاں رہ کر اس کی خوب ترقی ہوگی اور اس سے ہم اصلاح و خدمت کا کام لیں گے۔ لیکن وہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا وہ بھائی چند ہفتوں بعد مجھے یہاں ملنے آئے تو ان کی کیفیت ہی بدلی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ایک دن حضرت امام صاحبؒ سے میری روحانی ملاقات ہو

گئی۔ انہوں نے بہت شفقت فرمائی اور میری بڑی تعریف کی اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ تم انصاری صاحب کو چھوڑ کر ادھر ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہمیں باطنی سروس میں آدمیوں کی ضرورت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو ابھی روحانی سلوک طے کر رہا ہوں۔ اس لیے معذرت خواہ ہوں۔ اس کے بعد مجھے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پاس پیش کیا گیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے بھی یہی ارشاد فرمایا کہ آپ ادھر آ جائیں کیوں کہ آپ اس کام کے لیے نہایت مناسب آدمی ہیں۔ میں نے وہاں بھی یہی گزارش کی کہ میں پہلے اپنا سلوک طے کر لوں اس کے بعد جو حکم ہو میں حاضر ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ نہیں مانتا تو اسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لے چلو۔ چنانچہ میں وہاں پہنچا دیا گیا تو میں نے وہاں بھی عرض کیا کہ مجھے اس طرف آنے میں کوئی اعتراض نہیں۔ میں تو اللہ کی جستجو میں نکلا ہوں میری منزل طے ہو جائے تو پھر جو آپ کا حکم ہوگا بندہ حاضر ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ ہم تمہیں زبردستی لے آئیں گے، کل تم نے اپنے مرشد سے ملنے جانا ہے تو ہم تمہیں نہیں جانے دیں گے اور تمہاری بس کا ایکسیڈنٹ کرا دیں گے۔ اس پر میرے منہ سے ایک نامناسب کلمہ نکل گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے ان کے سربراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں لے چلتے ہیں۔ چنانچہ میری پیشی وہاں ہوگئی۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ مجھ پر خفا ہوئے کہ حضرت علیؓ کے سامنے نازیبا کلمہ کیوں کہا۔ ان کی تو ہم بھی عزت کرتے ہیں پہلے ان سے معافی مانگو۔ چنانچہ میں نے اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ پھر میرا مقدمہ پیش کیا گیا۔ میں نے پھر التجا کی کہ میں حکم ماننے سے انکاری نہیں ہوں میں تو عرض کر رہا ہوں کہ پہلے مجھے سلوک طے کر لینے دیں پھر جو ڈیوٹی میرے سپرد فرمائیں گے میں دل و جان سے اسے پورا کروں گا۔ اس پر حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت علی ؓسے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہی کہتا ہے۔ اس کا پہلے سلوک طے ہونا چاہیے آپ کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمیں یہی آدمی چاہیے

اور قضیہ حضور نبی کریم ﷺ کی مبارک کچہری میں پیش کر دیا گیا۔ فریقین کی بات اور دلائل سن کر حضور ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم ادھر آ جاؤ، تمہارا سلوک ہم خود طے کرائیں گے۔ قبلہ انصاری صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ اب تو ان کی کیفیت ہی بدل گئی ہے ہم نے تو اسے بھیجا تھا کہ ہم اسے اپنے حلقہ کی خدمت اور تعلیم کے فروغ کے کام میں لگائیں گے لیکن وہ تو الٹا ہمارے ہاتھ سے نکل گیا گویا کہ ہمارا Experiment یعنی تجربہ غلط ہو گیا۔"

کشمیر بزورِ شمشیر

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ہمارے ایک کشمیری بھائی محمد شریف راولپنڈی میں انشورنس بزنس میں کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ کشمیری راہنما سردار عبدالقیوم صاحب کو لے کر گلبرگ والی رہائش گاہ پر تشریف لائے۔ اس وقت پاکستان کے صدر محمد ایوب خاں تھے اور وہ پنڈت نہرو کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ سردار صاحب نے قبلہ حضرتؒ سے دریافت کیا کہ مسئلہ کشمیر کا کوئی حل نظر آتا ہے؟ اس پر آپؒ نے فرمایا:

"ہندوستان طشتری میں رکھ کر کشمیر تو آپ کو کبھی نہیں دے گا، جب بھی لیا لڑ کر ہی لینا ہوگا۔"

بچپن کی کرامات

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مجلس میں بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا:

''ہمارے سلسلے میں کرامات کا چرچا نہیں کیا گیا۔ میں اسے اچھا نہیں سمجھتا اس لیے میں نے بھائیوں کو منع کر رکھا ہے کہ میری کرامات بیان نہ کیا کریں۔ کیوں کہ اصل چیز تعلیم ہے اس لیے تعلیم کو دیکھنا چاہیے کہ آیا یہ قرآن وسنت کے مطابق اور قوم کو موجودہ پستی کی حالت سے نکالنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ لیکن ہمارے عوام گزشتہ کئی صدیوں سے مروج تصوف کی تعلیم کے زیر اثر کرامات کے اس قدر رسیا ہو چکے ہیں کہ جہاں کہیں کسی اللہ والے بزرگ کا تذکرہ ہو تو سب سے پہلے یہ پوچھتے ہیں کہ ان کی کرامات بتائیے۔ میری کرامات اگر لکھی جائیں تو ایک کتاب مرتب ہو جائے۔ سلسلے کے ہر بھائی کے پاس کسی نہ کسی کرامت کی داستان موجود ہو گی۔ کرامات کا کیا ہے وہ تو میرے بچپن ہی سے سرزد ہونے لگ گئی تھیں۔ میری اماں نے مجھے بتایا کہ ابھی میں بہت چھوٹا تھا کہ برستی بارش میں صحن میں چلا گیا وہ مجھے منع کرتی رہیں کہ لباس بھیگ جائے گا۔ لیکن میں نہ مانا اور صحن کے چند چکر لگا کر واپس آیا۔ تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ میرا لباس بالکل خشک تھا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ میں چند برس ہی کا تھا کہ میرے ابا جی نے ملازمت کے لیے چند جگہ درخواستیں دے رکھی تھیں۔ میری اماں جان بستر پر اس طرح لیٹی ہوئی تھیں کہ گھٹنے کھڑے تھے۔ میں ان کے پاس کھیل رہا تھا کہ ان کے گھٹنوں کے نیچے سے گزرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اماں جی نے ڈانٹا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے؟ میں نے کہا کہ اماں جی ہلنا نہیں اور میں نیچے سے گزر گیا اور کہا کہ آج ابو جان کو ملازمت مل گئی ہے۔ اور واقعی اسی دن آپ ملازمت پر تعینات ہو گئے۔ میری رشتے میں ایک دادی تھیں انہیں کئی دنوں

سے بخار تھا۔ میں نے پوچھا دادی جان کیا حال ہے تو وہ کہنے لگیں تم کیسے ''حکیم'' ہو کہ کوئی دوا ہی نہیں بتاتے۔ میں نے اسے کہہ دیا کہ دادی آپ ایک پیالی سرسوں کا تیل پی لیں۔ اس اللہ کی بندی نے ایسا ہی کیا تو اسے ٹٹیاں لگ گئیں اور بخار ٹوٹ گیا۔ لڑکپن میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر کھیلتے تو میرے دوست کہتے کہ انصاری ہوا چلا دو۔ میں آنکھیں بند کر کے ہاتھ پھیلاتا اور انہیں ہلاتے ہوئے کہتا: ''چلو چلو'' تو ہوا چلنے لگتی۔ کبھی کہتے کہ شہر کی بجلی بند کر دو تو میں آنکھیں بند کر کے اشارہ کرتا تو بجلی بند ہو جاتی۔ کوئی شخص گھوڑے پر سوار جا رہا ہوتا تو ساتھی فرمائش کرتے کہ اسے گھوڑے سے گرا دو۔ میں خیال کرتا تو گھوڑے کا پاؤں پھسلتا اور سوار گر جاتا۔ یہ سب بھان متی کے کرتب اور فضول باتیں ہیں۔ آپ بتائیے کہ اس وقت نہ تو میں نے کہیں بیعت کی تھی اور نہ ہی میں اللہ اللہ یا کوئی اور وظیفہ کرتا تھا تو اس میں میری کرامت کیا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکمت تھی کہ اس نے جس طرح چاہا مجھے پیدا فرمایا۔ اب تو میں نے بھائیوں کو اجازت دے دی ہے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کرامات بھی بیان کر دیا کرو۔ جب میں انڈیا میں تھا تو ایک دن اللہ کے ذکر میں مست سڑک پار کرتے ہوئے ٹرام سے ٹکر ہوگئی تو میں گر گیا لیکن ٹرام بھی الٹ گئی۔ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا اور میں اٹھ کر چل دیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ایک مرتبہ کسی دور دراز دیہات کے سفر کے لیے میں بیل گاڑی میں سوار تھا۔ میرا یہ معمول تھا کہ سفر کے دوران سورت یاسین شریف کی تلاوت کرتا رہتا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان لگائے تلاوت کر رہا تھا کہ ناہموار راستے کی وجہ سے گاڑی الٹ گئی اور اس نے دو تین قلابازیاں کھائیں۔ میں نے بے اختیار ہر قلابازی پر کہا ''بسم اللہ، بسم اللہ، بسم اللہ'' جب گاڑی رکی تو کئی لوگ زخمی تھے اور کچھ کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسا کرم فرمایا کہ کوئی خراش تک نہ آئی۔ وہاں سے ہم دوسری گاڑی پر آگے روانہ ہوئے۔ یہاں پاکستان ائرفورس میں جب میں نے لائبریرین کے طور پر ملازمت کی اور چند دنوں

کی رخصت پر چلا گیا تو میرے ساتھیوں میں سے جو کوئی بھی میری کرسی پر بیٹھتا اسے بجلی کا جھٹکا محسوس ہوتا۔ میں چھٹی سے واپس آیا تو دوستوں نے یہ بات مجھے بتائی۔ میں نے کہا: تم بے وقوف ہو گئے ہو بھلا لکڑی کی کرسی کس طرح شاک دے سکتی ہے۔ وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھے تو کچھ نہیں ہوا۔ لیکن انہیں ساتھیوں میں ایک پیسہ اخبار قسم کا آدمی تھا۔ اس نے ہماری بزرگی کا جگہ جگہ چرچا کیا۔ اپنے گھر میں میری دعوت بھی کی اور اولاد کے لیے دعا بھی کرائی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔ اس ڈھنڈورچی کی وجہ ہی سے لوگ آنے لگے اور مجھے پیر بننا پڑا ورنہ میں منظر عام پر آنے کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ وہ جب بھی یاد آتا ہے اسے خوب گالیاں دیتا ہوں۔ کس مردود کی یہ خواہش تھی کہ پیر بنوں۔ تنہائی کے بڑے مزے تھے بس اللہ میاں جسے گدھا دیکھتے ہیں لاد دیتے ہیں۔''

تتلی اور تین فقیر

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک جنگل میں تین تارک الدنیا فقیر رہتے تھے۔ وہاں انہوں نے رہائش کے لیے ایک کٹیا بنا رکھی تھی۔ وہ باری باری کسی آبادی میں جا کر سامان خورد و نوش بھیک مانگ کر لے آتے اور جنگل میں پڑے اللہ اللہ کرتے۔ ایک دن انہوں نے یہ معاہدہ کیا کہ ہم میں سے جو بھی مر جائے وہ باقی دونوں کو موت کے بعد کے حالات کے بارے میں ضرور خبر دے کہ وہاں اس کے ساتھ کیا گزری۔ چنانچہ ان میں سے ایک فقیر جب اللہ کو پیارا ہو گیا تو وہ دوسرے کو خواب میں ملا اور بتایا کہ میں تو بڑی مشکل سے بچا ہوں۔ اللہ میاں مجھے جہنم میں ڈالنے لگے تھے۔ بس اپنے فضل سے رحم فرما دیا۔ اس نے پوچھا ہم تو تارک دنیا فقیر ہیں نہ کسی سے لین نہ دین نہ لڑائی نہ جھگڑا تو تم پر کون سی آفت آ ٹوٹی۔ اس نے کہا بس اللہ سے ڈرو۔ یہاں تو وہ معاملہ پیش آیا جس کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ ہوا یوں کہ ایک دن کٹیا میں تم دونوں سو رہے تھے اور میں دوپہر کو جاگ رہا تھا۔ کٹیا کے ایک کونے میں ایک مکڑے نے بڑا سا جالا لگا رکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ جنگل سے ایک اڑتی ہوئی تتلی ہماری کٹیا میں داخل ہوئی اور سیدھی مکڑے کے جالے پر جا بیٹھی اور اس میں پھنس گئی۔ مکڑے نے اسے اپنی خوراک بنا لیا۔ بس اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے مجھے پکڑ لیا کہ تمہارے سامنے ہماری رنگ برنگی، نرم و نازک اور خوبصورت تتلی کو ظالم مکڑا کھا گیا اور تمہارے دل میں ذرا رحم نہ آیا کہ اسے بچاتے۔ تمہاری نمازوں اور ذکر کا کیا فائدہ اگر تمہارے دل میں ہماری مخلوق کے لیے محبت پیدا نہیں ہوئی۔ تم ہرگز جنت میں جانے کے اہل نہیں ہو۔ اس پر میں نے ناک رگڑی اور معافی چاہی تو اللہ میاں کو رحم آ گیا اور فرمایا جاؤ ہم تمہیں اپنے فضل سے بخش دیتے ہیں اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو۔ پس تم بھی ہوشیار

رہو۔اس فقیر نے یہ بات اپنے ساتھی کو بھی بتائی اور دونوں بڑے فکرمند ہوئے کہ ہم نے تو ان باتوں کا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ چند دن بعد ایک فقیر اکیلا ہی جھونپڑی میں موجود تھا۔ اس نے دیکھا کہ جنگل سے ایک تتلی آئی اور جا کر جالے پر بیٹھ گئی۔ابھی مکڑا اسے پکڑنے کے لیے حرکت میں آیا ہی تھا کہ اس نے ایک ڈنڈے کی مدد سے تتلی کو آزاد کر دیا اور وہ جنگل میں غائب ہوگئی اللہ کا کرنا یوں ہوا کہ اس فقیر کا بھی چند دنوں کے بعد انتقال ہو گیا اور اس نے تیسرے ساتھی کو خواب میں بتایا کہ مجھے بھی یہاں بڑی مشکل پیش آئی اور اس نے تتلی اڑانے والا واقعہ بھی بتایا۔اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر میری شدید گرفت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہاری کٹیا میں رہنے والا ہمارا مکڑا تین دنوں سے بھوکا تھا ہم نے تتلی کی صورت میں اس کے لیے رزق بھیجا اور تم نے ڈنڈا مار کر اسے اڑا دیا۔تم ہمارے کاموں میں دخل اندازی کرنے والے کون ہوتے ہیں۔تم ہرگز اس لائق نہیں ہو کہ جنت میں قدم رکھو۔اس پر میں نے رو رو کر معافی مانگی تو اللہ نے مغفرت فرمائی۔اس پر تیسرا فقیر بہت پریشان ہوا کہ اب کیا کیا جائے۔ پہلے ساتھی کے سامنے مکڑے نے تتلی کھالی تو وہ بھی گرفت میں آ گیا اور دوسرے نے اس واقعہ سے عبرت حاصل کرتے ہوئے تتلی کی جان بچائی تو وہ بھی پکڑا گیا۔ایک دن اس کے سامنے بھی یہ تماشا ہونے لگا اس نے دیکھا کہ ایک تتلی کٹیا میں داخل ہوئی ہے اور آہستہ آہستہ مکڑے کے جالے کی طرف ہی بڑھ رہی ہے تو اس فقیر نے اپنی گدڑی لپیٹی اور پوری رفتار سے کٹیا سے بھاگ کر دور جنگل میں جا کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ میاں تو جان اور تیرا مکڑا جانے۔ہم نہ یہ دیکھتے ہیں نہ پھنستے ہیں۔

اس قصہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو اپنے اعمال پر کبھی بھی غرور نہیں کرنا چاہیے۔ وہاں پر مغفرت محض اللہ کے فضل سے ہوگی اور اللہ سے اس کی رحمت اور فضل مانگتے رہنا چاہیے۔ہماری عمر بھر کی بندگی اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کا بدلہ بھی نہیں چکا سکتی۔

دہلی شہر کا قطب

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

میرٹھ سے ایک درویش دہلی روانہ ہونے لگا تو اس نے اپنے مرشد سے پوچھا کہ کون سا فقیر اس وقت دہلی شہر کا قطب ہے تا کہ میں ان کی زیارت سے مستفیض ہو کر آؤں۔ انہوں نے بتایا کہ فلاں محلے میں فلاں نام کا ایک بزرگ رہتا ہے اور وہی دہلی کا قطب ہے۔ ایک دن وہ درویش مرشد کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ گیا اور دروازے پر جا کر دستک دی۔ اندر سے ایک محترمہ نے بڑے درشت لہجے میں پوچھا کہ کون ہے؟ اس پر درویش نے بڑے ادب سے بتایا کہ بندہ حضرت قبلہ فلاں صاحب کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہے۔ اس محترمہ نے اپنے میاں کو کرخت انداز میں اطلاع کرتے ہوئے کہا کہ جاؤ باہر کوئی تمہاری طرح کا ناکارہ تمہارا لنگوٹیا صبح سویرے آ ٹپکا ہے۔ وہ حضرت باہر تشریف لائے اور بڑی محبت سے اپنے مہمان سے آمد کا مقصد دریافت کیا۔

درویش نے عرض کیا کہ آپ کی زیارت اور باتوں کا شوق تھا اسی لیے حاضر ہوا ہوں۔ قطب صاحب نے فرمایا کہ میں تو جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کے لیے جا رہا ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ وہاں جی بھر کر باتیں بھی ہوں گی۔ چنانچہ دونوں جنگل میں چلے گئے۔ شام کو جب لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے شہر میں داخل ہوئے تو ایک داروغہ نے پوچھا کہ بابا لکڑیاں بیچتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہاں بیچتا ہوں۔ داروغہ نے پوچھا کہ کیا لو گے تو انہوں نے کہا چار آنے اور ایک ٹکہ لوں گا۔ داروغہ نے کہا کہ چلو میرے گھر تک پہنچا دو۔ انہوں نے لکڑیاں مطلوبہ جگہ تک پہنچا دیں تو داروغہ نے صرف چار آنے دیے۔ فقیر نے کہا کہ ایک ٹکہ اور دیں۔ اس پر داروغہ نے ایک لات رسید کی اور کہا ٹکے کا کیا ہے بھاگ جاؤ۔ انہوں نے داروغہ جی کو سلام کیا اور گھر کی طرف چل دیے۔ مہمان باہر کھڑا کر کے اندر

داخل ہوئے۔ اور لکڑیوں کی آمدنی بیوی کے حوالے کر دی۔ اس نے پوچھا کہ ٹکہ کدھر ہے۔ وہ بھی دو۔ فقیر نے بڑے تحمل سے فرمایا کہ آج لکڑیاں ایک داروغہ صاحب نے خریدی تھیں اور انہوں نے ٹکہ دیا ہی نہیں۔ اس پر بیوی کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے حکم سنایا کہ کیسے ٹکہ نہیں دیا۔ آج شام کو تمہیں روٹی نہیں ملے گی۔ مہمان باہر کھڑا ساری گفتگو سن رہا تھا۔ قطب صاحب باہر تشریف لائے اور مہمان سے فرمایا کہ چلو دوست مسجد چلتے ہیں۔ جب نماز اور دعا سے فارغ ہوئے تو مہمان درویش نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو دہلی کے قطب ہیں اور آپ کا یہ حال ہے کہ گھر میں بیوی آپ کو پوچھتی تک نہیں بلکہ آپ کو روٹی تک نہیں دیتی۔ اور اس داروغہ نے ایک تو آپ کو پورے پیسے نہیں دیے اوپر سے آپ کی شان میں گستاخی بھی کی۔ آپ تو اس شہر کے قطب ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آپ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں کرتے کہ ان کا بیڑا غرق ہو جائے' اس پر وہ بزرگ فرمانے لگے کہ بددعا کیسے کروں؟ انہی کی وجہ سے تو اللہ تعالٰی نے یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ بیوی ہر روز میرے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتی ہے میں اللہ تعالٰی کے لیے سب کچھ برداشت کرتا ہوں۔ اسی طرح اللہ کی مخلوق کی زیادتیوں کو اللہ کی رضا سمجھ کر خوشی خوشی سہہ لیتا ہوں۔''

سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم میں غصہ اور نفرت کی نفی تزکیہ اخلاق کا اہم ترین جزو ہے۔ اس لیے قبلہ حضرت گھروں میں بیویوں کے ساتھ تحمل اور صبر کا برتاؤ کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بیوی کا کیا ہے' جس کا جی چاہے اسے دو تھپڑ لگا کر گھر سے باہر نکال سکتا ہے۔ یہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔ یہ بہادری نہیں ہے۔ بہادری یہ ہے کہ آپ اس کی سختی اور درشتی کو اللہ کی خاطر برداشت کریں۔ اسی لیے فرمایا کرتے تھے کہ غصہ اور نفرت کو نفی کرنے کی تربیت کے لیے آپ کو گھر سے باہر نہیں جانا پڑتا۔ اس کی مشق کے لیے گھر کا ادارہ ہی کافی ہے کیوں کہ گھر میں بیوی بچوں پر ہی غصہ آتا ہے۔ جس نے اپنے گھر میں غصہ جیسے دیو کو اپنے قابو میں کر لیا اس نے آدھا سلوک طے کر لیا۔

اللہ کو کبھی نہیں بھولا

(خواجہ محمد امین اختر لون)

آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے کچھ نہیں کیا۔ نہ کوئی زیادہ عبادت کی، نہ کبھی تہجد کی نماز پڑھی ساری عمر۔ اللہ نے کچھ عرصہ کے لیے مجھے جنگلوں میں رکھا وہ علیحدہ بات ہے۔ مگر ایک بات ہے کہ اللہ کو ساری عمر ایک سیکنڈ بھی کبھی نہیں بھولا۔ نہ راحت میں، نہ تکلیف میں، نہ سوتے میں نہ جاگتے میں، بس یہ کام کیا ہے۔ میں تم لوگوں کو بہت اونچا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ ابھی بہت نچلے درجے پر ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سب میری طرح ہو جاؤ۔ ہمارے حلقہ میں چند ایک آدمی ہیں جو اسٹینڈرڈ پر آ گئے ہیں۔ ان سے فیض لیا کرو۔ کورنگی میں ڈار ہے، انور ہے، اصغر ہے، اور وہ ہے بشیر مرزا کا بھائی لالہ عنایت، بڑا بزرگ ہے۔ کورنگی میں انسٹرکٹر تھا تو جتنے پڑھنے کے لیے آئے سب کو رنگ دیا۔

مجھے رشک آتا ہے

پھر آپ نے ایک بھائی منشی خاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک یہ ہے لیکن یہ کسی کو توجہ ہی نہیں دیتا، ہمیں بھی نہیں دیتا۔ تیری بات سب کو بتا دوں؟ (آپ نے رسالدار محمد حنیف خاںؒ کے بڑے صاحبزادے جناب حافظ تنویر احمد خاں صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا) حافظ صاحب! اس کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا کہ مجھے بھی رشک آتا ہے۔ یہ ہر دوسرے تیسرے ماہ فضائیہ کی مشقوں کے لیے باہر جاتے ہیں۔ یہ وہاں رات کو بیٹھ کر اللہ اللہ کر رہا تھا کہ حضور ﷺ تشریف لائے۔ اس کا سینہ چاک کیا، دل نکالا، اسے دھویا، واپس سینے میں رکھا، اس پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور چلے گئے۔ اس نے یہ

واقعہ صرف مجھے ہی بتایا اور کسی کو نہیں بتایا۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ باقی بھائی سوچتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں ملا۔ اس لیے میں نے خود ہی منع کر رکھا تھا۔ یہ اس بات کو جانتا ہی نہیں۔ اوپر کی منزل اس کی ہے ہی نہیں۔ یہ تمہاری (حافظ تنویر احمد صاحب کی) دادی اماں والی بات ہے۔ وہ جب نماز پڑھتی تھیں تو انہیں خانہ کعبہ نظر آتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ نماز پڑھ رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو رسالدار صاحب نے پوچھا: اماں! یہ کیا کر رہی تھیں؟ کہنے لگیں: بیٹا کہ آج عجیب بات ہوئی، آج نماز میں مجھے خانہ کعبہ نظر ہی نہیں آیا۔ رسالدار صاحب نے کہا کہ کیا تمہیں ہر نماز میں خانہ کعبہ دکھائی دیتا ہے؟ وہ بولیں تو اوروں کو نظر نہیں آتا کیا؟

یعنی وہ سمجھتی تھیں کہ سب کو نماز پڑھتے وقت خانہ کعبہ نظر آتا ہے۔ اتنا اونچا روحانی مقام حاصل ہونے کے باوجود اس کا احساس ہی نہیں۔ یہ ہیں جنتی لوگوں کی باتیں"

سکھوں کا ٹائم

بات چیت کے دوران ہی آپ نے استفسار فرمایا کہ ٹائم کیا ہوا ہے؟ ایک بھائی نے عرض کیا کہ قبلہ بارہ بجے ہیں۔ حافظ تنویر احمد صاحب (جن کے سر پر لمبے لمبے بال تھے) نے مزاحاً کہہ دیا کہ قبلہ سکھوں کا ٹائم ہو گیا ہے۔ آپ کی حس ظرافت جو پھڑکی تو ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: "اللہ کا شکر ہے میرے سر پر تو بال نہیں ہیں" اس پر محفل میں خوب قہقہہ پڑا۔ حافظ صاحب نے کہا کہ "آپ کو مجھی پر چوٹ کرنا تھی" اس پر آپ نے فرمایا: "جو کہے گا وہ سنے گا" جس پر دوبارہ قہقہہ بلند ہوا۔

گھر کا جوگی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا کہ گھر کا جوگی جوگڑا والی کہاوت بالکل درست ہے۔ گھر والے آپ کی بزرگی کو کم ہی مانتے ہیں۔ میرے اپنے عزیزوں میں سے کتنے لوگ حلقہ میں شامل ہوئے۔ اب کچھ لوگ آنا شروع ہوئے ہیں جب دیکھا کہ ان کا حلقہ کافی وسیع ہو گیا ہے اور آستانہ بھی تعمیر ہو رہا ہے اور تو اور مجھے میری اپنی بیگم بھی نہیں گانٹھتی۔ وہ تو اپنے آپ کو مجھ سے بھی اونچا سمجھتی ہے اور کہتی ہے کہ تم کیا بزرگ بنے بیٹھے ہو میرے ساتھ تو اللہ میاں باتیں کرتا ہے۔ تمہیں ایک بڑے مزے کی حکایت سناتا ہوں۔ ایک آدمی فقیری کے شوق میں گھر بار چھوڑ کر چلا گیا کافی مدت تک مجاہدوں میں مشغول رہا تو اسے ہوا میں اڑنے کا ملکہ حاصل ہو گیا۔ ایک دن وہ محو پرواز تھا تو اپنے گاؤں کے اوپر سے اس کا گزر ہوا۔ وہ ذرا نیچے آ گیا اور گاؤں کے دو تین چکر لگائے۔ سب لوگ ایک انسان کو اڑتے ہوئے دیکھ کر اس کی عظمت اور بزرگی کے معترف ہوئے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد وہ بزرگ اپنے گھر لوٹے تو اس کی بیوی نے ہوا میں پرواز کرنے والے بزرگ کا تذکرہ بڑی عقیدت کے ساتھ کیا اور ساتھ ہی اپنے خاوند سے پوچھا کہ تم نے بھی کوئی مرتبہ حاصل کیا ہے یا یوں ہی خاک چھانتے پھرتے رہے ہو؟ اس بزرگ نے فرمایا: ہوا میں اڑنے والا میں ہی تھا اور اس نے ساری نشانیاں بھی بتائیں کہ تم فلاں فلاں جگہ کھڑی تھیں اور فلاں فلاں عورت بھی تمہارے ساتھ تھی۔ میں فلاں طرف سے پرواز کرتا ہوا آیا اور یوں میں نے چکر لگائے تھے۔ جب محترمہ کو یقین ہو گیا کہ پرواز کرنے والا میرا خاوند ہی تھا تو گویا ہوئیں کہ ''اچھا یہ تم تھے اسی لیے ٹھیک طرح سے تمہیں اڑنا بھی نہیں آیا۔ ایک بازو یوں ٹیڑھا تھا اور ٹانگ بھی بے ڈھنگے طریقے سے یوں لٹکی ہوئی تھی۔''

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

خوش نویس کی تختی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ راہِ سلوک میں ترقی کا جلدی یا دیر سے ہونا شیخ پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ تمہاری اپنی سرشت اور ذہنی و روحانی بناوٹ پر منحصر ہوتا ہے۔ جن لوگوں میں روحانی آثار جلدی پیدا نہ ہوں ان کو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ برابر اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے جن لوگوں کو روحانی مناظر دکھائی نہ دیتے ہوں انہیں چاہیے کہ اپنے اخلاق کا جائزہ لیں۔ اگر اخلاق بہتر ہو رہا ہے برائیوں سے کراہت اور نیکیوں سے محبت بڑھ رہی ہے تو یہ روحانی ترقی کا ہی نتیجہ ہے۔ پھر بھی کئی بھائی شکایت کرتے رہتے ہیں کہ اتنی دیر ہوگئی اللہ اللہ کرتے لیکن روحانی ترقی محسوس نہیں ہوتی۔

دراصل جو چیز ہر روز تھوڑا تھوڑا بڑھ رہی ہو وہ کیسے محسوس ہو۔ جیسے چھوٹا بچہ حقیقت میں تو ہر روز ہی بڑھ جاتا ہے لیکن گھر والے اس کے قد میں اضافہ محسوس نہیں کرتے۔ دہلی میں ایک خوش نویس ہوا کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں نے بھی جب ایسی شکایتیں کرنا شروع کیں کہ اتنے ماہ ہو گئے ہیں لیکن خوش خطی میں کوئی خاص تبدیلی تو نظر نہیں آتی۔ انہوں نے اس کا بڑا اچھا علاج ڈھونڈا۔ جوں ہی کوئی نیا شاگرد ان کے مکتب میں داخلہ لیتا وہ اس سے تختی لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔ جب کوئی شاگرد اس قسم کی شکایت کرتا تو ریکارڈ میں رکھی ہوئی روزِ اول والی تختی اسے نکال کر دکھا دیتے۔ وہ خود ان دونوں میں واضح فرق دیکھ کر قائل ہو جاتا۔

اب روحانیت میں کوئی اس قسم کی تختی نہیں ہے ورنہ ہم بھی لکھوا کر رکھ لیتے تاکہ سالکین

اپنی روحانی ترقی کو واضح طور پر دیکھ کر شکایتیں کرنا بند کر دیتے۔ یہ یقینی بات ہے کہ جن لوگوں میں روحانی آثار دیر میں پیدا ہوتے ہیں وہ ہرگز گھاٹے میں نہیں رہتے اور آخر میں ان لوگوں سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں جن میں آثار روحانی جلدی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو بھی استقامت کے ساتھ تعلیم پر عمل کرتا ہے اس کی برابر ترقی ہوتی رہتی ہے چاہے اسے کچھ بھی دکھائی نہ دے۔

مردانگی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

آپؒ صبر اور قوتِ برداشت کے معلم تھے۔ گھریلو زندگی میں اس کی اہمیت پر بہت زور دے کر فرمایا کرتے تھے:

''عورتوں کو مارنا یا انہیں گھر سے نکال دینا یہ کوئی مردانگی نہیں ہے۔ یہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اصل بہادری یہ ہے کہ ان کی درشتی اور بدخلقی کو برداشت کرتے ہوئے ان سے حسن سلوک کرو۔''

مجھے عزرائیل کہتے ہیں

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک دن قبلہ حضرتؒ نے فرمایا کہ تمہیں ایک مزے دار قصہ سناتا ہوں۔ جب ہندوستان میں طاعون کی وبا پھیلی تو میرے ایک ماموں تھے وہ بھی بیمار پڑ گئے۔ وہ بہت سادہ، پرہیزگار اور درویش صفت انسان تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میں بیماری کے دوران رات کو اپنے کمرے میں تنہا لیٹا ہوا تھا کہ دروازے سے ایک صاحب اندر تشریف لائے۔ میں نے دریافت کیا کہ جناب کی تعریف۔ تو اس نے جواب میں کہا کہ بندے کو عزرائیل کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟ تو اس نے کہا کہ خدمت یہی ہے کہ آپ کی موت کا وقت آن پہنچا ہے اور میں آپ کو لے جانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ اگر آپ تھوڑی زحمت فرمائیں تو میری طرف سے اللہ میاں کو گزارش کریں کہ مجھے جانے پر تو کوئی اعتراض نہیں لیکن میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کا کیا بنے گا۔ اس پر وہ صاحب دروازے سے باہر گئے اور پھر لوٹ آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں بچوں کی کیوں فکر ہے ان کے پالنے والے ہم جو ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں یہ تو بالکل درست ہے اللہ ہی مسبب الاسباب اور سب کا پالنہار ہے اور مجھے ان کی بالکل فکر نہیں ہونی چاہیے لیکن ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ مجھ پر کچھ قرض کا بوجھ ہے اور یہ تو مجھے ہی ادا کرنا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد کوئی میرے بچوں کو میری وجہ سے تنگ کرے۔ آپ کو زحمت تو ضرور ہوگی لیکن آپ پھر ایک مرتبہ جائیں اور اللہ میاں سے میری طرف سے التجا کریں کہ قرض ادا کرنے تک زندگی کی مہلت دے دیں انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں تمہاری خاطر دوبارہ جاتا ہوں۔ وہ حسب سابق تھوڑی دیر کے لیے باہر نکلا اور واپس آ گیا اور کہنے لگا

کہ اللہ میاں کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے تمہیں قرض ادا کرنے تک مہلت دی جاتی ہے وہ کمرے سے چلا گیا اور میں سو گیا۔ جب میں صبح اٹھا تو طاعون کی سب علامات غائب تھیں اور میں بالکل تندرست ہو گیا۔ انہوں نے جب یہ قصہ مجھے سنایا تو میں نے کہا ماموں جان! اب تو آپ کے مزے ہو گئے۔ آپ جتنی دیر چاہیں زندہ رہ سکتے ہیں۔ آپ اپنے سر پر قرض چڑھائے رکھیں۔ اللہ میاں قرض کی ادائیگی تک زندگی کی مہلت تو منظور کر ہی چکے ہیں۔ لیکن اتفاق ہی ایسا ہوا کہ وہ کافی عرصہ تک مقروض ہی رہے۔ ان کی معمولی سی ملازمت تھی اور بڑی مشکل سے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ انہیں ریٹائرمنٹ کے بعد یک مشت کافی رقم ملی اور انہوں نے تمام قرضے چکا دیے۔ جس دن انہوں نے آخری قرض نمٹایا اسی دن وہ فوت ہو گئے۔ ان دنوں میں ایک مکان کی اوپر والی منزل میں رہائش پذیر تھا کہ میرے کمرے کی گلی کی سمت والی کھڑکی پر دستک ہوئی۔ میں نے حیران ہو کر کھڑکی کھولی تو دیکھا کہ ماموں جان کی روح پرواز کرتے ہوئے مجھے کہہ رہی تھی کہ لو میاں ہم تو جا رہے ہیں۔

اب خربوزے والا نہیں

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

کچھ بزرگ صاحب خدمت یا ڈیوٹی والے کہلاتے ہیں۔ ان کے ذمے مختلف قسم کے کام لگائے جاتے ہیں ایک مرتبہ بانی سلسلہ توحیدیہ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا:

''جیسے حالات ہوتے ہیں اس کے مطابق ڈیوٹی والے لگائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ 1857ء سے قبل جب انگریز اپنا اقتدار مستحکم کرنے کے لیے مسلمانوں پر ہر طرح کا ظلم ڈھا رہے تھے اور مسلمان مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھے تھے تو ایک مرید نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ آج کل دہلی کی خدمت پر کون سے بزرگ مامور ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ فلاں بازار کے فٹ پاتھ پر بیٹھ کر جو شخص خربوزے بیچتا ہے آج کل وہی اس منصب پر فائز ہے۔ تم ملنا چاہتے ہو تو جاؤ اس سے خربوزہ خرید کر تھوڑا سا کھانے کے بعد کہنا کہ یہ میٹھا نہیں ہے تو وہ تمہیں دوسرا دے دے گا۔ وہ مرید وہاں پہنچا تو حسب ہدایت ایک خربوزہ لیا اور تھوڑا سا کھانے کے بعد کہا کہ یہ تو بالکل پھیکا ہے اس نے کہا کوئی بات نہیں تم یہ پھینک دو اور یہاں سے دوسرا لے لو۔ اس نے دوسرا بھی تھوڑا سا کھایا اور کہا کہ یہ بھی میٹھا نہیں ہے۔ بابے نے کہا تو کوئی اور لے لو۔ اس نے اسی طرح دو چار خربوزے خراب کیے اور واپس لوٹ آیا۔ کچھ عرصہ بعد 1857ء میں آزادی کے لیے زبردست تحریک شروع ہو گئی اور مسلمان پھر سے منظم ہونے لگے اور یوں لگتا تھا کہ اب انگریزوں کا اقتدار چند دنوں کا مہمان ہے۔ اسی مرید نے اپنے شیخ سے پوچھا کہ اب دہلی کی روحانی خدمت کس کے پاس ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ فلاں چوک میں جو صاحب ایک آنے میں شربت کا گلاس فروخت کرتے ہیں آج کل شہر کا انتظام ان کے سپرد ہے۔ وہ

مرید بتائے ہوئے پتہ پر پہنچے اور ان سے ایک گلاس شربت کا خریدا آدھا پینے کے بعد حسبِ سابق کہا یہ تو میٹھا ہی نہیں ہے۔ شربت فروش صاحب نے اس سے گلاس چھین لیا اور ایک تھپڑ رسید کیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ بھاگ جاؤ۔ اب وہ خربوزے والا نہیں ہے۔''

جمالیات و عشقیات

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

راقم الحروف ایک مرتبہ قبلہ حضرتؒ سے ملاقات کے لیے گلبرگ گنبد والی کوٹھی پر حاضر ہوا تو وہاں بہاولپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر (ڈی لِٹ) سے بھی تعارف ہوا۔ جب وہ چلے گئے تو آپؒ نے فرمایا:

''یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی ہے۔ اس نے جمالیات پر دو کتابیں لکھی ہیں جن پر امریکہ کی ایک یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری دی ہے۔ حالانکہ جمالیات یہاں پڑھایا بھی نہیں جاتا۔ جب یہ پہلی مرتبہ مجھے ملنے آئے تو آپ کئی گھنٹے اپنے کارنامے بیان کرتے رہے۔ پھر میں نے دل ہی میں کہا کہ اب بس کرو اور مجھے بھی بولنے کا موقع دو۔ چنانچہ وہ خود ہی کہنے لگا کہ قبلہ آپ بھی کچھ ارشاد فرمائیں، میں ہی بولے چلا جا رہا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ نے واقعی ایک منفرد کارنامہ انجام دیا ہے۔ قرآن پاک میں بکھرے ہوئے حسن کے جلوؤں اور جنت کے مناظر کو اپنی کتابوں میں درج کر کے قرآن کی بھی بڑی خدمت کی ہے۔ آپ نے جو کچھ بھی بیان فرمایا اس کا جواب میں ایک جملے میں دیتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب! آپ ہیں جمالیات کے ماہر اور ہم ہیں عشقیات کے ماہر۔ اگر عشق نہ ہو تو حسن کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ سالا مال روڈ پر جھاڑو دیتا پھرے اور کوئی دو کوڑی کو نہ پوچھے۔ یہ سن کر ڈاکٹر صاحب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔''

اللہ کی بے نیازی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

قبلہ حضرت بانی سلسلہؒ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کے بارے میں اپنی مجالس میں جو حکایات اکثر و بیشتر بیان فرمایا کرتے تھے وہ قارئین کی نصیحت کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔

مسور کی دال:

''حضرت بایزید بسطامیؒ اپنے زمانے کے بہت بڑے بزرگ تھے برسہا برس دنیا سے لاتعلق ہو کر جنگلوں اور بیابانوں میں پھرتے رہے۔ آپ بہت ہی بلند پایہ صوفی اور عارف باللہ تھے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کے اس قدر پابند تھے کہ ساری عمر خربوزہ اس لیے نہ کھایا کہ یہ ثابت نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ نے اسے توڑ کر کھایا یا کاٹ کر۔ آپ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے ہو کر رہ گئے اور اللہ کی توحید پر ناز کیا کرتے تھے۔

جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا بایزید! ہمارے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ آپ نے عرض کیا کہ اللہ میاں آپ کی توحید کا تحفہ لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ وقت یاد کرو جب رات کو تم نے مسور کی دال کے ساتھ روٹی کھائی اور رات کو پیٹ میں درد ہوا تو سب کو یہی بتاتے تھے کہ رات کو مسور کی دال کھائی اس کی وجہ سے درد ہوا ہے تم یہ بتاؤ کہ پیٹ میں درد پیدا کرنے والے ہم تھے یا مسور کی دال؟ تم نے مسور کی دال کو ہمارا شریک ٹھہرایا اور ہمارے سامنے توحید کا دعویٰ کرتے ہو؟ بایزیدؒ عرقِ ندامت میں ڈوب گئے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کی درخواست کی تو نجات ملی۔''

دو گلاس پانی:

''اسی طرح اللہ کے ایک نہایت ہی متقی اور عابد وزاہد بندے تھے۔ جب سے ہوش سنبھالا قائم اللیل اور صائم النہار تھے اور کئی مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہو چکے تھے۔ اپنی عبادت پر بھروسہ کرتے ہوئے دل میں یہ گمان کر بیٹھے کہ اب تو بخشش ہو ہی جائے گی۔ جب فوت ہوئے اور اللہ کے سامنے پیش کیے گئے تو اللہ جو علیم بذات الصدور ہے نے دیکھتے ہی فرمایا کہ اسے فلاں مقام پر پہنچا دیا جائے۔ فرشتوں نے انہیں اٹھایا اور ایک تپتے ہوئے لق ودق صحرا میں جا کھڑا کیا جہاں دور دور تک کسی سائے یا پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی گرمی نے رنگ دکھایا تو شدت کی پیاس لگی اور زبان بھی سوکھ گئی ایک فرشتہ سامنے آیا تو اس سے فریاد کرنے لگے کہ ایک گلاس پانی کہیں سے لا دو اس نے کہا پانی تو مل جائے گا لیکن قیمتاً ملے گا۔ انہوں نے کہا: میرے پاس تو کوئی پیسہ نہیں ہے۔ فرشتے نے کہا: یہاں پیسہ چلتا بھی نہیں۔ آپ اپنی آدھی عمر کی نیکیاں دے دیں تو ایک گلاس پانی فوراً مل جائے گا۔

حضرت صاحب کچھ دیر تو تذبذب میں پڑے لیکن جب دیکھا کہ دم نکلنے لگا ہے تو مان گئے فرشتے نے ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش کر دیا اور وہ ایک ہی سانس میں پی گئے۔ ذرا جان میں جان آئی اور طبیعت سنبھل گئی۔ لیکن پھر وہی صحرا تھا اور آگ برساتی دھوپ تھی۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پھر پانی مانگنا شروع کر دیا۔ فرشتے نے کہا کہ باقی کی نیکیاں بھی دے دو اور ٹھنڈے پانی کا گلاس پی لو۔ جب پیاس کی شدت برداشت سے باہر ہونے لگی تو انہوں نے دوسرا گلاس بھی نوش جان کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے میرے سامنے حاضر کرو۔ جب حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بس اسی عبادت پر تجھے ناز تھا جس کو تو نے اپنے ہاتھوں سے دو گلاس پانی کے عوض فروخت کر دیا۔

تم نے ساری زندگی جو منوں اور ٹنوں کے حساب سے ہمارا پانی استعمال کیا اس کی قیمت کون دے گا اور دوسری ان گنت نعمتوں کا حساب کیسے چکاؤ گے۔ اس پر وہ اللہ کا بندہ سجدے میں گر کر معافی مانگنے لگا اور اللہ سے اس کا فضل اور اس کی رحمت طلب کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ ہم تجھے اپنے فضل سے جنت میں داخل کرتے ہیں۔ اس لیے اپنی عبادت اور بزرگی کا کبھی گھمنڈ نہ کرو۔ اللہ کے عاجز بندے بن کر رہو اور اس سے مغفرت اور فضل ورحمت مانگتے رہا کرو۔"

شیعوں کے بارے میں فارمولا

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

آپ فرمایا کرتے تھے:

"میرے پاس اہلِ تشیع کے بارے میں ایک فارمولا ہے: شیعہ-نفرت = ولی اللہ

شیعہ لوگ حضور نبی کریم ﷺ اور ان کے اہل بیت سے جتنی محبت کرتے ہیں اور ان کے مصائب پر روتے ہیں تو ان کو اتنا فیض ملے کہ سب ولی اللہ ہو جائیں لیکن حضور اکرم ﷺ کے خلفاء اور صحابہ کرامؓ سے ان کی شدید نفرت انہیں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔"

کالو کا بھوت

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ راقم الحروف کو قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی خدمت میں عین دوپہر کے وقت پہنچنے کا موقع ملا۔ میں نے کھانا بھی لاہور ریلوے سٹیشن کے باہر کسی ہوٹل سے کھالیا تھا تا کہ بے وقت میزبانی کی زحمت نہ دوں۔ غالباً مئی یا جون کا مہینہ تھا۔ جب میں درِ مرشد پر پہنچا تو ہر طرف سناٹا تھا لیکن فقیر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ میں بیرونی گیٹ کھول کر برآمدے سے گزر کر مہمان خانے میں داخل ہوا ہی تھا کہ ایک خادم نے آ کر کہا کہ قبلہ صاحب پوچھ رہے ہیں کہ کون آیا ہے میں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ چلا گیا اور چند منٹ بعد واپس آ کر کہا کہ آپ کو قبلہ صاحب اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔ میں نے فوراً حاضر خدمت ہو کر سلام کیا اور مزاج پرسی کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں تو حلقہ فنڈ کے رجسٹر میں اندراج کر رہا تھا۔ چلو اچھا ہوا تم آ گئے ہو اب گپ شپ لگاتے ہیں۔ اس روز کافی طویل اور متنوع گفتگو فرمائی۔ موسمِ گرما کی دوپہر کے سناٹے میں مَیں تنہا مخاطب تھا اس طرح کا موقع پہلے کبھی نہ ملا تھا۔ مجھے آپ کے فرمودات کی اثر انگیزی کئی گنا زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس خصوصی محفل میں آپ کا فرمایا ہوا ہر لفظ میرے دل پر نقش ہو کر رہ گیا۔ آپ بھائیوں کے فائدہ کی خاطر سردست کالو کے بھوت کا قصہ سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ قبلہ حضرتؒ نے فرمایا۔

آزادی سے کئی برس پہلے میں نے ایک رسالے میں ایک بالکل سچا واقعہ پڑھا جسے ایک تعلیم یافتہ لڑکی نے حلفاً بیان کیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ میرے والد جواب اس دنیا میں نہیں ہیں اپنے گاؤں کے چوہدری اور صوم وصلوٰۃ کے پابند انسان تھے سب لوگ انہیں میاں جی کہہ کر پکارتے تھے۔ کاشت کاری میں مدد اور مویشیوں کی دیکھ بھال

کرنے کے لیے ہم نے ایک نوکر رکھا ہوا تھا۔ جس کا نام اللہ جانے کیا تھا لیکن سب اسے کالو کے نام سے جانتے تھے۔ اس کے آگے پیچھے بھی کوئی نہ تھا۔ کالو کو دین کے ساتھ بھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جانوروں کے ساتھ رہتے رہتے وہ بھی انہی کے رنگ میں رنگا گیا تھا۔ کھانا پینا سونا اور جانوروں کی خدمت کرنا اس کی زندگی کے معمولات تھے۔ ہمارے ڈیرے کے نزدیک میاں جی کے ایک دوست کا ڈیرہ تھا۔ میاں جی اپنے دوست سے ملنے کبھی کبھی شام کے بعد ان کے ڈیرے پر جاتے تو کالو ان کا حقہ تھام کر ضرور ساتھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ میاں جی اپنے رشتہ داروں کو ملنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو چند ہفتوں بعد واپس لوٹے اس زمانے میں سڑکیں اور بسیں بہت کم تھیں اور لوگ زیادہ تر بیل گاڑیوں اور گھوڑوں پر ہی سفر کرتے تھے۔ لوگ دیر بعد عزیزوں کے ہاں جاتے تو کئی کئی روز قیام کرتے تھے۔ اللہ کا کرنا یوں ہوا کہ میاں جی کی غیر حاضری کے دوران کالو چند دن بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔ ہم سب نے بھی اس کی کمی محسوس کی اور جب میاں جی کو کالو کی موت کا علم ہوا تو انہیں بڑا افسوس ہوا۔ چند دنوں کے بعد میاں جی حسبِ معمول شام کے بعد اپنے دوست کو ملنے ان کے ڈیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ راستے میں سفید لباس پہنے کوئی آدمی کھڑا ہے جب نزدیک پہنچے تو اس نے کہا: ''میاں جی سلام! میں کالو ہوں'' میاں جی نے کہا کالو! تم تو مر گئے تھے تو یہاں کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا کہ میں مر گیا تھا لیکن میں بھوت بن گیا ہوں۔ میں نے سوچا کہ میاں جی جب بھی اپنے دوست سے ملنے جاتے تھے تو میں ہمیشہ ساتھ جاتا تھا۔ آج آپ اکیلے جا رہے تھے تو میں حاضر ہو گیا ہوں تاکہ آپ کا ساتھ دوں' میاں جی نے پوچھا کہ تم بھوت کس طرح بن گئے ہو۔ اس نے کہا کہ میاں جی یہ بات میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔ اس کے علاوہ آپ کوئی بات کریں کالو میاں جی کے ساتھ ان کے ڈیرے تک گیا۔ اسی طرح واپسی پر پھر ساتھ ہو گیا اور ان کے

ڈیرے کے نزدیک جا کر غائب ہو گیا۔ الغرض کالو کا یہ معمول بن گیا کہ میاں جی جب بھی اپنے دوست سے ملاقات کے لیے جاتے تو کالو ساتھ ہو لیتا۔

اسی طرح کی ایک ملاقات کے دوران کالو نے میاں جی سے کہا کہ میاں جی! آج ہم آپ کو ایک راز کی بات بتاتے ہیں۔ دو دن بعد ہمارے قصبے کی سرائے میں ایک رئیس زادہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ آ کر اترے گا۔ ان کا ارادہ یہاں دو راتیں گزارنے کا ہے دوسری شام کو وہ رئیس زادہ پیلے چاول (زردہ) کھا کر بیمار پڑے گا اور فوت ہو جائے گا۔ اسے ہم نے بھوت بنا لینا ہے۔ میاں جی یہ عجیب بات سن کر بڑے حیران ہوئے لیکن دو دن بعد واقعی ایک امیر نوجوان اپنے چند دوستوں کے ہمراہ قصبہ کی سرائے میں آ ٹھہرا میاں جی تو پہلے ہی انتظار میں تھے اور کالو کی بتائی ہوئی بات کی صداقت جانچنا چاہتے تھے۔ میاں جی نے اس رئیس زادہ سے ملاقات کی اور اپنی طرف سے رات کے کھانے کی دعوت بھی دی۔ اگلے روز رئیس زادہ صاحب نے میاں جی کو شام کے کھانے پر بلوایا تو میاں جی نے اپنی طرف سے پیش بندی کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کی دعوت میں ضرور شامل ہوں گا لیکن ایک شرط ہے کہ آپ پیلے چاول نہیں پکائیں گے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میاں جی پیلے چاول اگرچہ ہم کو بہت پسند ہیں لیکن چلیے آپ کی خوشنودی کی خاطر ہم نہیں پکائیں گے۔ میاں جی نے ان مسافروں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا اور کافی دیر گپ شپ لگاتے رہے۔ اتنے میں اس رئیس زادے کا ایک ملازم آیا جس کے ہاتھ میں پیلے چاولوں کی ایک پلیٹ تھی۔ اللہ جانے وہ گاؤں کے کسی گھر سے آئی تھی یا علیحدہ صرف اس نوجوان کے لیے تیار کی گئی تھی۔ ملازم نے نوجوان کو علیحدگی میں وہ چاول کھلا دیئے۔ میاں جی کا ماتھا ٹھنکا کہ گڑبڑ ہونے والی ہے۔ میاں جی تھوڑی دیر اور ٹھہرے اور کافی رات گئے سب کو ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر گھر لوٹ آئے۔ ابھی چند گھنٹے ہی سو پائے تھے کہ ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو رئیس

زادے کا ملازم کھڑا تھا اس نے کہا میاں جی! ہمارے رئیس زادے کے پیٹ میں شدید درد اٹھا ہے اور ان کی حالت بہت خراب ہے ان کے علاج معالجہ کا کوئی انتظام فرما دیں۔ میاں جی سمجھ گئے کہ جس بات کا خدشہ تھا وہ ہونے والی ہے۔ انہوں نے قصبے کے طبیب کو ملازم کے ہمراہ بھجوایا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے کفن دفن کی فکر بھی لاحق ہو گئی۔ میاں جی نے قصبے کے مولویوں اور دوسرے پڑھے لکھے اور قرآن کے حافظوں کو بھی اکٹھا کرنے کا حکم دے دیا۔ صبح ہوتے ہی اطلاع ملی کہ رئیس زادہ صاحب تو فوت ہو گئے ہیں۔ میاں جی نے فوری طور پر علماء اور حفاظ کو میت کے پاس بٹھا دیا اور حکم دیا کہ مسلسل قرآن خوانی کی جائے۔ جب رئیس زادہ صاحب کو دفن کر دیا گیا تو میاں جی نے اس کی قبر پر ایک خیمہ لگوا دیا وہاں بھی حفاظ کو بٹھا دیا کہ تمہیں کھانا اور دوسری سب ضروریات کی چیزیں یہاں ہی ملیں گی لیکن تم نے مسلسل قرآن خوانی کرتے رہنا ہے۔ چنانچہ کئی روز تک اس کی قبر پر دن رات قرآن کریم کی تلاوت ہوتی رہی۔

کچھ دنوں کے بعد ایک شام میاں جی اپنے دوست کے ڈیرے کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں پھر کالو نمودار ہوا لیکن حالت یہ تھی کہ سر اور پورا جسم پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اور مریل سی آواز میں بولا: ''میاں جی! سلام'' میاں جی نے کہا کہ کالو! تمہیں کیا ہوا اور یہ کیسی حالت بنا رکھی ہے۔ کالو نے جواب دیا: ''میاں جی! ہم آپ سے نہیں بولتے۔ ہم نے آپ کو راز کی ایک بات بتائی تھی کہ ہم نے اس نام کے مسلمان اور بدکردار رئیس زادہ کو بھوت بنا لینا ہے۔ لیکن آپ نے اس کے پاس قرآن پڑھنے والے بٹھا دیئے۔ قرآن کے موکلوں نے مار مار کر ہمارا یہ حال کر دیا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور ہم اسے بھوت نہیں بنا سکے۔''

قبلہ حضرت نے ارشاد فرمایا: یہ واقعہ بالکل سچا ہے۔ شیطان اپنے لشکر کے ساتھ آخری دم تک انسان کو گمراہ کرنے اور جہنم میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس وقت

آپ یہ بات سن رہے ہیں۔ بعد میں مجھے یاد نہیں رہتی۔ آپ میری طرف سے دوسرے تمام بھائیوں کو یہ پیغام دے دینا کہ میت کو کبھی بھی اکیلے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ دفن کرنے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرنی چاہیے۔ دور دراز سے آنے والے رشتہ داروں کے لیے دفن میں تاخیر ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ منہ دیکھنے والی بات فضول ہے۔ کیا مرے ہوئے آدمی کا منہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ مرنے والے کی آخری خدمت ہم یہ کر سکتے ہیں کہ قرآن خوانی کر کے یا مساکین کو کپڑا کھانا یا نقدی دے کر اس کا ثواب اس کی روح کو پہنچایا جائے۔

رقاصہ کی بدروح

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

''بنوں میں مجھے جو مکان کلیم میں الاٹ ہوا تھا اس میں بھی کسی بدروح کا ٹھکانہ تھا۔ وہاں کبھی کبھی ایک کونے سے گانے کی آواز اور گھونگروؤں کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ غالباً کسی رقاصہ کی روح تھی۔ میں نے اس کا زیادہ نوٹس نہیں لیا۔ ایک دن اس کی آواز آئی تو میں نے اس کا خیال کیا تو وہ مجھے نظر آ گئی۔ ایک نوجوان خوبصورت لڑکی تھی۔ جب میں نے اسے توجہ دی تو اسے آگ لگ گئی۔ وہ قہقہے لگانے لگی اور شعلوں میں لپٹی ہوئی وہاں سے پرواز کر گئی۔ اس کے بعد نہ تو کبھی اس کے گانے کی آواز آئی اور نہ ہی وہ دکھائی دی۔ لیکن میں اس بات پر کافی حیران ہوا کہ جب میری توجہ سے اس کو آگ لگ گئی تو وہ خوش کیوں ہوئی۔ بعد میں اللہ میاں نے بتا دیا کہ تمہاری روحانی توجہ سے اس کو جو آگ لگی تو اس کی مادی قید کی زنجیریں جل گئیں اور اسے مادے کی قید سے رہائی مل گئی۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئی ورنہ قیامت تک یہاں ہی پھنسی رہتی۔''

آپ کا عشق چاہیے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک دن بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بادشاہ کا وزیر اللہ والا فقیر تھا۔ بہت بڑا بزرگ اور صوفی تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ مجھے اپنا عشق عطا فرما دیں۔ غیب سے ندا آئی کہ ہمارا عشق نہ مانگ۔ اس کے علاوہ جو جی چاہے مانگ لو۔ یہ بڑی کٹھن منزل ہے۔ اس نے عرض کیا کہ جو ہو سو ہو مجھے تو آپ کا عشق ہی چاہیے۔ چند ماہ بعد وزیر صاحب کا اکلوتا بیٹا ایک جنگی مہم میں مارا گیا جس کا اسے شدید صدمہ پہنچا۔ اللہ میاں نے اسے کہا کہ ابھی تو امتحان شروع ہوا ہے اب بھی باز آ جاؤ لیکن وہ نہیں مانا۔ چند ماہ بعد وزیر کے حاسدوں نے ایک سازش تیار کر کے بادشاہ کے خوب کان بھرے اور بادشاہ اس کے خلاف ہو گیا اور اسے وزارت سے معزول کر دیا اور اس کے خلاف مقدمہ کی کاروائی شروع ہو گئی۔ اللہ میاں نے اپنے فقیر سے فرمایا کہ اب بھی موقع ہے کہ ہمارے عشق کی تمنا سے دستبردار ہو جاؤ تو ہم سب کچھ ٹھیک کر دیں گے۔ تمہارے خلاف جو مقدمہ ہے وہ واپس لے لیا جائے گا اور تمہاری وزارت بحال کر دی جائے گی۔ فقیر نے التجا کی میں تو آپ کے عشق کا دیوانہ ہوں اور اس کے لیے مجھے ہر ابتلا منظور ہے۔ چند ہفتوں بعد مقدمہ کی کاروائی پوری ہوئی تو وزیر صاحب پر بغاوت کا الزام ثابت ہو گیا اور اس کے لیے سزائے موت تجویز کی گئی۔ اللہ میاں نے اپنے عاشق زار کو فرمایا کہ عشق کے انجام سے ڈرو اور اب بھی یہ بات جانے دو تو ہم یہ سزائے موت منسوخ کرا کے تمہارا عہدہ باعزت طور پر بحال کر دیں گے لیکن وہ دھن کا پکا اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس پر بادشاہ کی طرف سے حکم ہوا کہ دوسروں کو عبرت دلانے کے لیے اس مجرم کی ٹانگوں کو ہاتھیوں کے ساتھ باندھ کر اس کے جسم کو چیر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ

نے اپنے حسن لازوال کے عاشق صادق کو فرمایا کہ اگر اب بھی تم اپنی طلب سے رجوع کرلو تو سب ٹھیک کر دوں گا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ کے عشق میں بے تاب ہوا جاتا ہوں اب تو واپسی ممکن نہیں۔ آخر اس کی سزا کا مقررہ دن آن پہنچا۔ تماشائیوں کے ٹھٹھ لگ گئے۔ جب اس فقیر کی ٹانگیں رسوں کے ساتھ ہاتھیوں سے باندھ دی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فقیر سے فرمایا کہ یہ آخری موقع ہے اب بھی مان جاؤ۔ فقیر نے عرض کیا کہ اللہ میاں آپ کے عشق کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔

مہاوتوں نے ہاتھیوں کو چابک لگائے اور وہ مختلف سمتوں میں جو دوڑے تو اللہ کے عاشق کا جسم دو حصوں میں چر گیا۔ اللہ نے کہا کہ تو میرا سچا عاشق ہے میرے پاس آ جا کہ اب تو میں بھی تجھے ملنے کو بے تاب ہوں۔ یہ عشق ہے۔ اس پر قبلہ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت مانگا کرو۔ اس کے بارے میں تو قرآن کریم بھی فرمایا ہے کہ جو اہل ایمان ہیں وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تمہیں اللہ کی محبت مطلوب ہے تو میرے حبیب ﷺ کی اتباع کرو۔ عشق نہ مانگو کہ یہ راہ بہت ہی کٹھن ہے۔

موت کا ڈر

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مرتبہ آپؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''آپ لوگ خواہ مخواہ ڈر جاتے ہیں۔ بھلا موت بھی کوئی ڈرنے کی چیز ہے۔ خدا کی قسم! موت ایسے ہی ہے جیسے یہ قمیض اتار کر دوسری پہن لی جائے۔''

اشرفیوں کی تھیلی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ میرے مرشد مولانا کریم الدین احمدؒ نہایت ہی سادہ مزاج اور اپنے قصبے ''دھوج'' میں بہت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ وہاں ایک کچے احاطے میں تین چار چھپر پڑے ہوئے تھے یہی مولانا کا کاشانہ تھا۔ آپ مہینہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لیے دہلی تشریف لاتے اور بعض اوقات ہفتوں قیام فرماتے۔ دہلی میں آپ ہمیشہ چاندنی چوک کے کسی بہترین ہوٹل میں دو تین کمرے کرائے پر لیتے یہاں ہر وقت مریدوں کا تانتا لگا رہتا اور مولانا خود سب کو کھانا کھلاتے۔ میں نے مولانا کو کبھی کسی دعوت میں جاتے نہیں دیکھا میں حیران ہوتا تھا کہ بظاہر تو مولانا کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے تو پھر وہ ہوٹل کا اتنا خرچہ کیسے برداشت کرتے ہیں۔ یہ راز معلوم کرنے کے لیے میں ٹوہ میں لگا رہا۔ مولانا عصر کی نماز ایک دوسرے کمرے میں ہمیشہ تنہائی میں پڑھتے تھے۔ میں نے یہ سوچتے ہوئے کہ شاید مولانا صاحب نے اس کمرے میں کوئی مال رکھا ہوگا ایک دن اصرار کیا کہ میں بھی عصر آپ کے ساتھ ہی ادا کروں گا۔ آپ نے اجازت دے دی۔ نماز کے بعد مولانا لیٹ گئے اور میں انہیں دبانے لگ گیا۔ ساتھ ساتھ کمرے کا جائزہ بھی لیتا رہا لیکن وہاں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ دباتے دباتے مجھے محسوس ہوا کہ مولانا کی قمیض کی اندرونی جیب میں ایک تھیلی ہے جس میں کچھ دھاتی سکے ہیں۔ میں نے آہستہ سے ہاتھ ڈال کر وہ تھیلی نکال لی اور ذرا دور ہٹ کر اسے کھول کر دیکھا تو اس میں خالص تانبے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے مولانا ہنس پڑے اور فرمایا اِدھر لاؤ یہ اشرفیاں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کیسی اشرفیاں ہیں یہ تو تانبے کی ہیں۔ مولانا نے مجھے قریب بلایا اور ایک

طاق پر رکھی ہوئی چھوٹی سی شیشی لانے کو کہا اس پر پیچ دار ڈھکنا تھا جس کے ساتھ ایک برش بھی لگا ہوا تھا اور اس کے اندر کوئی تیل نما چیز تھی مولانا نے تانبے کا ایک ٹکڑا لیا اور اس پر برش کے ساتھ وہ تیل لگایا تو وہ خالص سونا بن گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ اب پتا چلا کہ یہ اشرفیاں ہیں۔

کچھ عرصہ بعد دہلی ہی کے ایک ہوٹل میں میری حضرت مولانا سے تنہائی میں ملاقات ہوئی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم نے اللہ کی راہ میں خوب محنت کی ہے اور میری تعلیم پر یکسوئی کے ساتھ عمل کر کے بہت جلد سلوک طے کر لیا ہے میں تم سے خوش ہوں۔ میں چاہتا ہوں تمہیں کوئی انعام دوں۔ مانگو کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ نے انعام دینا ہے تو اس کا فیصلہ بھی آپ خود ہی فرمائیں۔ اس پر آپ نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور مجھے عطا فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ گندھک کا تیل ہے۔ اس پر میں نے گزارش کی کہ قبلہ مجھے تو خارش نہیں ہے میں گندھک کے تیل کا کیا کروں گا۔ مولانا نے فرمایا:

ارے بے وقوف! یہ اکسیر ہے اس سے سونا بنتا ہے۔ اسے رکھ لو اور ساری عمر موج کرو۔ میں نے اس شیشی کو اٹھا کر بڑے غور سے دیکھا اور ہوٹل کے کمرے کی کھلی کھڑکی سے اسے باہر گلی میں پھینک دیا۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے کہ تو نے یہ کیا کیا۔ میں نے روتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت میں آپ سے اس لیے بیعت نہیں ہوا تھا کہ مجھے سونا بنانا آ جائے لعنت ہو اس مرید پر جو کسی فقیر کے ہاتھ پر اس لیے بیعت ہو کہ دنیا کی دولت ہاتھ آ جائے۔ مجھے یہ سب کچھ نہیں چاہیے مجھے تو نقد نارائن جی سے ملا دیں مجھے تو صرف اللہ کی طلب ہے۔ اس پر مولانا نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر خوب خوب پیار کیا اور دعا دی کہ تمہاری طلب سچی ہے اور تم مرنے سے پہلے اللہ کے دیدار سے ضرور شرف یاب کیے جاؤ گے۔

حضرت علیؓ کا دیدار

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

1959ء کی بات ہے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بنوں سے راولپنڈی آئے ہوئے تھے اور شہر میں قیام پذیر تھے۔ ہر شام پیر بھائی وہاں اکٹھے ہوتے اور وعظ و پریم کی مجلسیں جمتیں۔ پاکستان ائرفورس کے ایک صاحب فلائٹ سارجنٹ زیڈ۔اے خاں نے حلقہ کے بھائیوں سے آپ کا ذکر سنا تو کہنے لگے کہ میں بھی قبلہ حضرت سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے بس اگر وہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دیدار کرا دیں تو میں ان کا مرید ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اسی شام وہ حاضر مجلس ہوئے اور اپنا مدعا عرض کرتے ہوئے کہا کہ میرا تعلق شیعہ مسلک سے ہے۔ میں نماز اور تہجد باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ بڑی مدت سے میری آرزو ہے کہ حضرت علیؓ کے دیدار کی سعادت حاصل کروں لیکن یہ حسرت پوری نہیں ہوئی۔ اس کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی اور حاضرین مجلس محظوظ ہوتے رہے۔ پھر آپ نے پینے کے لیے پانی طلب فرمایا۔ آپ نے اس میں سے دو گھونٹ خود پی کر گلاس زیڈ۔اے خان صاحب کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: لو پی لو۔ آج رات زیارت ہو جائے گی۔ عشاء کے کافی دیر بعد مجلس برخواست ہوئی اور سب بھائی چلے گئے۔ اگلے روز حسبِ معمول شام کو مجلس جمی اور خان صاحب بھی نشے میں ڈوبے جھومتے جھامتے تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے۔

''میں رات کو بڑا خوش خوش سو گیا کہ آج میری مراد حاصل ہو جائے گی۔ حسبِ معمول تہجد کے وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے کہا کہ رات تو گزر گئی لگتا ہے بابے نے بھی مجھے ٹرخا دیا ہے۔ میں نے وضو کیا تہجد پڑھی اور بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے اونگھ آ گئی میں نے دیکھا کہ جنت میں ہوں اور اس میں سرخ رنگ کی ایک بڑی خوبصورت سڑک ہے جس

کے دونوں کناروں پر بہت سے بزرگ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ لوگ یہاں لوگ کس لیے کھڑے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لا رہے ہیں اور ہم ان کے احترام میں کھڑے ہیں۔ یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ مجھے بھی ان کے دیدار کا موقع ہاتھ میں آ گیا۔ میں بزرگوں کی قطار سے پیچھے ایک درخت کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز آنے لگی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی جنرل فوجی بوٹ پہنے چل رہا ہو۔ جب آواز بالکل قریب آ گئی تو میں نے درخت کی اوٹ سے نکل کر سڑک کی جانب نگاہ اٹھائی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ آ رہے ہیں اور ان کی دونوں جانب امام حسن اور امام حسینؓ ہیں۔ سڑک کے کنارے کھڑے تمام بزرگ تو نگاہیں جھکائے کھڑے تھے لیکن میرے شوق نے ہمت بڑھائی تو میں نے آپ کے روئے مبارک کی طرف نگاہ اٹھانے کی مہم سر کر لی۔ حضرت علیؓ نے رخ میری طرف فرمایا اور ذرا مسکرائے۔ مجھے ان کے دانت مبارک نظر آئے تو ایک دانت سے نور کی ایک شعاع نکل کر سیدھی میرے دل پر آ لگی کہ میری چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور جسم پسینے سے شرابور تھا۔ قلب و روح پر ایسا سرور چھایا تھا کہ مجھ سے سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔ ابھی کچھ طبیعت اس نشہ کو برداشت کرنے کے قابل ہوئی ہے۔ مجھے اب معلوم ہو گیا ہے کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے۔ میں آپ کے سلسلے کی تعلیم کی صداقت کا قائل ہو گیا ہوں۔ میں سب کو بتاؤں گا کہ حقیقت کیا ہے بلکہ ایران جا کر بھی تبلیغ کروں گا۔

قبلہ حضرت نے تھوڑا سا پانی دم کر کے خان صاحب کو پلایا تو ان کا جوش ذرا کم ہوا اور روحانی سرور قابل برداشت ہو گیا۔ آپ نے مذاق کے طور پر خان صاحب کو فرمایا کہ آپ نے تو جنت میں بھی دیکھ لیا کہ ادب اور تعظیم کے لیے کھڑا ہونے کے لیے ہاتھ باندھ لیے جاتے ہیں لیکن آپ نماز بھی ہاتھ چھوڑ کر پڑھتے ہیں جیسے کوئی لڑنے مرنے

کے لیے تیار ہو۔ خان صاحب چونکہ شیعہ تھے اس لیے بیعت تو نہ ہوئے بلکہ حضرت علیؓ کی زیارت کے بعد یہ کہتے ہوئے بھی سنے گئے کہ اب تو میں حضرت علیؓ سے بیعت ہو گیا ہوں۔ بہر حال قبلہ حضرت سے کبھی کبھار ملتے رہے لیکن ان کی روحانی کیفیات قائم نہ رہ سکیں۔

چاند پر انسان کی لینڈنگ

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

۱۹۶۹ء میں جب امریکن اسٹرونات چاند پر اتر گئے تو اسے انسان کی بہت بڑی کامیابی قرار دیا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی چاند کے بارے میں جو انسانوں کے حسین اور افسانوی تصورات تھے وہ چکنا چور ہو گئے۔ کیوں کہ چاند جو ہوا پانی اور سبزے سے یکسر محروم تھا اور جس کی سطح کلرزدہ زمین کی طرح نرم اور شہابیوں کی مسلسل بمباری کی وجہ سے گڑھوں سے بھرپور تھی کسی طرح بھی حسین کہلانے کی مستحق نہ تھی بلکہ چاند سے دکھائی دینے والی زمین نہایت خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔ میں ان دنوں پی اے ایف سرگودھا بیس پر تعینات تھا۔ چند ماہ بعد قبلہ حضرت سے ملاقات کے لیے گلبرگ لاہور گیا۔ ایک دوسرے پیر بھائی راجہ علی اکبر صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد مجلس میں تسخیر قمر کے بارے میں بات چیت ہوئی تو بانی سلسلہؒ نے ارشاد فرمایا:

''یہ انسان کا بڑا اہم کارنامہ ہے۔ میں تو ان کے ساتھ ساتھ گیا تھا۔ وہ تو ایک مرتبہ مدار سے ہٹ گئے تھے اور زمینی کنٹرول سے رابطہ بھی منقطع ہو گیا تھا۔ میں نے انہیں دوبارہ مدار میں ڈال دیا I wanted them to land میں چاہتا تھا کہ وہ چاند پر اتریں تاکہ انسانوں پر جو چاند کا سحر چھایا ہوا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان مزید نکھر کر سامنے آئے۔''

رزق پہنچانے کے بہانے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تمہیں ایک بڑا ہی مزیدار قصہ سناتا ہوں۔

حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ کے آبائی قصبہ مہندر گڑھ ریاست پٹیالہ کا ایک میراثی غربت کے ہاتھوں تنگ آ کر گھر سے نکل بھاگا اور اس نے فقیرانہ وضع قطع اختیار کر کے بھیک مانگنا شروع کر دی۔ آدمی ذہین اور باتیں بنانا جانتا تھا۔ اس لیے اس کا یہ کام خوب چل نکلا۔ پھرتے پھراتے ایک ایسے قصبے میں جا پہنچا جہاں کے ایک ہندو رئیس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ میراثی نے بڑی ہوشیاری سے اس رئیس کے گھریلو نوکر سے سانٹھ گانٹھ کر کے معلومات حاصل کیں اور سیٹھ سے ملنے والے نذرانے میں حصہ دینے کا بھی وعدہ کیا۔ مقررہ دن اور وقت پر میراثی ایک سادھو سنت کا روپ دھارے مطلوبہ گلی میں آ نمودار ہوا اور صدا لگانے لگا کہ بھگوان کے سنت ہمالہ کے پہاڑوں سے اتر کر آئے ہیں دکھیاروں کے دکھ دور اور بے مرادوں کی مرادیں پوری ہوں گی۔ جو پوچھنا ہے پوچھ لو جو مانگنا ہے مانگ لو۔ رئیس کا نوکر بھاگ کر اندر گیا اور سیٹھ سیٹھانی کو اطلاع دی کہ ایک بہت ہی پہنچے ہوئے جوگی مہاراج خود چل کر ہمارے بھاگ جگانے آ گئے ہیں۔ انہوں نے اسے اندر لانے کو کہا۔

میراثی مہاراج اندر آ کر براجمان ہو گئے تو میاں بیوی نے حاضر ہو کر پرنام کیا، پاؤں چھوئے اور احترام کے ساتھ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ سیٹھ کی بیوی عرض مدعا کرنے ہی لگی تھی کہ جوگی مہاراج نے انہیں ٹوک دیا اور فرمایا کہ ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے ہم دل کی بات اور من کی دلیل جانتے ہیں۔ ہمیں پتہ ہے کہ تمہاری شادی کو دس برس ہو

گئے ہیں لیکن تمہاری گود ہری نہیں ہوئی۔ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ من کی مراد پانے کے لیے تم نے کہاں کہاں کے چکر کاٹے ہیں۔اب چنتا کی کوئی بات نہیں۔ہم آ گئے ہیں تو اب مراد پوری ہونے کی گھڑی آ گئی ہے۔اہل خانہ ان کی باتیں سن کر اور بھی گرویدہ ہو گئے۔انہوں نے مہاراج کو خوب کھلایا پلایا اور کافی نقد رقم بھی نذر کی۔میراثی نے رئیس کو کہا کہ اپنی ڈائری لے کر آ ؤ۔رئیس ڈائری لے کر آیا تو میراثی نے نو دس ماہ بعد کی ایک تاریخ لکھ دی اور کہا کہ اس تاریخ کو تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔میراثی صاحب نے وہاں سے فارغ ہوکر نوکر سے طے شدہ حصہ ادا کیا اور اس علاقہ سے باہر نکل گیا۔

اب اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ چند دنوں کے بعد ہی اس کی عورت کو حمل ٹھہر گیا اور نو ماہ بعد میراثی کی دی ہوئی تاریخ پر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔رئیس اور اس کے اہلِ خانہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی مراد پوری کرنے والے جوگی مہاراج کے کہیں دوبارہ درشن ہوں تو ان پر اپنی دولت نچھاور کریں۔میراثی صاحب ڈر کے مارے ادھر کا رخ نہ کرتا تھا کہ وہاں گیا تو جھوٹ پکڑا جائے گا۔گھر کے نوکر کو بھی اس کا ٹھکانہ معلوم نہ تھا۔اس لیے جوگی صاحب کیسے ملتے۔

اتفاق سے اس علاقے میں ہونے والے ایک میلے میں سیٹھ صاحب اور میراثی کا آمنا سامنا ہوگیا میراثی اس سے بچنے کے لیے پیچھے مڑا اور سیٹھ سے بچنے کے لیے دوڑنا شروع کر دیا لیکن سیٹھ صاحب بھلا اپنے محسن مہاراج کو کہاں بھاگنے دیتے تھے۔جب میراثی پکڑا گیا تو اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں تو تمہیں جانتا تک نہیں تو پھر کیوں مجھے پریشان کر رہے ہو۔سیٹھ نے کہا مہاراج ہم تو مہینوں سے آپ کی تلاش میں تھے۔آپ کی دعا سے ہمیں بھگوان نے بیٹا دیا اور وہ اسی تاریخ کو پیدا ہوا جو لکھ کر دے آئے تھے۔ یہ سن کر میراثی کی جان میں جان آئی اور وہ سنبھل گیا۔

سیٹھ صاحب اسے اپنے ساتھ لے گئے کئی دن تک مہمان رکھا اور ایک کثیر رقم اس کی

نذر کی۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ بس اللہ تعالیٰ کے رزق پہنچانے کے بہانے ہیں۔ وہ چاہے تو ناکاروں، جھوٹوں اور نالائقوں کو بھی نواز دے۔ اسے بھلا کون پوچھ سکتا ہے؟ یہ قصہ بالکل سچا ہے اور حضرت رسالدار اس میراثی کو جانتے تھے۔

بھینس کو دودھ دینے کا حکم

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مرتبہ راقم الحروف بانی سلسلہؒ سے ملاقات کے لیے لاہور گیا تو آپ نے اپنی ایک کرامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''شاہدرہ میں ہمارے ایک بھائی ڈاکٹر صادق صاحب ہیں۔ وہ ذکر کی محفل میں حاضری کے لیے اکثر یہاں آیا کرتے ہیں۔ ایک دن جب وہ واپس جانے لگے تو میں نے ان سے خیریت دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ باقی تو الحمد للہ سب ٹھیک ہے لیکن ایک مسئلہ یہ ہے کہ چند دن پہلے ہماری بھینس کا بچہ مر گیا اب وہ دودھ دوہنے کے لیے تھنوں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتی۔ میں نے کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں، میں بھینسوں کا پیر تھوڑا ہی ہوں۔

پھر میں نے کہا ڈاکٹر میری بات سنو، جاؤ اور جا کر بھینس کے کان میں جا کر کہنا کہ انصاری صاحب کہتے ہیں دودھ دے دو۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے بھائی کو اپنے ساتھ سکوٹر پر لے کر چلے گئے اور سیدھے اپنے ڈیرے پر گئے جہاں بھینس بندھی ہوئی تھی۔ حسبِ ارشاد انہوں نے بھینس کے کان میں کہا کہ انصاری صاحب کہتے ہیں کہ دودھ دے دو اور اسے دوہنے کے لیے بیٹھ گئے۔ اللہ اکبر۔ بھینس ہلی تک نہیں۔ تین دن کا رکا ہوا دودھ تھا لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے بالٹی بھر کر دوہا۔ اگلی صبح ڈاکٹر صاحب پھر یہاں موجود تھے میں نے پوچھا اب کیسے آئے، تو انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا اور عرض کیا کہ شکریہ کے طور پر اس دودھ سے نکالا ہوا مکھن لے کر حاضر ہوا ہوں۔''

برہمن کو گُر سکھایا

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک دن قبلہ حضرتؒ نے فرمایا:

ایک مرتبہ میں بالکل فارغ تھا تو میرے ایک ہندو دوست جو ایک سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے نے بتایا کہ میرے سکول میں عارضی طور پر فارسی کے استاد کی جگہ خالی ہے اگر آپ کو پسند ہو تو کل سے آ جائیں۔ میرا تو یہ اصول رہا ہے کہ جب بے کار ہو تو جو بھی کام ملے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا سمجھ کر قبول کر لو اور لگے ہوئے کام کو کبھی مت چھوڑو جب تک اس سے بہتر کام مل نہ جائے چنانچہ میں نے ان کے سکول میں پڑھانا شروع کر دیا۔ وہ مجھے بچپن ہی سے جانتے تھے اور ان دنوں ہم ایک ہی محلّہ میں رہ رہے تھے۔ ہم دونوں اکٹھے ہی سکول آتے جاتے اور راستے میں ان سے گپ شپ بھی چلتی رہتی۔ ایک دن وہ کہنے لگے کہ انصاری صاحب! آپ نے تو روحانی طور پر کافی ترقی کی ہے اور بزرگ بن گئے ہیں لیکن میں تو ویسے کا ویسا ہی ہوں۔ آپ مجھے بھی روحانی ترقی کے لیے کوئی طریقہ بتائیں۔ میں نے کہا کہ آپ مذاق کر رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے نہیں بھگوان کی قسم میں مذاق نہیں کر رہا ہوں میں نے یہ بات سنجیدگی سے کی ہے کہ عمر بھر پوجا کرنے کے باوجود بھی منزل ہاتھ نہیں آئی۔ میں نے انہیں کہا کہ پھر آپ کو پوجا کرنی آتی ہی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا واہ! یہ کیا بات ہوئی ہم تو برہمن ہیں اور سب لوگ پوجا پاٹ ہمیں سے سیکھتے ہیں اگر ہمیں نہیں آتی تو اور کس کو آتی ہوگی۔ میرے پوچھنے پر پنڈت جی نے بتایا کہ ہم نے عبادت کے لیے ایک علیحدہ کمرہ گھر میں بنا رکھا ہے۔ ہم سارے گھر والے صبح سویرے اٹھ کر باقاعدگی کے ساتھ پوجا پاٹ کرتے ہیں اسی طرح رات کو سونے سے قبل بھی اس عمل کو دہراتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس طرح عبادت تھوڑا

ہی ہوتی ہے کہ دن رات میں دو گھنٹے تو بھگوان کو یاد کیا اور باقی وقت دنیا کی بک بک جھک جھک میں برباد کیا۔ یہ سن کر پنڈت جی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اورانہوں نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ پھر پوجا کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ میں نے کہا کہ کسی روز آپ کو بتاؤں گا۔ چند دنوں کے بعد وہ میرے گھر میں آ گئے اور بڑے مودبانہ انداز میں کہنے لگے کہ آپ مجھے بندگی کا صحیح طریقہ سکھا دیں۔ میں نے پوچھا کہ کون سی دیوی کو پوجتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو ہنومان جی کی پرستش کرتے ہیں اور انہی کا بت اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ حقیقی بندگی تو یہ ہے کہ تمہارا کوئی سانس بھی ہنومان جی کی یاد کے بغیر نہ آئے۔ جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی دل سے ہنومان کہو اور جو باہر نکلے اس کے ساتھ بھی ہنومان۔ یعنی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت ہنومان جی کو یاد کرنا ہے۔ انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا اور چلے گئے۔ ابھی چند ہفتے ہی گزرے تھے کہ وہ پھر میرے گھر آئے اور آتے ہی میرے آگے سجدے میں گر گئے۔ میں نے انہیں اٹھایا اور کہا کہ پنڈت جی یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ کیا ہوا ہے پنڈت جی نے کہا انصاری صاحب! آپ تو مہاتما ہیں۔ آپ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرنے سے مجھے جاگتے میں ہنومان جی کے درشن ہونے لگے ہیں۔ ایک روز تو ہنومان کی ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی۔ شام کے بعد ہمارا ایک بچہ مٹھائی کھانے کے لیے ضد کرنے لگا ہم نے اسے بہلانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانا۔ میں نے ویسے ہی اسے کہہ دیا کہ جاؤ ہنومان جی کے کمرے میں مٹھائی رکھی ہے وہاں سے لے آؤ۔ وہ چلا گیا لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ جب وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے لائے ہو تو کہنے لگا کہ یہ ہنومان جی کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ کبھی کبھی تو ہنومان جی میرے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور میں ان پر ہاتھ بھی پھیرتا ہوں۔ پنڈت جی بڑے خوش اور مخمور تھے۔

یہ سب کچھ سن کر میں نے پنڈت کی خوب ٹھکائی کرتے ہوئے کہا کہ "پنڈت جی! تم

مشرک ہو اور آخرت میں جہنم میں ڈالے جاؤ گے۔ جو کچھ تم دیکھتے ہو یہ خدا تھوڑا ہی ہے۔ بھگوان بھلا ایسے ہوتا ہے کہ تمہاری چارپائی پر آکر بیٹھ جائے اور تم اپنے بھگوان پر ہاتھ پھیرتے رہو، تمہیں شرم آنی چاہیے۔''

دہریہ ملنے آیا

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

۱۹۶۳ء میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع موچی دروازہ لاہور کے بالمقابل واقع برکت علی اسلامیہ ہال میں منعقد ہوا۔ داخلی دروازہ پر لگی ہوئی رنگ برنگی جھنڈیاں دیکھ کر ایک ماڈرن قسم کے بابو نے پوچھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ کسی بھائی نے بتایا کہ یہاں ہمارے مرشد کی زیرِ نگرانی ہمارا جلسہ ہو رہا ہے۔ اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا کہ کیا میں بھی ان بزرگوں سے مل سکتا ہوں؟ بھائی نے جواب دیا کہ کیوں نہیں آپ بڑی خوشی سے مل سکتے ہیں اور وہ انہیں ساتھ لے گئے اور قبلہ صاحب سے متعارف کروایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت صاحب میں پہلے مسلمان تھا۔ لیکن مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں اور فرقہ واریت کے جھگڑوں سے میرا دل اکتا گیا اور میں دہریہ ہو گیا۔ دہریہ ہونے پر بھی کوئی سکون نہ ملا تو پھر کئی برس بعد اب میں دوبارہ مسلمان ہو گیا ہوں۔ مسلمانوں کے تفرقے اب بھی ویسے ہی ہیں۔ میرا دل ڈر رہا ہے کہ میں پھر کہیں دہریہ نہ بن جاؤں۔ میں اب دہریت کے اندھیروں میں دوبارہ گھسنا نہیں چاہتا۔

اس کی باتیں سن کر قبلہ حضرت نے اپنے داہنے دست مبارک کی انگشتِ شہادت اس کے دل پر ماری اور پرجوش لہجہ میں فرمایا: ''جاؤ اب تم کبھی دہریہ نہیں بنو گے، تمہیں پہلے کوئی ملا ہی نہیں تھا۔ اب اگر اسلام کو چھوڑ بھی دو گے تو یہودی یا عیسائی بنو گے دہریہ کبھی نہ ہو گے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر اب کبھی نہیں ہو گے۔''

ہرنوں کی لکھی ڈار

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا:

''جماعت کی بڑی برکت اور قوت ہوتی ہے۔ کمزور اور سست بھائی بھی جماعت کے ساتھ مل کر چلتے رہتے ہیں اور اللہ کے فضل سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے سب بھائیوں کو چاہیے کہ حلقہ ذکر کی مجالس میں ذوق وشوق سے شامل ہوا کریں اور آپس میں رابطہ رکھیں۔ ہندوستان کے ایک جنگل میں ہرن بڑی کثرت سے پائے جاتے تھے۔ ان کا ایک بہت بڑا گروہ اکٹھا چلتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس میں ایک لاکھ ہرن ہیں اور اسی وجہ سے اسے لکھی ڈار کہتے تھے۔ اس کے بارے میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ اسے کسی بزرگ کی دعا ہے جس کی وجہ سے اس ڈار کے کسی ہرن کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی ہرن بندوق کا فائر لگ جانے سے گر بھی جائے تو وہ دوبارہ کھڑا ہو کر ڈار کے ساتھ ہی بھاگ جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ہم بھی چند ساتھیوں کے ساتھ اس جنگل میں شکار کے لیے گئے۔ ہم تو پریمی آدمی ہیں ہم نے کیا شکار کھیلنا تھا۔ بس دوستوں کے ساتھ چلے گئے۔ ہم تو گوشت بھی اس لیے کھا لیتے ہیں کہ شریعت نے حلال رکھا ہے ورنہ ان جانوروں کو بھی ذبح کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہمارا بھی اتفاق سے ہرنوں کی اس ڈار سے ٹکراؤ ہو گیا۔ ہمارے ایک ساتھی نے بندوق چلائی تو ایک ہرن گر پڑا۔ ہم اسے پکڑنے کو دوڑے۔ لیکن ابھی ہم دور ہی تھے کہ وہ اٹھ بھاگا اور اپنے ساتھیوں میں شامل ہو کر جنگل میں غائب ہو گیا۔ دراصل کسی بھی جانور کو اگر گولی وغیرہ لگ جائے تو وہ گرنے کے بعد دوبارہ کھڑا ہونے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔

یہاں بھی یہی ہوتا تھا کہ زخمی ہرن دوبارہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا لیکن ڈار کے ہرن اتنے قریب مل کر چلتے کہ وہ اپنے زخمی ساتھی کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹتے لیے جاتے اور نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ جو ہرن زیادہ زخمی ہوتا وہ دور جا کر کہیں نہ کہیں گر ہی جاتا ہوگا۔ اسی طرح ان میں سے کئی مر بھی جاتے ہوں گے۔ لیکن یہ جماعت کی مسلسل حرکت اور قوت کا کرشمہ تھا کہ وہ اپنے زخمی اور کمزور ساتھی کو بھی گرنے نہیں دیتے تھے اور وہ میلوں اپنے گروہ کے سہارے دوڑتا چلا جاتا تھا۔

لنگوٹی کا فساد

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی بیان کردہ حکایات میں سے مزید ایک قصہ قارئین کرام کی نذر کرتا ہوں۔

''کسی گاؤں کے باہر ایک مجذوب قسم کا درویش کپڑوں اور متاعِ دنیا سے بے نیاز ایک کٹیا میں پڑا رہتا تھا۔اس کے عقیدت منداس کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ان میں عورتیں بھی ہوتی تھیں۔اس مجذوب کے چند چہیتے مریدوں نے باہم مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ کسی نہ کسی طرح باباجی کو ایک لنگوٹی باندھ دی جائے کیوں کہ یہاں عورتوں کا بھی آنا جانا ہے اوران کا ننگا رہنا معیوب لگتا ہے۔چنانچہ وہ لنگوٹی کے لیے کپڑا لے آئے اور مجذوب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مہربانی فرما کر اسے باندھ لیں۔اس پر مجذوب سیخ پا ہو گیا اور کہنے لگا ہم نے دنیا چھوڑ دی ہے اور تم دوبارہ مجھے اس میں لپیٹنا چاہتے ہو میں اسے ہرگز نہیں باندھوں گا۔

مرید بار بار اصرار کرتے رہے تو مجذوب تھوڑا نرم پڑ گیا۔اس پر انہوں نے مجذوب کے انکار کے باوجود زبردستی وہ لنگوٹی ان کو باندھ دی۔مجذوب انہیں گالیاں دیتا رہا اور وہ سنتے رہے۔اب جو لنگوٹی بندھ گئی تو مجذوب صاحب کھانا وغیرہ کھا کر لنگوٹی سے ہی ہاتھ صاف کر لیتے۔رات کو جنگل سے کچھ چوہے خوراک وغیرہ کی تلاش میں ان کی کٹیا میں آیا کرتے تھے۔انہوں نے جو دیکھا کہ لنگوٹی پر بھی سالن یا میٹھا وغیرہ لگا ہوا ہے تو اسے بھی کترنے لگے۔تلاشِ رزق کے اس کٹھن کام میں چوہوں سے بے احتیاطی بھی ہو جاتی جس سے مجذوب بھی زخمی ہو جاتے۔بابا تو پہلے ہی لنگوٹی کے خلاف تھا اب چوہوں کی ایذا رسانی سے ان کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

اگلے روز جوں ہی ان کے عقیدت مند آئے بابا نے گالیوں سے ان کی تواضع کی اور کہا کہ ابھی اس لنگوٹی کو اتارو۔ انہوں نے ہاتھ جوڑے کہ آپ درگزر فرمائیں ہم ان چوہوں کا بندوبست کرنے کے لیے یہاں ایک بلی لے آتے ہیں۔ چنانچہ کٹیا میں ایک بلی کا اضافہ ہو گیا جس سے چوہوں کا مسئلہ حل ہو گیا۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ گاؤں والوں میں سے کوئی بھی وہاں نہ آیا۔ مجذوب نے تو صبر وشکر کر کے بھوک برداشت کر لی مگر بلی ساری رات بھوک کے مارے میاؤں میاؤں کرتی رہی جس سے مجذوب سخت تنگ دل ہوا۔ جب گاؤں والے آئے تو اس نے کہا کہ اب میری لنگوٹی بھی کھولواور اپنی اس ماں کو بھی لے جاؤ جو ساری رات میرا سر کھاتی رہی۔ مریدوں نے معذرت چاہی اور باباصاحب کو ذرا ٹھنڈا کیا کہ آپ فکر نہ کریں ہم بلی کی خاطر یہاں ایک دودھ دینے والی بکری لے آتے ہیں۔ وہ جنگل سے گھاس اور پتے وغیرہ کھا کر پیٹ بھر لیا کرے گی۔ اوراس کے دودھ سے بلی اور آپ کا گزارہ چلتا رہے گا۔ مجذوب بابا نے ان کی یہ تجویز بھی تسلیم کر لی اور وقت اچھا گزرنے لگا۔

کچھ دنوں بعد برسات کا موسم شروع ہو گیا اور دو دن مسلسل بارش ہوتی رہی۔ اس دوران گاؤں والوں سے کوئی بھی نہ آیا۔ بارش میں بکری بھی باہر نہیں نکلتی۔ وہ بھوک سے بے تاب ہو کر مسلسل شور مچانے لگی تو مجذوب صاحب سے برداشت نہ ہوا۔ وہ باہر نکلے کہ کسی درخت سے بکری کے لیے پتے توڑ کر لاتا ہوں۔ ہمت کر کے ایک درخت پر چڑھ تو گئے لیکن گیلے تنے سے پاؤں جو پھسلا تو زمین پر آرہے اور ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ بڑی مشکل سے کٹیا تک پہنچے اور رات بھر درد سے کراہتے رہے اگلے روز مطلع صاف ہوا تو مریدان باصفا بھی حاضر خدمت ہوئے اور پوچھا کہ باباجی یہ سب کچھ کیونکر ہوا اور کیسے ہوا۔ بابا تو غصے میں بھرا بیٹھا تھا اس نے اپنی لنگوٹی اتار دی اور وہ ماری اور کہا کہ یہ سب اس حرام زادی لنگوٹی کا فساد ہے۔ یہ نہ بندھتی تو نہ ہی بلی یہاں آتی اور نہ ہی

بکری اور نہ میں اس مصیبت میں پڑتا۔

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان کو سادہ اور سپاہیانہ زندگی بسر کرنی چاہیے اور اپنی خواہشات کو اعتدال کی حد میں رکھنا چاہیے۔ ورنہ انسانی نفس کی خواہشات کی کوئی حد نہیں اور ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری کے غیر محدود چکر میں اس طرح پھنس جاتا ہے کہ یہ سلسلہ رکنے ہی میں نہیں آتا اور انسان ہوا و ہوس کا شکار ہو کر استغنا اور قناعت سے محروم ہو جاتا اور اطمینان قلب سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اسلامی طرزِ حیات کا حسن سادگی اور اعتدال ہی سے ہے۔

فوجی فقیر

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

اس سے قبل ہم نے بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی بیان کردہ سبق آموز حکایات آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ اس مرتبہ آپ کا ایک ذاتی واقعہ تحریر کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''میں دہلی میں تھا تو ایک مرتبہ ایسا بیمار ہوا کہ بیماری ٹھیک ہونے میں آتی ہی نہیں تھی۔ علاج کے سارے طریقے آزمائے لیکن بے سود۔ کوئی دوا اثر ہی نہیں کرتی تھی۔ آخرکار ایک بوڑھے طبیب نے بتایا کہ قدیم طب کی کتابوں میں ایک اصول پڑھا تھا کہ اگر کسی مریض پر کوئی بھی دوا اثر نہ کرے تو وہ کچھ عرصہ کے لیے اس جگہ چلا جائے جہاں وہ پیدا ہوا تھا تو وہ بغیر کسی علاج کے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جس مٹی سے انسان کا خمیر اٹھتا ہے وہاں کے پانی، پھلوں اور سبزیوں کی اس کے جسم کے ساتھ خاص مناسبت ہوتی ہے اور وہاں رہنے سے اس کی مدافعاتی قوت بحال ہو جاتی ہے۔ اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے میں فرید آباد چلا گیا۔

ہمارے خاندان کے زیادہ تر لوگ ملازمت پیشہ تھے۔ وہاں صرف ایک چچا تھے جو زمینداری کرتے تھے۔ میں انہی کے ہاں ٹھہرا۔ انہوں نے اپنی زمینوں پر بھی چند کمرے بنا رکھے تھے اور میں وہاں ہی رہتا تھا۔ صبح سویرے اٹھ کر کھیتوں کی سیر کرتا اور گاجریں، مولیاں، شلجم وغیرہ کھاتا۔ وہاں قریب ہی ریلوے لائن گزرتی تھی اور تھوڑے سے فاصلے پر ریلوے سٹیشن واقع تھا۔ کبھی کبھی میں اور میرے کزن سیر کرتے ہوئے ریلوے سٹیشن تک چلے جاتے۔ اس راستے میں ایک قبرستان تھا۔ جس میں ایک کمرہ بھی بنا ہوا تھا۔ ایک دن ہم سیر کے لیے جا رہے تھے تو اس کمرے میں روشنی دکھائی دی۔ میں سمجھ گیا

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

کہ آج یہاں کوئی مسافر فقیر ٹھہرا ہوا ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا آپ لوگ سیر کریں میں اس فقیر سے گپ شپ لگاتا ہوں۔ جب میں کمرے کے دروازے تک پہنچا تو دیکھا کہ ایک فقیر فوجی قسم کا خاکی رنگ کا کوٹ پہنے آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھا ہوا ہے۔ پاس ہی فوجیوں والے بوٹ، پانی والی بوتل، چھتری اور خاکی رنگ کا تھیلا پڑا ہے۔

میں نے السلام علیکم کہا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر میں نے ذرا بلند آواز سے سلام کہا تو اس نے آنکھیں کھولیں اور بڑے جلال سے فرمایا: ''وعلیکم السلام تم کون ہو اور کس لیے آئے ہو؟''

میں کسی کے جلال سے کبھی رعب میں نہیں آتا میں نے کہا میں کچھ مانگنے کے لیے نہیں آیا بلکہ اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مسافر ہیں اور اگر آپ کو بھوک لگی ہوئی ہو تو آپ کے لیے کھانا لے آؤں؟

فقیر نے بڑے رعب سے حکم دیا۔ ''لے آؤ''

میں قصبے کی طرف لوٹا لیکن چچا کے گھر یہ سوچ کر نہ گیا کہ ایک تو کافی دیر ہو گئی تھی اور دوسرے میں خود ان کے ہاں مہمان ٹھہرا ہوا تھا اور اب ایک مسافر کے لیے کھانے کا انتظام کرنے کو کہتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔ چنانچہ بازار کا رخ کیا اور وہاں سے جو کچھ مل سکا وہ لا کر فقیر کے سامنے رکھ دیا۔ وہ پھر آنکھیں بند کیے ہوئے بیٹھا تھا اور میں نے آواز دینا مناسب نہ جانا۔ میں دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: ''اب کیا ہے؟ جاتے کیوں نہیں؟''

میں نے کہا کہ اس لیے کھڑا ہوں کہ اگر کہیں تو آپ کے لیے پانی بھی لے آؤں۔ انہوں نے کہا کہ لے آؤ۔ میں ان کی فوجی بوتل لے کر قبرستان کے نلکے پر گیا لیکن وہ خراب تھا۔ پاس ہی ایک تالاب تھا لیکن وہاں سے پانی لینا میں نے مناسب نہ سمجھا۔ پانی

لانے کے لیے اب دوبارہ قصبہ جانے کی ہمت نہیں تھی۔ میں خالی ہاتھ واپس لوٹا اور فقیر کی خدمت میں عرض کیا کہ پانی تو نہیں ملا۔ اس نے کہا: بوتل یہاں رکھ دو ہم خود منگوالیں گے۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور میں دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: ''اب کیوں کھڑے ہو؟''

میں نے کہا کہ اتنی تکلیف اٹھا کر آپ کے لیے کھانا لے کر آیا ہوں تو میرے لیے کم از کم دعا ہی کر دو۔ فقیر نے فرمایا کہ ''تم بیمار ہو، جاؤ ٹھیک ہو جاؤ گے'' اللہ نے کیا میں تندرست ہو گیا اور کچھ دنوں بعد دہلی واپس لوٹ آیا۔''

خزانے کا پتہ

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

قبلہ حضرت نے فرمایا:

''ایک مرتبہ میں اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں گیا ہوا تھا۔ وہ سب جانتے تھے کہ میں راہ فقر کا سالک ہوں۔ میرے ایک عزیز نے بتایا کہ یہاں ایک بڑے اچھے صاحب کشف بزرگ حافظ جی کے نام سے مشہور ہیں چلو ان سے آپ کی ملاقات کرواتے ہیں۔ راستے میں میرے عزیز نے مجھے ہدایات دیں کہ ایک تو حافظ جی کو سلام نہیں کہنا وہ اس سے بہت چڑتے ہیں۔ دوسرے ان کی چارپائی پر نہیں بیٹھنا اور تیسرے ان کے حقہ کو ہاتھ نہیں لگانا۔ وہ اپنا حقہ کسی کو پینے نہیں دیتے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ جب ہم ان کے کاشانہ پر پہنچے تو وہاں موجود نہ تھے۔ اور ان کی کوٹھری کو تالہ لگا ہوا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد آ گئے تو انہوں نے خود ہی ہمیں السلام علیکم کہا۔ میرا ساتھی بڑا حیران ہوا کہ یہ تو کسی کو سلام کرتے ہی نہیں۔ پھر حافظ جی نے دروازہ کھولتے ہوئے فرمایا کہ یہاں تو بس ایک چارپائی ہے، حقہ ہے اور توحید ہے۔ ہم بھی اندر چلے گئے اور ان کی چارپائی کے سامنے پڑی ہوئی ایک پتھر کی سل پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آ ؤ ادھر میرے پاس چارپائی پر بیٹھ جاؤ۔ میں نے کہا نہیں میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ چارپائی ویسے بھی جھلنگا سی تھی۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ چلو آپ کو حقہ پلاتا ہوں۔ انہوں نے چلم بھرنے کے لیے حقہ اٹھایا تو میں نے اپنے ساتھی کو ٹہوکا لگایا کہ تم حقہ بھر کر لاؤ۔ حقہ آ گیا تو ہم مل کر پینے لگے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا کہ صرف آپ سے ملنے آیا ہوں۔ میرے عزیز نے عرض کیا کہ جہاں میں نے بیعت کی ہے وہ کیسے بزرگ ہیں؟ اس پر حافظ جی نے ان کے روحانی سلسلہ کا شجرہ پڑھنا شروع کر دیا اور ایک نام پر آ کر

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

رک گئے اور فرمایا: ''یہ ہیں آپ کے مرشد، یہ تو فوت ہو چکے ہیں، اچھے بزرگ تھے'' میرے عزیز نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا یہی میرے مرشد تھے اور وہ فوت ہو گئے ہیں۔

میں نے کہا کہ فرید آباد میں مجھے ایک فقیر ملا تھا۔ اس پر حافظ جی فرمانے لگے ''وہ جو قبرستان میں بیٹھا تھا، جس نے خاکی کپڑے اور فوجی بوٹ پہن رکھے تھے۔ اسے ہم نے ہی بھیجا تھا۔'' میں نے کہا اسے تو بات کرنے کی بھی تمیز نہ تھی۔ اس پر حافظ جی نے قہقہہ لگاتے ہوئے فرمایا کہ ''فوجی ایسے ہی ہوتے ہیں''

پھر حافظ جی نے باصرار فرمایا کہ آپ بھی کچھ پوچھ لیں۔ میں نے کہا پھر کسی خزانے کا پتہ دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ خزانے کا کیا ہے جہاں سے مرضی ہے کھودنا شروع کر دو تمہیں خزانہ مل جائے گا۔ اب ہم تھے اناڑی، ہمیں یہ خبر نہ تھی کہ فقیر کی بات کو ٹوکنا نہیں چاہیے وہ جیسے کہے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ میں نے ان کی بات ٹوکتے ہوئے عرض کیا کہ ایسے کیسے خزانہ مل سکتا ہے۔ آپ کسی خاص جگہ کی نشاندہی فرمائیں۔ انہوں نے کہا اچھا ہم خاص جگہ بتا دیتے ہیں تم ایسا کرو کہ فلاں مندر کے بڑے دروازے کے نیچے چالیس فٹ تک کھدائی کرواؤ تمہیں خزانہ مل جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ مندر تو ایک چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس چٹان کی کھدائی کے لیے ہی ایک خزانہ درکار ہے۔ یہ تو بہت مشکل ہے کوئی آسان سا پتہ بتائیں۔ انہوں نے فرمایا: ''چلو آسان سا پتہ بتا دیتے ہیں ہائی کورٹ، تیلی کا کولہو، بھوری بھینس کے سینگ اور موتی دانہ بس یہی ہے خزانے کا پتہ؟''

ہم نے تو خزانہ کیا ڈھونڈنا تھا لیکن ہمارے عزیز نے ضرور کوشش کی۔ اس قصبہ کے باہر کسی تباہ شدہ بستی کے آثار و کھنڈرات تھے اس نے وہاں جا کر لوگوں سے دریافت کیا کہ ادھر کوئی جگہ ہائی کورٹ کے نام سے مشہور ہے انہوں نے کہا کہ ہائی کورٹ تو نہیں البتہ فلاں کھنڈر کو سب لوگ قاضی کی حویلی کہتے ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی ہائی کورٹ ہے۔ اسی

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

علاقہ میں گھومتے ہوئے اسے ایک چٹان نظر آئی جس کی ہیئت کولہو کی طرح تھی۔ اس سے اس کا مزید حوصلہ بڑھا تو وہ تیسرے نشان یعنی بھوری بھینس کے سینگ ڈھونڈنے لگا۔ ایک جگہ زمین سے تھوڑا سا باہر نکلا ہوا ایک سینگ نظر آیا۔ اسے کھودا تو بھینس کی پوری کھوپڑی نکل آئی۔ اس نے چند مزدور بلوا کر اس کے نیچے زمین کھدوائی تو چند فٹ کی گہرائی پر پتھر کی ایک سل دکھائی دی۔ اسے ہٹایا تو نیچے سے ایک صندوق نکلا اسے کھولا تو اس کے اندر بھینسوں کے گلے میں ڈالنے والے چینی مٹی کے بنے ہوئے موٹے موٹے رنگ برنگے موتی تھے۔ اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ وہ چند موتی اٹھا کر ساتھ لے آیا اور باقی موتی مزدور لوگ لے گئے۔ گھر میں بچے ان موتیوں سے کھیلتے رہے۔ ایک دن ایک بچے نے پتھر مار کر موتی توڑ دیا تو اندر سے خالص سونا نکلا۔ کسی نے سونے کو چھپانے کے لیے اوپر مٹی چڑھا رکھی تھی۔ بس اس کی قسمت میں نہیں تھا تو ہاتھ آیا ہوا خزانہ بھی نکل گیا۔''

روح اوراس کے رنگ

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مجلس میں بانی سلسلہ توحیدیہ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا:

''سلوک کے دوران میں نے بہت کم چیزیں دیکھیں، تھوڑی بہت سیر اللہ نے کرادی وہ بھی شاید اس لیے کہ مجھے پیر بنانا چاہتے تھے تا کہ مریدوں کی کیفیات جان سکوں۔ شروع شروع میں جب کبھی بیٹھے یا لیٹے ہوئے آنکھیں بند کر کے پاس انفاس کا ذکر کر رہا ہوتا تو ایسے محسوس ہوتا کہ بڑی تیز روشنی کی شعاعیں آنکھوں پر پڑ رہی ہیں۔لیکن آنکھیں کھولتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ایک مرتبہ اللہ کے دھیان میں آنکھیں بند کر کے بیٹھا ہوا تھا تو میں نے دیکھا کہ میرے دل سے ایک شعاع نکل کر بڑی تیزی سے آسمان کی طرف چلی گئی۔ میں نے اوپر دیکھا تو وہ چاند کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو آواز آئی کہ یہ تمہاری روح ہے، پھر وہ شعاع آسمان سے نیچے اتری اور میرے دل میں گھس گئی۔ پھر میرے دل سے دوشعاعیں نکلیں اور اوپر کافی بلندی پر جا کر مل گئیں اور ایک محراب کی سی صورت بن گئی۔ پھر اس محراب میں عمودی اور افقی نورانی لکیریں لگ گئیں جس سے پوری محراب میں چھوٹے چھوٹے خانے بن گئے۔ پھر ان سارے خانوں میں مختلف قسم کے رنگ بھر گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو جواب آیا کہ یہ تمہاری روح کے رنگ ہیں۔تم سب رنگ فقیر ہو۔تم سے زاہد و عابد متشرع قسم کے صوفی اور ماڈرن تعلیم یافتہ رِند قسم کے لوگوں کو بھی فیض ملے گا۔''

اللہ میاں سے لڑائی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

راقم الحروف نے قبلہ حضرتؒ کی زندگی کے آخری برسوں میں یہ بات کئی بار آپ سے سنی ہے کہ

''آج کل میری اللہ میاں سے ایک بات پر لڑائی ہو رہی ہے۔ میرا تقاضا یہ ہے کہ جو بھی سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہوا سے روحانی دولت کے ساتھ ساتھ دنیوی خوشحالی بھی عطا ہو۔ لیکن اللہ میاں مان نہیں رہے وہ فرماتے ہیں کہ جو بھی ہمارے ساتھ دوستی لگاتا ہے، ہم اسے ضرور آزمائشوں میں ڈالتے ہیں۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنے بیٹوں کو بڑے لاڈ پیار سے پالا ہے انہیں آپ کچھ نہ کہیں۔ ابتلاء کے لیے میری جان حاضر ہے میرے ساتھ جو چاہیں کرلیں، مجھے بیمار ڈال لیں، چاہیں تو میری ٹانگ توڑ لیں۔''

چنانچہ کئی برسوں کے بعد آپ نے برادرانِ سلسلہ کو یہ خوشخبری سنائی کہ

''مبارک ہو اللہ میاں اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ سلسلہ توحیدیہ کے بھائیوں کو روحانی دولت کے ساتھ ساتھ دنیوی دولت بھی ملے گی۔''

اس خوشخبری کے اثرات سب بھائیوں نے مشاہدہ کیے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ بانی سلسلہ e کئی برسوں تک علیل رہے اور آخری ایام میں دائیں ٹانگ کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی۔ جس کے لیے آپریشن بھی کیا گیا اور آپ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ کئی ماہ صاحبِ فراش رہنے کے بعد اسی علالت میں ۲۳ جنوری ۱۹۷۷ء کو واصل باللہ ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

Markaz Taameer-i-millat, Waheed colony, Kot Shahan, Gujranwala, Pakistan. Contact: +92-0344-9000042
Silselah-i-Tauheediyah, Website: http://www.tauheediyah.com/

آپ کو کینسر نہیں ہے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

آستانہ توحیدیہ میں ایک مجلس میں آپ نے فرمایا:

''چند ہفتے پہلے ایک صاحب تشریف لائے۔ سلام و دعا کے بعد وہ کچھ عرض کرنے ہی لگے تھے تو میں نے انہیں کہہ دیا کہ آپ کو کچھ نہیں ہے۔ وہ پھر کہنے لگے کہ جی میں راولپنڈی سے آیا ہوں۔ ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ آپ کو کینسر ہے۔ میں وہاں فوجی ہسپتال C.M.H سے علاج کروا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کو کہہ تو دیا ہے کہ آپ ٹھیک ہیں اور آپ کو کینسر ہرگز نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میں دوبارہ اپنا چیک اَپ کروا لوں۔ میں نے کہا ضرور کرائیں۔ وہ صاحب چلے گئے اور گزشتہ ہفتے دوبارہ تشریف لائے اور یہ خوشخبری سنائی کہ ڈاکٹروں نے میرے اصرار پر دوبارہ ٹیسٹ کروائے تو حیران رہ گئے کہ ہماری گزشتہ تشخیص غلط تھی۔ آپ کو کینسر ہرگز نہیں ہے معمولی سے دوسری تکلیف ہے اور یہ چند دن علاج سے ٹھیک ہو جائے گی۔ آپؒ نے فرمایا کہ ''وہ بڑا سمجھ دار اور نفیس انسان تھا۔ وہ نذرانہ کے طور پر ہمیں کافی رقم دینا چاہتا تھا لیکن ہم نے انکار کر دیا۔ اس کی کوئلے کی کانیں تھیں اور وہ کافی مال دار آدمی تھا۔ پھر اس نے آستانے کی مزید تعمیر کے لیے تعمیراتی میٹریل دینے کی پیشکش کی لیکن میں نے یہ بھی قبول نہ کی۔ میں نے اسے کہہ دیا کہ ہماری دعا سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کرم فرما دیا۔ یہ اس کی مہربانی ہے دعا کرنے کا معاوضہ تو نہیں لیا جاتا آپ بھی ہمارے لیے دعا کر دینا۔''

پروہت کی بدروح

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مجلس میں آپؒ بتا رہے تھے کہ

''جو لوگ کافر ہیں یا مذہب کو صرف زبانی کلامی ہی مانتے ہیں اور اللہ کی عبادت اور صالح اعمال کی پرواہ نہیں کرتے تو جب وہ مرتے ہیں تو ان کی روح کی قوت پرواز اتنی کم ہوتی ہے کہ وہ گناہوں کی کثرت کا بوجھ اٹھا کر طبقات اعلیٰ تک پرواز نہیں کر سکتی۔ اور مادہ ہی میں قید ہو کر رہ جاتی ہے یہی بدروحیں ہیں۔ انہوں نے زندگی میں بھی دوسرے انسانوں کو تنگ کرنے کا رویہ اپنا رکھا تھا اب مرنے کے بعد بھی لوگوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔ میں جب کراچی میں مقیم تھا کہ ایک صاحب میرے پاس یہ مسئلہ لے کر آئے کہ ان کی دو جوان بیٹیاں ہیں اور ان کو ایک بدروح تنگ کرتی ہے اور ان کا پردہ بھی نہیں رہنے دیتی۔ وہ کسی ہندو پروہت کی بدروح ہے اور انہیں کہتی ہے کہ تمہارے دادا پردادا ہندو تھے وہ ہمارے دیوتاؤں کو پوجتے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے اس لیے تم بھی چڑھاوے چڑھاؤ ورنہ میں اسی طرح تنگ کرتا رہوں گا۔ میں نے انہیں پانی دم کر کے دے دیا جس کے پینے سے انہیں چند ماہ افاقہ رہا لیکن دوبارہ وہی تکلیف ہو گئی۔ میں ان کے گھر گیا اور دم کر کے توجہ دی تو وہ مجھے نظر آ گیا۔ وہ پروہت بڑی مکروہ صورت والا اور سخت جان تھا۔ میں نے پھونکیں ماریں تو وہ گیا نہیں۔ میں نے صاحبِ خانہ سے اجازت لی کہ یہ بچیاں میری بیٹیوں کی مانند ہیں انہیں اپنے ساتھ لگا کر توجہ دینا چاہتا ہوں۔ جب ایسا کیا تو چیختا چنگھاڑتا ہوا بھاگ گیا اور پھر کبھی نہیں لوٹا۔''

جب وصول ہوا

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک مجلس میں قبلہ حضرتؒ نے فرمایا:

''کہ جب سالک کسی مردِ کامل سے بیعت ہونے کے بعد ان کی تعلیم پر کماحقہٗ عمل کرے اور اس کے اعمال مقبول ہو جائیں تو کوئی ایسی صاف وصریح نشانی دکھائی جاتی ہے جس سے اس کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مساعی کو شرفِ قبولیت عطا فرما دیا ہے اور مجھ کو اپنے اولیاء کے حلقہ میں شامل کر لیا ہے۔ اسے وصول کہا جاتا ہے یہ نشانی عام طور پر روحانی مشاہدہ یعنی نیم خوابی کی حالت میں دکھائی جاتی ہے جو کبھی تو بالکل صاف ہوتی ہے اور کبھی تشبیہ یا استعارے کے طور پر۔ مثلاً کسی کو صاف الفاظ میں بتا دیا جاتا ہے کہ آج سے تم ہمارے اولیاء کے حلقے میں داخل کر لیے گئے۔ کسی کو نظر آتا ہے کہ اس کی تاج پوشی ہوئی ہے کوئی دیکھتا ہے کہ وہ امام بنا دیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مجھے جب وصول ہوا تو اس وقت میں انڈیا میں تھا۔ سردی کا موسم تھا تو رات سوتے میں مجھے پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی میں اٹھ کر بستر سے دو قدم ہی چلا تھا کہ دماغ میں چھوٹے سے دھماکے کی آواز آئی اور سارا سین ہی بدل گیا اور میں ایک وسیع میدان میں تھا۔ وہاں تمام اولیائے کرام ایک ہی لمبی صف میں کھڑے تھے۔ میرے لیے جگہ خالی تھی اور مجھے وہاں کھڑا کر دیا گیا۔ سب بزرگ اپنے اپنے مرتبے کے مطابق کھڑے تھے اور میں ان سب کو پہچانتا ہوں۔ اس دن مجھ سے بلند رتبے والے صرف پانچ اولیائے کرام میرے داہنے ہاتھ تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ میرے بائیں ہاتھ کھڑے تھے۔ یہ تو بہت پہلے کی بات ہے اس کے بعد میں نے بہت ترقی کی ہے۔''

مریخ پر ایک آدمی ملا

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

۱۹۶۷ء کی بات ہے کہ اس وقت راقم الحروف پی اے ایف اکیڈمی رسالپور میں تعینات تھا۔ ہمیں اطلاع ملی کہ قبلہ حضرت چند دنوں کے لیے پشاور آ رہے ہیں تو میں بھی ایک بھائی کے ساتھ وہاں حاضر ہوا۔ وہاں موسم کچھ گرم تھا۔ اس لیے بھائیوں نے یہ طے کیا کہ قبلہ صاحب کے ساتھ عصر کی نماز چمن یعنی سٹیڈیم کی کھلی فضا میں پڑھیں گے۔ حسبِ پروگرام نماز کے بعد سب بھائی حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ کسی بھائی نے سوال کیا کہ کیا زمین کے علاوہ دوسرے ستاروں میں بھی کوئی مخلوق آباد ہے؟ اس پر قبلہ حضرت نے فرمایا: ''اس کائنات میں اربوں کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں اربوں ستارے ہیں۔ اللہ ہی جانے اس وسیع کائنات میں کیا کچھ ہے۔ ہمیں اللہ میاں نے ایک مرتبہ مریخ کی سیر کرائی، مریخ پر جو بھی درخت یا پودے اگتے ہیں ان کا رنگ سرخ ہوتا ہے، جو جگہ ہم نے دیکھی وہ جنگل سا تھا۔ وہاں ایک آدمی سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس کا قد ذرا چھوٹا تھا اور چگی سی ڈاڑھی تھی۔ ہم نے اس سے بات کرنا چاہی تو بات بنی نہیں۔ وہ کوئی عجیب سی زبان بولتا تھا۔ پھر ہم نے اسے International language یعنی عالم گیر زبان میں بات چیت کی۔ وہ مسلمان تھا۔ ہم نے وہاں ایک مسجد بھی دیکھی۔ اس مختصر سی سیر میں ہم نے کوئی بڑی انسانی آبادی اور شہر نہیں دیکھا۔''

فقیر بننا چاہتے ہو

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کبھی کبھی ایک ہی فصیح و بلیغ جملہ میں فقیری کا خلاصہ بیان کر دیا کرتے تھے۔ ایسے ہی چند فقرے قارئین کی نذر ہیں۔

1...... ''فقیر بننا چاہتے ہو تو سنو! فقیری یہی ہے کہ گالیاں سنو اور دعائیں دو۔ اب تمہاری مرضی ہے چاہے یہ بات ایک ماہ میں حاصل کر لو چاہے بیس برس لگا لو۔''

2...... ''فقیری چاہیے تو بچے بن جاؤ۔ جب بچہ کوئی نقصان یا غلط کام کرتا ہے تو ماں اسے سزا کے طور پر تھپڑ مارتی ہے اور وہ دور جا گرتا ہے۔ وہ روتا روتا اٹھتا ہے اور پھر ماں کی طرف ہی جاتا ہے، ماں اسے پھر مار کر دور پھینک دیتی ہے لیکن وہ اٹھ کر پھر ماں کی طرف ہی لپکتا ہے، ماں آخر ماں ہے وہ کب تک مارے گی۔ آخر کار وہی ماں اسے اپنے سینے سے لگا لیتی ہے اس کا منہ چومتی ہے۔ اپنے آپ کو کوستی ہے کہ کیوں غصے میں آ کر اپنے لعل کو مارا۔ پھر اسے مٹھائی یا ٹافی وغیرہ کھلا کر خوش کرتی ہے۔ اللہ میاں تو ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے وہ بھی ہمیں آزمانے کے لیے ابتلا میں ڈالتے ہیں لیکن سالک کو چاہیے کہ بچے کی طرح پھر اپنے اللہ کی طرف ہی لوٹے اور اس کے در پر ہی اپنا سر جھکائے۔ اللہ کو کسی حال میں نہ چھوڑے۔ ایسے لوگ ہی نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں۔''

3...... ''فقیری حاصل کرنا چاہتے ہو تو بے غیرت بن جاؤ، کیوں کہ فقیری میں تو یہی سکھایا جاتا ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دو اور گالیاں دینے والے کو دعائیں دو، غصہ اور نفرت کی مکمل نفی کرنا توحیدیہ سلوک کا اہم جزو ہے۔ اب اگر کوئی جھگڑا ہو جائے اور آپ کا مخالف آپ کو ماں بہن کی گالیاں دینے لگے اور آپ تحمل اور خاموشی سے اس کی مغلظات سنتے رہیں تو لوگ یہی کہیں گے کہ یہ بڑا بے غیرت انسان ہے۔ فلاں آدمی

اس کے منہ پر گالیاں دیتا رہا اور یہ بت بنا خاموشی سے سنتا رہا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہی تھا۔ اور آپ ﷺ کے خلقِ عظیم کا اتباع ہی بندگی کا کمال اور فقیری کی معراج ہے۔"

سیکرٹری کا تبادلہ اور شراب

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

حکومتِ پنجاب کے ایک سیکرٹری جن کا نام اخلاق محمد تھا، کے بارے میں ایک دن قبلہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ''وہ کسی بھائی کے ساتھ یہاں تشریف لائے، انہوں نے کہا کہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ عرض کرنا ہے۔ چنانچہ میں نے دوسرے بھائیوں سے کہا کہ وہ لوگ دوسرے کمرے میں چلے جائیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ قبلہ مجھے روحانیت کے بارے میں کوئی علم نہیں اور نہ ہی میں اس کے لیے آیا ہوں۔ میرے دو ذاتی کام ہیں ان کے لیے آپ سے دعا کرانا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ میں پہلے حکومتِ سندھ میں تھا، وہاں کراچی میں میرا اپنا مکان ہے اور میرے بچے اب بھی وہاں ہی ہیں۔ چند ماہ پہلے میری ٹرانسفر سندھ سے پنجاب میں کر دی گئی جس کی وجہ سے میں کافی پریشان ہوں، میں چاہتا ہوں کہ دوبارہ کراچی چلا جاؤں۔ میں نے کہا کہ چلو تمہاری پوسٹنگ سندھ میں ہوگئی۔ دوسری بات کہو! اس پر اس نے کہا کہ میں شراب پیتا ہوں اور دل سے چاہتا ہوں کہ اس خباثت سے میری جان چھوٹ جائے، اس کے لیے آپ میری مدد فرمائیں۔ میں نے کہا کہ اگر تو تم کبھی کبھار پیتے ہو تو تین دن میں چھوٹ جائے گی اگر روزانہ پینے کے عادی ہو تو تین ماہ لگیں گے۔ چنانچہ وہ صاحب چلے گئے اور ایک ہفتہ بعد مٹھائی کا ڈبہ لیے ہوئے حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ قبلہ پوسٹنگ کا تو کمال ہی ہوگیا۔ میں اگلے روز ہی دفتر پہنچا تو اسلام آباد سے فون آ گیا کہ آپ کی خدمات سندھ حکومت کے سپرد کی جاتی ہیں۔ مجھے انتہائی خوشی ہوئی اور احباب نے مبارک باد دی۔ چند روز بعد میرے عملے نے میری الوداعی پارٹی کی، ہماری پارٹیوں میں شراب تو لازمی ہوتی ہے۔ لیکن میں نے پینے کے لیے جونہی جام اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ میرے جام کے

اندر کھڑے مجھے غصے سے گھور رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں لرز گیا اور اس وقت سے مجھے شراب سے دلی نفرت ہوگئی ہے۔اس پر میں نے سیکرٹری صاحب کو بتایا کہ دیکھ یہ سب اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ وہ چاہتا تو آپ کو جام میں سانپ یا بچھو دکھا دیتا، اس نے مجھے اس میں دکھا دیا۔ بخدا مجھے اس کی کوئی خبر نہیں، بھلا گلاس میں آدمی کیسے سما سکتا ہے؟ ہم نے تو اس دن تمہارے لیے دعا کر دی آگے سب اللہ کے کام ہیں۔اللہ کو مانو وہی مشکل کشا اور بگڑی بنانے والا ہے۔''

راقم الحروف کی اخلاق صاحب سے کراچی میں ملاقات ہوئی۔ وہ بانی سلسلہ توحیدیہ کے بہت معتقد تھے۔ایک محفل ذکر میں تشریف لائے تو ہم چند بھائیوں کو اپنے گھر لے گئے۔ وہ روحانیت پر خود بھی تحقیقی کام کر رہے تھے جس کا مسودہ برادرم اصغر علی صاحب کے توسط سے مجھے دیکھنے کو ملا،لیکن وہ کام ہمارے مطلب کا نہ تھا۔